سزا

میناناز

PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِنتساب

جنرل پرویز مشرّف صاحب

کے نام

جنہوں نے جمہوریت کو پالنے میں
ڈال دیا ہے۔

مِیناناز

زندگی ایک ڈسپلن کا نام تھا۔ انہوں نے تمام زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا جو ڈسپلن اور وقت کے تعین کا محتاج نہ رہا ہو۔ وقت پر سونا' وقت پر اٹھنا اور وقت پر ہی کھانا۔ یہی ان کی زندگی کا وطیرہ رہا تھا اور یہی زندگی کا اعزاز رہا تھا۔ وہ آرمی میں کرنل کے عہدے سے جب ریٹائر ہوئے تھے اور ان کا تمام اثاثہ ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔ ورثے میں چلی آنے والی کچھ زمینیں تھیں جو کرنل شاہنواز کا بھرم رکھے ہوئے تھیں۔ پنشن اتنی نہیں تھی کہ زمینوں سے تھوڑی بہت آنے والی انکم کا سہارا نہ لیا جاتا۔ بہرکیف گھر کے چار افراد ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ بیٹی سونیا بی اے میں زیرِ تعلیم تھی اور بیٹا حق نواز بی اے کرنے کے بعد کسی اچھی ملازمت کی تلاش میں پورے دو سال سے دھکے کھا رہا تھا۔ حق نواز جب باپ سے کہتا کہ آپ نے ملک و قوم کی تمام زندگی خدمت کی ہے آپ کے تعلقات بہت وسیع ہیں حکام بالا تک آپ کی رسائی ہے پھر کیوں نہیں آپ میری مدد کرتے۔ میں کب تک پورے شہر کی خاک چھانتا رہوں گا۔

تب وہ مسکرا دیتے اور کہتے۔ "برخوردار اپنی مدد آپ کے تحت جینا سیکھو۔ میرٹ کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرو۔ ہم اپنے اصولوں کے ہاتھوں مجبور ہیں ہم نے اپنی تمام زندگی ایک ہی دائرے کے اندر اور ایک خوبصورت ڈسپلن کے تحت گزاری ہے۔ صرف حکم ہی دیا ہے سنا نہیں اور تم چاہتے ہو کہ ایک معمولی سی ملازمت کے لئے ہم دوسروں کے سامنے سوال بنیں' دامن پھیلائیں کہ کرنل شاہنواز کا بیٹا بے روزگار ہے۔ نہیں برخوردار یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ سال دو سال مزید ملازمت نہیں ملے گی تو کون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی قیامت آ جائے گی"۔

اور تب حق نواز باپ کی بات سن کر صرف مسکرا دیتا اور ادب سے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہتا۔

"بابا جان! وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا ہمارے ملک کا ایک سسٹم ہے رشوت یا پھر بہت بڑی سفارش..... میرٹ کی بنیاد پر اس ملک میں ملازمتیں نہیں ملتیں' صرف وعدے کئے جاتے ہیں یا پھر دھکے ملتے ہیں اور سچ پوچھئے تو میں بہت تھک چکا ہوں"۔

"ایک فوجی کے بیٹے ہو۔ ہمت نہیں ہارنا"۔

اور بات ختم ہو جاتی..... اور حق نواز پھر ہر صبح تیار ہو کر اخبارات میں ملازمتوں کے اشتہار پڑھ کر تیار ہو جاتا اور یہی اس کی زندگی کا معمول تھا۔

سونیا سرو قد اور ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ قدرت کا ایک انمول شاہکار۔ جیسے خدا نے اسے فارغ وقت میں تخلیق کیا ہو۔ کوئی قوس' کوئی زاویہ ایسا نہ تھا جسے نظرانداز کیا جاتا۔ بیگم شاہنواز بیٹی کو دیکھ کر یہی سوچتیں کہ خدا کرے ان کی بیٹی کو کوئی رشتہ مل جائے۔ خاندا میں ہر طرف نظر دوڑانے کے باوجود انہیں کوئی لڑکا نہیں ملا تھا جس کا وہ بیٹی کے لئے انتخاب کرتیں لہٰذا ان کا فکرمند ہونا قدرتی امر تھا۔

صبح ناشتے کی میز پر حسب معمول گھر کے چاروں افراد موجود تھے۔ یہ فوجی کے گھر کا ایک اہم اصول تھا وقت پر ہر فرد نے تیار ہو کر کھانے کی میز پر پہنچنا ہوتا تھا۔ ناشتے کے دوران بیگم شاہ نے شوہر کو مخاطب کیا۔

"شاہ جی! بیٹے کی کچھ مدد کیجئے۔ بہت پریشان ہے"۔

"کیوں برخوردار؟ پریشان رہتے ہو"۔

"پریشان نہیں رہتا بلکہ کچھ تھکن محسوس کرنے لگا ہوں"۔ حق نواز مسکرایا۔

"پھر ماں جان کو ڈھال کیوں بنایا؟" وہ بھی چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے جواباً مسکرائے۔

"ایک لفظ نہیں بولا..... قسم لے لیجئے"۔

شاہ صاحب نے بیوی کی طرف دیکھا اور وہ برا سا منہ بنا کر بولیں۔

"اگر ایک ماہ کے اندر اندر بیٹے کو ملازمت نہ ملی تو پھر میں بھائی شبیر خان کو کہہ کر کچھ بندوبست کروں گی"۔

یعنی کہ آپ اپنے بھائی جو ہم سے چھوٹے رینک کیپٹن کے عہدے پر فائز رہے تھے انہیں زحمت دیں گی"۔

بیگم شاہ نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ سونیا نے باپ کے لہجے کی کاٹ اور آنکھوں میں بھر جانے والی تپش کو محسوس کرتے ہوئے بات کو سنبھالا۔

"بابا جان! وراصل ماں جان کا مطلب یہ تھا کہ اب آپ کچھ کر ڈالئے بھائی واقعی پریشان رہنے لگے ہیں"۔

"تمہاری پڑھائی کیسے جا رہی ہے؟" شاہ صاحب نے خود ہی موضوع بدل دیا۔

اور سونیا مسکرا دی..... پھر چائے کا آخری گھونٹ لے کر کپ کو رکھتے ہوئے بولی۔

"اجازت دیجئے ویگن کے لئے دس سے بیس منٹ ہر روز ضائع کرنے پڑتے ہیں"۔

میری اگر ملازمت ہوتی تو سب سے پہلے گاڑی ضرور خرید لیا..... تب سونو کو خود چھوڑ کر آیا کرتا اور....."

"ہمارا خیال ہے ہمیں چائے اپنے بیڈ روم میں پی لینا چاہیے"۔ اتنا کہہ کر شاہنواز اٹھ گئے۔ سونیا نے آنکھوں کو جھپکا اور بولی۔

"بھائی! آپ اپنی مدد آپ کر لیں۔ بابا جان اپنے اصولوں سے ہٹنے والے نہیں۔ او کے میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ خدا حافظ"۔ پھر سونیا بھی اٹھ گئی۔

اب ماں بیٹا تنہا رہ گئے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بیگم شاہ نے مسکراتی نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب ذرا تمہارے بابا جان کی خبر لے آؤں۔ چائے پی کر نہیں گئے"۔ پھر انہوں نے کپ تیار کیا اور اپنے شوہر کے کمرے میں جا پہنچیں۔ شاہ صاحب اخبار پڑھ رہے تھے اور ان کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چائے حاضر ہے جناب کرنل صاحب"۔ بیگم شاہ انہیں کرنل کہہ کر اس وقت مخاطب کیا کرتیں تھیں جب انہیں منانا مقصود ہوتا۔

انہوں نے اخبار پوری قوت سے دیوار پر دے مارا اور غرا کر بولے۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ اور یہ کیسا نظام اور کیسا سسٹم ہے یعنی جو پولیس' عوام کو تحفظ فراہم کرنے کی ذمے دار ہے عدم تحفظ کا شکار کر رہی ہے"۔

"کیا ہوا شاہ جی.... آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"کامونکے جہاں ہماری اپنی زمینیں ہیں اس چھوٹے سے شہر کے پولیس انچارج نے ایک زندگی برباد کر ڈالی۔ ایک معصوم کی عزت لوٹ لی۔ خدا کی پناہ۔ یہ ملک تو پولیس اسٹیٹ بنتا جا رہا ہے۔ یہ اخبار دیکھو اور پڑھو۔ دیکھو کس قدر منحوس خبر ہے۔۔ لکھا ہے کہ کامونکے شہر کے انچارج نے کسی کیس میں مدد طلب کرنے والی دوشیزہ کو شادی کے سبز باغ دکھائے اور اس کی عزت سے کھیلتا رہا جب اس کا دل بھر گیا تو اپنے ساتھی پولیس والے کے سپرد کر دیا اور اس نے بھی ایک مدت تک اس کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا"۔

"یہ تو واقعی بڑا ظلم ہے شاہ جی"۔

آئے دن ایسی ہی خبروں سے۔ اخبارات بھرے رہتے ہیں۔ کسی گاؤں کے چوہدری نے مزارعے کی بیٹی کو اغوا کیا اپنے نفس کی آگ بجھائی اور اسے نیم مردہ کھیتوں میں پھینک دیا۔ یا دشمنی کی بنا پر عورتوں کو بے لباس کر کے گاؤں میں پھرایا۔ اور ایسے کیسوں کے پولیس مقدمے درج نہیں کرتی اور ایف آئی آر اس لئے نہیں کاٹتی کہ لوٹنے والا گاؤں کا چوہدری تھا اور لٹنے والی غریب عورت تھی۔ نہیں بیگم یہ ظلم ہے۔ ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ آخر حکومت سدباب کیوں نہیں کرتی۔ اس طرح تو عوام عدم تحفظ کا شکار ہو جائے گی"۔

"شاہ صاحب یہ تو ہر روز کا کام ہے۔ دہشت گردی اور....."

"نہیں بیگم دہشت گردی اور چیز ہے ڈاکے' چوریاں' قتل اور باتیں ہیں۔ لیکن یہ معصوم لڑکیوں کی عزت سے کھیلنا زندگی کا عرصہ حیات تنگ کرنا' غریبوں سے جینے کا

حق چھین لینا انہیں کم مائیگی کا زہر دینا الگ بات ہے"۔

"ٹھیک ہے شاہ جی! آپ چائے لیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ جی کو جلانے سے کیا فائدہ؟" بیگم شاہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"کامونکے ہمارا آبائی شہر ہے ہم وہیں پیدا ہوئے وہیں میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور وہیں سے ہم نے آرمی زندگی کا آغاز کیا اور وہیں ہماری زمینیں ہیں۔ ہم وہاں جائیں گے اس پولیس انسپکٹر کو ملیں گے۔ اس گھرانے سے ملیں گے جس کی بیٹی سے اتنا بڑا ظلم ہوا"۔

"اچھا ٹھیک ہے آپ چائے پئیں اور اپنے آپ کو نارمل کریں۔ میں کل سے اخبار بند کروا دیتی ہوں۔ ایسی خبروں سے تو انسان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور خدانخواستہ خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے"۔

"ہاں یہ بات تم نے درست کہی کہ ایسی خبریں پڑھ کر انسان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے لیکن بیگم شاہ ہم دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں"۔

پھر بات ختم ہو گئی۔ لیکن بیگم شاہ دیکھ رہی تھیں کہ شاہ جی ضرورت سے زیادہ اثر لے گئے ہیں اور پھر چار بجے وہ بیگم کو یہ کہتے ہوئے گھر سے نکل گئے کہ رات کو واپسی نہ ہوئی تو فون کر دیں گے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

وہ اپنے آبائی گاؤں جو اب ایک مکمل شہر کی صورت اختیار کر گیا تھا جا پہنچے تھے اور راستے بھر صرف یہ بڑبڑاتے رہے تھے کہ زندگی اس قدر سستی نہیں کہ سرمایہ داروں' وڈیروں' چوہدریوں کی بھینٹ چڑھا دی جائے۔ وہ اپنے دوست کے گھر جا پہنچے تھے اور انہیں اپنی آمد کا مقصد بتا ڈالا۔

"ہم اس برباد گھر کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہاں سے کس قدر دھواں اٹھا ہے کتنی چیخیں سینوں کے اندر گھٹ کر رہ گئیں' لوگ عزت اور غیرت کے نام پر کس قدر کراہ رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔ ہاں میرے دوست کیپٹن فیاض ہم اس گھر تک جانا چاہتے ہیں"۔

"اور میرے کرنل میں تیرے قربان۔ میں تیرے صدقے۔ تمہاری ابھی تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہی خیالات وہی جذبے اور وہی دوسروں کے درد پر رو دینے والے انداز کو دیکھ کر تمہاری زندگی کا ہر ورق پھڑپھڑا کر سامنے آ گیا ہے۔ لیکن میرے یار وہاں جا کر مزید دکھی ہو جاؤ گے۔ آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں"۔

"لیکن کس طرح کیا ان کی مالی مدد کرنا چاہتے ہو یا....."

"ہم اس انسپکٹر اور اس کے ساتھی کو جہنم رسید کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ گھرانہ سر اٹھا کر چند سانس لے اور جی لے ورنہ وہ تو کم مائیگی کا زہر پی کر مر کھپ جائیں گے اور یہ کام اس لئے کرنا چاہتے ہیں کہ یہ گاؤں ہمارا تھا' ہمارا ہے اور ہمارا رہے گا"۔

"آؤ میرے شیر آؤ۔ چلتے ہیں۔ میں جانتا ہوں بلکہ آدھا شہر جان گیا ہے کہ وہ بدنصیب کون ہیں"۔ کیپٹن فیاض جو کرنل کا پرانا دوست تھا وہ تیار ہو کر ساتھ جانے کے لئے گھر سے نکل آیا۔ پھر بیس منٹ بعد جب شام کی آذان ہو رہی تھی دونوں اس بدنصیب چوکھٹ پر جا پہنچے جہاں سے خاموش چیخوں کی آوازیں سسکیوں' آہوں اور کراہوں کی آوازیں اندر چھائے ہوئے سناٹے کو چیر رہی تھیں۔ دستک دینے پر ایک پندرہ سالہ لڑکا آیا تھا۔ ایک شکست خوردہ چہرہ' مایوس سا اور سہما ہوا چہرہ۔ استفسامیہ انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

"بیٹے! میرا نام کرنل شاہنواز ہے اور یہ میرے ساتھی کیپٹن فیاض ہیں کیا تم ہمیں اندر آنے کی اجازت دو گے کیونکہ ہم تم لوگوں کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ اندر گھر میں اور کون کون ہے؟"

"جی ابا' اماں اور بہن ہے"۔

"جاؤ اجازت لے آؤ بیٹے"۔

"اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ تشریف لے آئیں"۔ لڑکے نے راستہ چھوڑ دیا اور تب شاہ جی اپنے دوست فیاض کو لئے اندر داخل ہو گئے۔ چھوٹا سا مکان جو پانچ مرلے میں بنا ہوا تھا۔ دو کمروں ایک کچن پر مشتمل تھا۔ صحن میں ایک چارپائی اور دو موڑھے رکھے ہوئے تھے۔ چارپائی پر ایک عورت سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی اور

مرد جو پینتالیس سال کا تھا چادر چہرے پر لپیٹے ہوئے تھا چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور آنے والوں کو حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے دیکھ رہا تھا۔

"مہمان ہیں ابا۔ ایک کرنل ہیں اور ایک کیپٹن۔ آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں"۔

"ہم لوگوں کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں"۔ مرد نے جھلا کر کہا۔

"باتیں ہی تو رہ گئی ہیں۔ اکبر بیٹے! انہیں عزت سے بٹھا دو"۔ عورت بولی۔

اور تب شاہ جی فیاض کو اشارہ کرتے ہوئے موڑھوں پر بیٹھ گئے اور کرنل شاہنواز ایک دکھ کی گہری سانس لے کر بولے۔

"ہم آپ کی کچھ مدد کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا نام کرنل شاہنواز ہے اور یہ ہمارے ساتھی کیپٹن فیاض ہیں۔ گو کہ اپنے عہدوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ کیا آپ اس حادثے پر کچھ روشنی ڈال سکیں گے کہ کیوں اور کیسے پیش آیا"۔

"اخبارات میں سب کچھ آ چکا ہے کرنل صاحب اور پھر ہم غریب لوگوں کو کسی کی مدد کی ضرورت ہی نہیں رہی جو کچھ تھا وہ لٹا چکے۔ کچھ سانسیں ہیں جو آہستہ آہستہ ریگ کر آ رہی ہیں۔ پتہ نہیں کب ساتھ چھوڑ جائیں"۔

"آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے میرے دوست۔ میں آپ کی' آپ کے گھر کی اور آپ کی بیٹی کی مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ بقیہ زندگی آپ سب لوگ سر اٹھا کر جی سکیں۔ قدرت کا ایک اپنا نظام ہے جو انسان بوتا ہے کل اسے کاٹنا ہوتا ہے اور پھر زندگی حادثوں کا نام ہے اور حادثے ہی انسان کے لئے ایک معلم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے ساتھ جو ہوا' برا ہوا۔ دکھ ہوا۔ اس لئے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جہاں انسان برے ہوتے ہیں وہاں اچھے بھی ہوتے ہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ آپ کی مدد کریں"۔

"آپ کا شکریہ کرنل صاحب! میری بیٹی کو عوام کو تحفظ دینے والوں کے برباد کر ڈالا۔ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو میری بیٹی کو لے جایئے۔ اگر آپ کا کوئی بیٹا ہو تو..... میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلب ہے کہ کیا آپ پسند کریں گے کہ میری بیٹی کو آپ بہو بنالیں"۔

اور تب کرنل شاہنواز اور کیپٹن فیاض جیسے سناٹے میں آ گئے ہوں۔ اس قدر تلخ بات کی دونوں کو توقع نہیں تھی۔

کیوں کرنل صاحب مدد کریں گے آپ۔ کیونکہ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے اب اس سے شادی کوئی نہیں کرے گا۔ دو انسانوں کے ہاتھوں عزت کو برباد کروانے والی لڑکی کو کون قبول کرے گا۔

"سنو دوست! جو کچھ تم نے کہا ضروری نہیں کہ ہم اسے پورا کر دیں کیونکہ ہمارے بیٹے کی زندگی اپنی ہے۔ ہم اس کی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتے ہم کوشش کریں گے کہ ایسا ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو تب بھی اس کی زندگی کی بہتر ضمانت دیتے ہیں۔ ہم اسے بیٹی بنا کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ کیا تم اسے ہمارے حوالے کر سکتے ہو؟"

"ایک بکھرا ہوا پتھر ہے سمیٹ کے لے جایئے"۔ ایک بیٹی کا باپ ایک دم رو پڑا اور کرنل شاہنواز اسی لمحے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"کچھ دنوں تک یہ ہمارے دوست کیپٹن فیاض آئیں گے ہماری بیٹی کو انہیں سونپ دیجئے گا۔ اب ہم چلتے ہیں"۔ اتنا کہہ کر وہ ایک دم واپسی کے لئے مڑ گئے اور ایک آسیب زدہ سناٹے اور اداسی کے سمندر میں اتری ہوئی دیواروں سے باہر آ گئے۔

"یہ تم نے کیا کیا میرے دوست اتنے بڑے امتحان میں اپنے آپ کو ڈال دیا؟" کیپٹن فیاض کی سرگوشی بڑی تیز تھی۔

"ہم آج بھی جنگ کی حالت میں ہیں۔ ہم شاید آج بھی محاذ پر ہیں"۔ کرنل شاہنواز جیسے خود بھی کراہ پڑے ہوں۔ "اور سنو دوست ہم ٹھہریں گے نہیں۔ واپس لوٹ جائیں گے۔ فون پر بات کریں گے"۔

اور پھر کرنل شاہنواز لاہور واپس لوٹ آئے ایک نیا طوفان لئے۔ ایک نیا درد سمیٹے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" بیگم شاہ نے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

"کھانا نہیں کھائیں گے البتہ تیز قسم کی چائے پلوا دیجئے۔ کچھ تھکاوٹ سی محسوس کر رہے ہیں"۔

"ابھی لیجئے"۔ بیگم شاہ مشینی انداز میں بولیں اور پھر کچھ دیر بعد خود ہی چائے کا مگ لئے آ گئیں۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور کرنل شاہ نے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

"جی بول رہے ہیں.... کون سے پولیس اسٹیشن.... اور آپ کون ہیں؟" کچھ دیر دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو سنتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک دم ریسیور رکھ دیا تھا۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"شاید کسی پولیس اسٹیشن بات ہو رہی تھی۔ کیا بات ہے آپ پریشان ہو گئے ہیں؟" بیگم شاہ بولتی چلی گئیں۔

"کوئی نوجوان تھا جس نے اطلاع دی ہے کہ حق نواز گلشن راوی پولیس اسٹیشن میں پولیس کسٹڈی میں ہے۔

"کیوں.... کیا ہوا.... کیوں بند ہے میرا بیٹا؟" بیگم شاہ جیسے روہانسی ہو گئی ہوں۔

"زیادہ معلومات نہیں دے سکا۔ وہ نوجوان حق نواز کی درخواست پر کہ اس نمبر پر اس کے باپ کو اطلاع کر دی جائے۔ گھبراؤ نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ کیا مسئلہ ہے اور سنو سونیا کو کچھ نہیں بتانا بہت حساس لڑکی ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ چائے کا گھونٹ لئے بغیر تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔ رکشہ پکڑا اور گلشن راو پولیس اسٹیشن جا پہنچے۔ وہ سیدھے ایس ایچ او ابرار حسین کے کمرے تک جا پہنچے تھے۔ انسپکٹر ابرار حسین نے اپنے سامنے کھڑے ایک قد آور شخصیت کو دیکھا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر بولا۔

"فرمائیے"۔

"ہمارا نام کرنل شاہنواز ہے آرمی سے ہمارا تعلق تھا"۔ اتنا کہہ کر وہ رکے اور انسپکٹر نے اسی لمحے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تشریف رکھئے جناب کرنل صاحب اور فرمائیں کیا کام پڑ گیا آپ کو پولیس والوں سے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارا بیٹا حق نواز اس تھانے میں پولیس کسٹڈی میں ہے ہمیں فون پر کچھ دیر پہلے اطلاع دی گئی ہے لیکن جرم کی نوعیت نہیں معلوم ہو سکی"۔

"کوئی بات نہیں ابھی معلوم ہو جاتا ہے"۔ اتنا کہہ کر انسپکٹر نے اپنے بائیں بازو بیٹھے اے ایس آئی کو کہا۔

"دیکھ بھائی کیا معاملہ ہے۔ کرنل صاحب ہمارے لئے قابل احترام ہیں"۔

پھر ASI اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے ہم عصر کو ساتھ لئے اندر داخل ہوا۔

"ہاں جمشید! حق نواز نام کا کوئی نوجوان پولیس کسٹڈی میں ہے"۔

"جناب چوری کے الزام میں"۔

"واٹ!!" کرنل شاہنواز حلق کے بل غرا اٹھے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تفصیل بتاؤ جمشید"۔

"سر سر راہ اس نے ایک لڑکی کا پرس چھینا ہے اور...."

"حق نواز کو لاؤ ذرا عزت سے"۔ انسپکٹر بولا۔ پھر کرنل کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"جناب! کیا آپ کا بیٹا بے روزگار ہے؟"

"اس ملک کے تمام پڑھے لکھے نوجوان بے روزگار ہیں"۔ کرنل کا لہجہ بڑا سخت تھا جیسے پولیس آفیسر کی زہر افشانی پر انہیں غصہ آ گیا ہو۔ ان کا بیٹا اور پاکٹ مار۔

"جناب کرنل صاحب! آپ شاید برا مان گئے۔ دراصل اس بے روزگاری کی وجہ سے بڑے اچھے اچھے گھرانوں کے بیٹے ڈاکیتیاں اور چوریاں کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ والدین کو تو اس وقت علم ہوتا ہے جب پولیس سر پر آ پہنچتی ہے"۔

"شاید آپ نے سنا نہیں کہ ہم کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں ہم لوگ قانون کا احترام ہی نہیں کرتے بلکہ پوری زندگی ایک ڈسپلن کے دائرے مین گزارتے ہیں۔ گھٹیا سے گھٹیا انسان بھی ہماری اولاد کے بارے میں اس قدر گندی سوچ نہیں رکھتا"۔

"آپ ایک پولیس آفیسر کو گالی دے رہے ہیں کرنل صاحب"۔ انسپکٹر ابرار حسین کے تیور بدلے۔

"تمہاری سوچ بہت چھوٹی ہے انسپکٹر۔ تم جیسے کم پڑھے لکھے انسان میرٹ کی بنیاد پر نہیں سفارش یا رشوت کے بل بوتے پر اس کرسی تک پہنچتے ہیں تمہیں تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں کہ تمہارے پولیس اسٹیشن پر کون موجود ہے"۔

انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ ASI جمشید حق نواز کو لئے اندر داخل ہوا۔ کرنل نے بیٹے کی طرف دیکھا جو جھٹ سے بول پڑا۔

"بابا جان! سڑک کراس کرتے ایک پرس ملا جو میں نے اٹھا لیا اور کھڑے ہو کر اسے چیک کر رہا تھا کہ ایک خاتون نے جو اچانک مجھ پر جھپٹ پڑی تھیں پرس چھین لیا اس نے نجانے کیوں شور مچا دیا کہ یہ چور ہے یہ چور ہے۔ میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کہ محترمہ یہ پرس مجھے سڑک سے ملا ہے۔ اتنے میں پولیس گاڑی آ گئی اور یہ لوگ مجھے یہاں لے آئے"۔

"کیا اس خاتون نے تمہارے خلاف رپٹ درج کروائی؟"

"وہ تو اسی وقت رکشے میں بیٹھ کر چلی گئی تھیں"۔

"سنا انسپکٹر اپنے آدمیوں کی کارکردگی۔ مدعی غائب اور ملزم کو پکڑ کر بند کر دیا"۔

"اسے بھی تلاش کر لیں گے ہم"۔ اچانک اے ایس آئی جمشید بول پڑا۔

"شٹ اپ"۔ انسپکٹر اپنے آدمی کے کچے پن پر غرا اٹھا۔ پھر کرنل شاہنواز کی طرف دیکھ کر بولا۔

آپ اپنے بیٹے کو لے جا سکتے ہیں کرنل صاحب۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں اور ہاں کرنل جنرل کیپٹن کا عہدہ اس وقت کام آتا ہے جب وہ شخص آن ڈیوٹی ہو۔ ہمارے محکمے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ ادھر ریٹائر ہوئے ادھر زیرو ہوئے۔ میرا مطلب ہے ایک عام آدمی اور آپ اور ہم لوگوں میں رتی بھر فرق نہیں رہتا۔ یہی اس ملک کا غم ہے"۔

"تمہارے پاس معلومات اور ایجوکیشن کی کمی ہے انسپکٹر۔ خدا نہ کرے ہم

دوسری بار ملیں۔ خدا حافظ"۔ اتنا کہہ کر کرنل شاہنواز اٹھ کھڑے ہوئے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ حق نواز سر جھکائے ان کے پیچھے تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس مقابلے میں مجرموں کو مار دینا اس کے لئے بہت معمولی بات تھی۔ پولیس مقابلہ ڈالا اور دو چار کو پار کر دیا۔ نام ہلاکو خان تھا۔ اور ہلاکو اپنے نام سے بھی دہشت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ عہدہ تو صرف پولیس انسپکٹر کا تھا۔ ذاتی باڈی گارڈ اور اسلحہ رکھتا تھا۔ جب وہ پولیس گاڑی میں گشت پر نکلتا تو چار ذاتی ملازم جو اسلحے سے لیس ہوتے تھے ساتھ ہوتے تھے۔ کوئی آدمی اپنے کسی کیس کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا تو اسے اے ایس آئی ڈیل کر لیتا تھا وہ اپنے کمرے میں ہر ایک سے ملتا ہی نہیں تھا۔ بہت ہی اہم اور خاص آدمی ہوتے تھے جن کو اس تک رسائی ہو جاتی تھی۔ ورنہ یہی جواب ملتا کہ صاحب گشت پر ہیں اور آج کل ایک بہت اہم کیس اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ایک لڑکی کو گھر سے دھوکے سے بلوایا گیا ہوٹل کے کمرے میں اس کا ریپ کیا اور اس لڑکی نے نجانے کیوں دوسری منزل پر واقعہ ہوٹل کے کمرے کے باتھ روم کی کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ لڑکی دو دنوں سے ہاسپٹل میں تھی۔ اور اس نے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر تین انسانوں کے نام لکھوا دیئے جس میں ایک ایم این اے کا بیٹا اور دو اس کے ساتھی تھے۔ کیس ہلاکو خان کی حدود میں آتا تھا۔ بس پھر کیا تھا سب سے پہلے پولیس نے ہوٹل کے مینجر کو گرفتار کیا اس پر ہلاکو خان نے الزام لگایا تھا کہ وہ ہوٹل میں غیر قانونی طور پر اوباش لوگوں کو کمرے دیتا ہے اور لڑکیوں کو ان کے کمروں میں جانے کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی کہ دلالی کرتا ہے بھڑوا گیری کے ذریعے پیسہ کماتا ہے۔ چلو بند کر دو اسے۔ یہ تھا ہلاکو خان۔ ہوٹل کے مینجر عالم انور کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ لیکن یہ صرف مینجر تھا۔ جب ہلاکو خان نے ایم این اے وجاہت علی سے

رابطہ کیا تو انہوں نے وقت دے دیا کہ رات آٹھ بجے گھر آ کر مل لو۔ اور ہلاکو خان اکیلا نہیں گیا تھا اس کی پوری ٹیم ہمراہ تھی۔

"میرا نام انسپکٹر ہلاکو خان ہے۔ کیا بولا ہلاکو خان۔ آپ کا بیٹا حسن وجاہت پولیس کو مطلوب ہے۔ اخبارات تو پڑھ چکے ہوں گے آپ"۔

"اخبارات کو چھوڑو۔ ہمارے بیٹے کو اس گھٹیا قسم کے کیس سے نکالو انسپکٹر۔ بہت بدنامی ہو رہی ہے"۔

"کام بھی تو اس نے گھٹیا کیا ہے۔ کیا بولا۔ گھٹیا کیا ہے۔ مردوں والا نہیں کیا۔ گھٹیا سے گھٹیا نوجوان بھی ایسی حرکت کرنے سے قبل سینکڑوں بار ضرور سوچتا ہے"۔

"میرے بیٹے حسن کو اس کیس سے نکالو انسپکٹر"۔

"لڑکی کا بیان ایف آئی آر میں درج ہو چکا اب گرفتاری ضروری ہے۔ کیا بولا۔ گرفتاری ضروری ہے"۔

"ہماری پوزیشن اور ہمارا عہدہ تمہارے ان تین پھولوں سے بہت بڑا ہے انسپکٹر"۔ وجاہت علی کا لہجہ تپ گیا تھا۔

"ٹھیک بولا۔ ایک دم ٹھیک بولا۔ لیکن ہم لوگ اس ملک کی مشینری کا ایک پرزہ ہیں اور پرزہ سسٹم سے چلتا ہے۔ جب وہی پرزہ زنگ پکڑتا ہے تو اسے مزید چلانے کے لئے تیل کی ضرورت ہوتی ہے اور تیل خریدنے کے لئے چلتا ہے روپیہ پیسہ۔ کیا بولا۔ روپیہ پیسہ"۔

"کیا مطلب؟" وجاہت علی کی پیشانی پر سلوٹیں سی پڑ گئیں اور ہلاکو خان مسکرا پڑا۔ پھر بھاری بھرکم مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

"انگریز حرامزادہ چلا گیا۔ لیکن انیس سو اٹھائیس کا ایکٹ آج بھی پولیس تھانوں پر چلتا ہے کہ فی تھانہ چار آنے کا ہاوسار اسٹیشنری دو۔ اب تو چار آنے کا قلم نہیں ملتا۔ آپ لوگ ایوانوں تک پہنچنے کا سفر کرتا ہے تو کیا وہ سفر بغیر روپیہ پیسہ ہوتا ہے۔ ارے نہیں بابا۔ وہاں تک پہنچنے کا ایک سسٹم ہے اور سسٹم کے پرزہ جب زنگ پکڑتا تو اسے چلانے کے لئے تیل چاہیے۔ کیا بولا۔ تیل چاہیے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم تم کو اسی وقت لائن حاضر کروا سکتے ہیں اور اپنی مرضی کے آدمی کو لگوا کر کیس ختم کروا سکتے ہیں"۔

"کوشش کرو۔ کیا بولا۔ کوشش کرو۔ اور ہم اس رات کی صبح ہونا نہیں مانگتا۔ حسن چاہیے رات کے کسی پہر بھی اسے پولیس اسٹیشن ہونا چاہیے اگر پولیس مقابلے میں مارا گیا تو ہم دونوں کو دکھ ہو گا۔ کیا بولا۔ دکھ ہو گا"۔

وجاہت علی کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ آخر وہ ایک منسٹر تھا۔ وزیر ٹرانسپورٹ اور پھر خود بھی کوئی نیک نام انسان نہیں تھا۔ انہوں نے ہلاکو خان پر پوری قوت سے ہاتھ چھوڑا تھا لیکن ہلاکو خان شاید تیار تھا اس نے فضا میں ہی اس کا ہاتھ روک لیا۔ پولیس والے پر ہاتھ نہیں اٹھاتے بابا۔ ہمارا ہاتھ تم لوگوں سے زیادہ وزنی ہے اگر یقین نہ آئے تو جو پوزیشن ہم نے پولیس میں رہ کے حاصل کی ہے آن دی ریکارڈ ہے۔ خدا حافظ"۔ وہ بڑی تیزی سے اٹھا تھا اور ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔ باہر جیپ میں اس کے آدمی موجود تھے۔ جب وہ جیپ لئے تھانے کی حدود میں داخل ہوئے تو اسے اطلاع دی کہ اندر ان کے کمرے میں ایس پی صاحب موجود ہیں اور ہلاکو خان اپنے آدمیوں کو وہاں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ اپنی سیٹ پر اپنے آفیسر کو بیٹھے پا کر اس نے سلوٹ مارا۔

"آؤ بیٹھو انسپکٹر"۔

"شکریہ سر"۔

"دیکھو منسٹر وجاہت علی ہمارا خاص آدمی ہے یا یوں سمجھو کہ حکومت کا آدمی ہے اس کے بیٹے کو اس کیس سے نکالو ورنہ اس میں حکومت کا اپنا بدنامی ہے"۔

"ہم پٹھان لوگ ہے سر۔ اور پٹھان کی کھوپڑی ہر وقت کام نہیں کرتا۔ اور جب چل پڑتا ہے تو خوب کام کرتا ہے۔ رشوت لینا دینا۔ منسٹیات کے کاروبار' چوریاں ڈاکے یہ معمولی بات۔ لیکن بچی لوگ کی عزت سے کھیلنا اس پٹھان کا کھوپڑی کو گرم کر دیا بولا۔ گرم کر گیا۔ ہم اس حرامزادے کو نہیں چھوڑنے کا سر"۔

"انسپکٹر بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ چلو ہم یہ کیس کسی دوسرے پولیس آفیسر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے دیتے ہیں"۔

"ایسا نہیں ہوتا سر۔ ہلاکو خان کا کیس کسی دوسرے کو ملے۔ نہیں سر ایسا ہوتا نہیں"۔

"تمہارا آفیسر تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم استعفیٰ دے دو"۔

"نو سر۔ ایسا بھی نہیں ہوتا۔ پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھار چلتا سر۔ جب چلتا ہے تو خوب چلتا ہے۔ آپ نے تین سالوں میں اپنے ناپسندیدہ افراد کو پولیس مقابلے میں ہمارے ہاتھ ختم کروایا۔ ہم نے آپ کے جائز اور ناجائز ہر حکم مانا لیکن ہم حسن وجاہت کو نہیں چھوڑے گا اس نے دھوکے سے ہوٹل بلوا کر اس نے خود بھی بچی لوگ کا عزت لوٹا اور دو دوستوں کو بھی دعوت دیا۔ خانہ خراب اس پٹھان کی کھوپڑی کا پرزہ چل گیا"۔

"اچھا تم آج رات سوچو۔ پھر صبح بات کرنے کل۔ اس وقت تمہارا طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہم چلتے ہیں"۔

تب ہلاکو خان نے بڑے زور کا اپنے آفیسر کو سلوٹ مارا تھا اور ایس پی نواز ڈوگر خفیف سے ہو کر باہر نکل گئے۔

کچھ دیر بعد ہلاکو اپنے آدمیوں کو حکم دے رہا تھا۔

"حسن وجاہت کو ہر حالت میں گرفتار کرنا ہے۔ زندہ یا مردہ۔ جاؤ ایک دم خلاص!"

کرنل شاہنواز بہت پریشان تھے۔ ایک ایسے انسان نے چھوٹے سے منہ سے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی جو وہ خود ہضم نہیں کر پا رہے تھے۔ جذبات میں آکر خود پھنس گئے تھے۔ وہ ایک ایسا زہر تھا جو وہ بیٹے کو نہیں دے سکتے تھے۔ انہوں نے بیوی کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی تو وہ پریشان ہو کر بولیں۔

"آپ بیمار لگتے ہیں اور آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے آپ دو چار دن بیڈ ریسٹ لیں"۔

اور تب کرنل شاہنواز بے دلی سے مسکرا دیئے تھے لیکن وہ مسکراہٹ بڑی کمزور تھی۔ رات بیڈ پر لیٹتے وقت ان کے ہونٹوں سے کراہ نکل گئی۔ معلوم نہیں ان کی رگیں کس قدر گہری تھیں اور بیگم شاہ جو کافی دیر سے شوہر کو پڑھ رہی تھیں انہیں مخاطب کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

"سنئے کرنل صاحب"۔

اور کرنل شاہ چونک کر سیدھے ہو گئے۔

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں"۔

"کہیئے.... اور ہمیں معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو"۔

"وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا؟"

"معلوم نہیں۔ دیکھا تک نہیں اسے"۔

"پھر آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا تھا؟"

"کچھ جذبے ایسے ہوتے ہیں جن کے کوئی نام نہیں ہوتے۔ کچھ رشتے احساس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہوتے ہیں جو انسان کے اندر بہت توڑ پھوڑ مچاتے ہیں۔ بس اسے ہی احساس سے ہم ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ لڑکی ہم نے دیکھی نہیں کیپٹن فیاض اسے لے کر کل آ جائیں گے۔ بس تم سے ایک درخواست ہے کہ تم اسے بیٹی بنا لینا۔ اسے ایک کونے میں پڑی رہنے دینا۔ اسے اجنبیت کا احساس نہ ہونے دینا اور بچوں کو اس کا ماضی معلوم نہ ہو۔ شاید اس لئے کوئی اچھا لڑکا مل جائے؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ جیسا آپ نے سوچا۔ ایسا ہی ہو گا۔ اسے گھر آنے تو دیجئے سب سنبھال لوں گی"۔

"ہاں بیگم۔ کچھ بہتر سلوک کر لینا۔ اب ہماری دو بیٹیاں ہیں"۔

"بچوں کو کیا کہنا ہے؟"

"کہہ دینا ہمارے کسی دوست کی بیٹی ہے کچھ عرصہ یہاں رہنے آئی ہے"۔

"اب آپ آرام سے سو جائیں اگر آپ پسند کریں تو آپ کا سر داب دوں"۔

"نہیں۔ تم آرام کرو ہم بھی سونے کی کوشش کرتے ہیں"۔

اور دوسرے دن دس بجے کرنل شاہنواز کے آنگن میں جیسے چاند اتر آیا ہو۔ سیاہ شلوار قمیض اور کالی چادر میں وہ یاس کے سمندر میں اترا ہوا چہرہ لئے کیپٹن فیاض کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی کرنل شاہنواز اور بیگم شاہ نواز غیر ارادی طور پر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔

"آپ کی بیٹی حاضر ہے میرے کرنل دوست"۔ کیپٹن فیاض نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آگے آؤ بیٹی رک کیوں گئیں۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ"۔ بیگم شاہ نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور وہ چاند کا ٹکڑا نظریں جھکائے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بیگم شاہ کے سینے سے آ لگی۔ جب بیگم شاہ نے اسے سینے سے الگ کیا تو اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا تو انہیں ایسے لگا جیسے انیلا کی خوبصورت کٹورہ ایسی آنکھوں میں ایک ریگستان سا پھیلا ہوا ہو اور اس ریگستان میں یاس سمٹ کر رہ گیا ہو۔ انہوں نے جلدی سے شوہر کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"یہ ہمارے شوہر کرنل شاہنواز ہیں۔ انہوں نے تمہیں بیٹی بنایا ہے۔ آج سے تم ہماری بیٹی ہو۔ اس گھر میں ایک بیٹی اور بھی ہے نام سونیا ہے۔ کالج گئی ہوئی ہے۔ تم اس سے مل کر خوشی محسوس کرو گی اور ایک ہمارا بیٹا ہے۔ حق نواز۔ آؤ ادھر ہمارے پہلو میں بیٹھ جاؤ بیٹی"۔ بیگم شاہ نے اپنے ساتھ اسے صوفے پر بٹھا لیا۔ کرنل شاہنواز اتنے عرصے میں انیلا کا بغور جائزہ لے چکے تھے۔ مسکراہٹ بھرے ہونٹوں کے درمیان بولے۔

"ہم اپنی بیٹی کو ہر وہ شے دیں گے جو اس گھر کے ہر فرد کو میسر ہے۔ ہمیں امید ہے نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرو گی اس گھر کے کسی فرد کو تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے کا علم نہیں اور نہ ہی ہم چاہتے ہیں کہ علم ہو۔ بس بیٹی محتاط رہنا۔ تم ہمارے کسی دوست کی بیٹی ہو اور یہاں رہنے آئی ہو"۔ جب کرنل شاہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہوئے تو کیپٹن فیاض بول پڑے۔

"آج کا لنچ تو مجھے ملے گا نا بھابھی"۔

"بھائی مدت بعد آئے ہو۔ لنچ ہی نہیں ڈنر بھی کھا کر جانا"۔ بیگم شاہ مسکرا کر بولیں۔

"آپ کی محبت کا شکریہ بھابی۔ لاہور میں کافی کام کرنے والے ہیں۔ شام تک بمشکل کر پاؤں گا۔ اب اجازت دیجئے۔ آپ کی امانت آپ تک پہنچا دی"۔

"ارے واقعی کچھ کھاؤ پیو گے نہیں"۔ کرنل شاہ مسکرائے۔

"بہت کچھ ادھار ہے جناب کرنل صاحب آپ پر ایک ساتھ وصول کر لوں گا"۔ اور پھر کیپٹن فیاض واپس لوٹ گئے تب کرنل شاہ نے بیوی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"بیگم انیلا بیٹی کو ان کا کمرہ دکھائیں"۔ گویا انہوں نے مزید بات چیت کا دروازہ بند کر دیا اور بیگم انیلا کو لئے باہر نکل گئیں۔ بڑا خوبصورت کمرہ تھا جو انیلا کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ ڈبل بیڈ' اٹیچ باتھ روم' صوفے سیٹ' کپڑوں کے لئے دیوار کے ساتھ الماری' صوفے کے سامنے سنٹر ٹیبل۔ اور چھت کے وسط میں ایک خوبصورت جاذب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر فانوس۔ لان میں کھلنے والی تین کھڑکیوں میں عنابی رنگ کے دبیز پردے۔

"یہ تمہارا کمرہ ہے بیٹی۔ سونیا آ جائے تو مارکیٹ سے اپنے لئے کچھ کپڑے اور جوتے خرید لانا۔ اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے یہاں کی ہر شے تمہاری اپنی ہے"۔

انیلا کچھ نہیں بولی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پتھر کا کوئی خوبصورت ماڈل ہو۔

"کیا کچھ پریشانی ہے؟" بیگم شاہ نے اسے اس قدر خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"پریشانیاں تو سب ختم ہو چکیں۔ خوبصورتی میری دشمن تھی۔ غربت خود میرے لئے ایک ڈاکو کی حیثیت رکھتی تھی۔ جو کچھ تھا غربت نے ہی چھین لیا۔ اب مجھے کسی بات کی پریشانی نہیں"۔

"جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہمیں اس کا افسوس ہے۔ کٹھن وقت تھا گذر گیا۔ سمجھو کچھ نہیں ہوا۔ تم نے اب نئے سرے سے زندگی گزارنا ہے اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں"۔

اور تب سپاٹ چہرے پر یاس میں لتھڑی ہوئی ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ جیسے اس نے بیگم شاہ کی بات کو زیرو کر دیا ہو۔ اور نجانے بیگم شاہ کیوں خفیف سی ہو کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ انیلا کی اس مسکراہٹ کی تاب نہیں لا سکی تھیں۔

جب وہ شوہر کے پاس واپس پہنچیں تو ان کے چہرے پر پریشانی کا آثار تھے۔

"کیا بات ہے بیگم۔ تم پریشان ہو؟"

"وہ لڑکی انیلا۔ ایک طوفان ہے اگر اٹھ کھڑا ہوا تو شاید آپ اور میں اسے بندہ نہ مار سکیں"۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" کرنل شاہ بھی پریشان ہو گئے۔ تب بیگم شاہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

"بہت خطرناک لڑکی ہے۔ جب بولتی ہے تو یہ دیکھے بغیر کہ مدمقابل کون ہے جو چاہتی ہے کہہ دیتی ہے بہرکیف اسے بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے"۔

"بیگم ہماری عزت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس بچی کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ اسے احساس محرومی اور کم مائیگی کے احساس سے دور رکھنا ہے۔ اس کو اتنا پیار

اس قدر اپنائیت دینی ہے کہ وہ اپنا ہر زخم بھول جائے"۔

"آپ بے فکر رہیں آپ کے لئے' آپ کی عزت کے لئے مر سکتی ہوں"۔

اور تب کرنل شاہ مسکرائے اور محبت بھری نظروں سے بیوی کی طرف دیکھ کر بولے۔

"تمہیں دیکھ کر اپنی عمر کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یوں لگتا ہے جیسے کل پرسوں ہی کی بات ہے جب تمہارے بدن کا گھونگھٹ اٹھایا تھا۔ کیا شوریدہ سری اور کیا جنون تھا۔ ہم آج تک نہیں بھولے"۔

"شاید آج آپ کی طبیعت کچھ مناسب نہیں"۔ بیگم شاہ مسکرائیں۔

اور تب کرنل شاہ بھی جواباً" مسکرائے اور بولے۔

"تمام زندگی فوج میں رہنے سے تم سے اکثر دور رہتے تھے۔ اب کچھ سکون ملا ہے تو فارغ ہونے کے باوجود اپنے لئے کوئی نہ کوئی الجھن خریدتے رہتے ہیں۔ بہرکیف آج آپ کو رات پیار کریں گے"۔

اور بیگم شاہ کی آنکھوں میں حیا کا تاثر ابھر آیا۔ پھر دوپٹے کے پلو کو انہوں نے انگلی پر لپیٹا اور کھولا۔ پھر کچن کا بہانہ کر کے کمرے سے نکل گئیں۔

"مشرقی عورت مشرقی ہی ہوتی ہے"۔ وہ بڑبڑائے۔

دوسری طرف سونیا' انیلا کو بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک اور وار قہقہہ لگا رہی تھی۔

"ماں جان فرما رہی تھیں کہ آپ بہت خوبصورت ہیں اور آپ کو دیکھنے کے بعد احساس ہوا کہ دو چار آدمی اگر ایک اب تک قتل نہیں ہوئے تو اب ہو سکتے ہیں"۔

"آپ تشریف رکھیں"۔ انیلا سنجیدہ تھی۔

"آؤ میرے سینے سے لگو نا۔ آج مجھے دنیا کی خوبصورت ترین بہن ملی ہے"۔ اتنا کہہ کر سونیا نے بازو پھیلا دیئے اور انیلا خاموشی سے سونیا کے سینے سے آ لگی اور سونیا نے اسے نہایت وارفتگی کے عالم میں بھینچ ڈالا۔ پھر الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"آؤ میری جان بازار چلیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں؟"

"ماں جان نے حکم دیا ہے کہ پانچ ہزار روپیہ اپنی پیاری بہن پر خرچ کر ڈالو"۔

"دراصل مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ آپ سب کی چاہت' آپ لوگوں کی اپنائیت دیکھ کر احساس ہوتا ہے جیسے کسی مردے کی آخری رسومات ادا کر رہے ہوں"۔

اور سونیا جیسے سناٹے میں آ گئی ہو۔ وہ بوکھلا کر بولی۔

"کک.... کیا فرما رہی ہیں آپ؟"

"آیئے بازار چلتے ہیں اپنے لئے ایک دو جوڑے لے لیتی ہوں تاکہ بڑوں کا ادب لحوظ خاطر رہے"۔

اور سونیا پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

اور پھر وہ جلدی واپس لوٹ آئیں۔ دو جوڑے اور ایک چپل جو نہایت سادہ تھی خرید لائی۔ سونیا کے لاکھ کہنے کے باوجود اس نے مزید کچھ نہیں خریدا تھا۔

اور یہ خبر بیگم شاہ تک جا پہنچیں۔ وہ اپنائیت لئے انیلا کے کمرے تک چلی آئیں اور بڑی محبت سے بولیں۔

"بیٹی! ہم سے غیروں جیسا سلوک کیوں؟"

"شروع سے قناعت پسند ہوں۔ جو چاہیے تھا خرید لائی۔ مزید کسی شے کی ضرورت پڑی تو کہہ دوں گی"۔

"ارے بیٹھو' کھڑی کیوں ہو گئی ہو"۔ وہ مربیانہ انداز میں بولیں۔

"آپ تشریف رکھیں"۔

اور بیگم شاہ مسکرا کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔

"خوش رہا کرو۔ یہ رقم رکھو۔ تمہاری ہے۔ اپنی مرضی سے خرچ کر لینا"۔

"شکریہ آپ لوگوں کی محبت کافی ہے۔ میں روپے پیسے سے الرجک ہوں۔ گھبراہٹ ہوتی ہے مجھے۔ دہشت ہوتی ہے۔ ایک روٹی میرا پیٹ بھر دیتی ہے دوسری کی خواہش نہیں کرتی۔ اگر مل جائے تو کھا لیتی ہوں"۔

"کوئی بات نہیں۔ یہ زندگی خدا کی عطا کردہ ہے اسے اچھے انداز سے گزارنے

کی کوشش کرو۔ جو ہوا سو ہوا۔ سب بھول جاؤ۔ اب یہاں تم ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہی ہو۔ اپنی سوچ اپنا ماحول بدلو"۔

"آپ کا مطلب ہے میں اپنے آپ کو دھوکہ دوں"۔ انیلا کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ بیگم شاہ چونک پڑی۔ انیلا کی طرف بغور دیکھتی ہوئی بولیں۔

"حادثے نہ ہوں تو زندگی کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرو اور سوچو کہ جو شخص تمہیں بیٹی بنا کر لایا ہے وہ کون ہے ان کا مقصد کیا ہے اور معاشرے میں ان کا کیا مقام ہے"۔

جی بہتر۔ جیسا آپ نے کہا ویسا ہی کروں گی"۔ بڑا دکھی سا لہجہ تھا۔

اور بیگم شاہ مسکرا کر اٹھ گئیں۔ باہر جانے سے قبل انہوں نے بڑی محبت بھری نظروں سے انیلا کی طرف دیکھا تھا اور انیلا نے پر تفکر انداز میں ہونٹ سکیڑ لئے تھے۔

"کیسے لوگ ہیں یہ۔ اس دنیا کے نہیں لگتے۔ مجھے اپنا رویہ بہتر رکھنا چاہیے۔ جو ابھی گھر کی مالکن کہتی ہے مجھے کرنا چاہیے۔ اپنے آپ کو بدلنا چاہیے۔ شاید وہ درست کہتی ہیں کہ مجھے بھول جانا چاہیے کہ گزرے ہوئے کل کو کیا ہوا تھا۔ لیکن کہنا کس قدر آسان ہے۔ آگ تو دامن جلاتی ہے اپنی ہو یا پرائی۔ لیکن یہاں تو دامن ہی نہیں جلا پورے کا پورا وجود ہی جل گیا۔ ایسا زہر پورے بدن میں پھیلا ہے کہ دم گھٹتا ہے۔ سانس رک رک کر آتا ہے اور یہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں سب بھول جاؤ۔ ہاں اچھے لوگ ہیں۔ لیکن میرے لئے اتنا دکھ کیوں رکھتے ہیں۔ آخر کیوں؟"

اس کیوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

محلے میں جھگڑا ہوا اس کے بھائی نے اپنے مدمقابل کا سر پھاڑ دیا۔ ضمانت کے لئے پولیس اسٹیشن چلی گئے اور ایک پولیس انسپکٹر کی باتوں میں آ گئی۔ بھروسے کے نام پر اعتماد کے نام پر اسے لوٹ لیا گیا۔ پھر دوسرے نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر اور پھر بھروسے کا نام دے کر اس کی عزت کو پامال کروایا گیا اور جب اس نے عزت کے نام پر احتجاج کرنا چاہا تو اسے پولیس نے بہن بھائی کو بلا کر زدوکوب کیا گیا اور زبردستی کیس بنانے کی کوشش اور تب اخبار والے اس بھیانک خبر کو لے اڑے اور وہ اپنے گاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہی بدنام نہ ہوئی پورے ملک میں بے لباس کر دی گئی۔ پتہ نہیں۔ اخبار والے ایسی خبریں کیوں چھاپ دیتے ہیں۔ کیوں جینے کی راہیں چھین لیتے ہیں؟ آہ.... سب ختم ہو گا۔ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے باہر لان میں نکل آئی۔ بڑا خوبصورت لان تھا۔ رنگ برنگ پھولوں کی ہر سو بہار تھی۔ لان میں چند کرسیاں موجود تھیں۔ وہ ان پر آ بیٹھی تھی۔ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چار بج رہے تھے۔ نجانے وہ کتنی دیر آنکھیں بند کئے ماضی کے خوشگوار اور بھیانک ورق الٹتی رہی کہ قدموں کی آہٹ پا کر اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور اپنے سامنے ایک خوبرو نوجوان کو پا کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کون ہیں؟" یہ حق نواز تھا جو اپنے سامنے خالق کائنات کی ایک حسین ترین تخلیق دیکھ کر خود مبہوت تھا۔

"مم.... میں.... انیلا ہوں اور آپ؟"

"حق نواز۔ میرا مطلب ہے اس گھر والوں کا بیٹا"۔

اچانک انیلا نے اپنی جگہ چھوڑ دی وہ بڑی خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اور اس بات سے بے خبر کہ پہلی نظر کا شکار ہونے والا حق نواز اپنی جان سے گزر گیا تھا۔

وہ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ جب وہ کمرے میں جا کر غائب ہو گئی تو تب اس کے سینے سے ایک گہری سانس نکلی تھی۔

کون ہے یہ؟ انیلا نام بتایا تھا اس نے۔ لیکن ہے کون؟ اور یہ خاص طور پر وہ ایسے کمرے میں داخل ہوئی تھی جو مہمانوں کے لئے مخصوص رہتا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مہمان ہے اور مہمان بھی اس قدر خوبصورت کہ سانس تک رک گیا۔ آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا۔ اف خدایا کون ہے یہ؟ دل کی خوشگوار دھڑکنوں کے ساتھ وہ سیدھا سونیا کے کمرے میں چلا آیا۔

"ارے بھائی آپ.... آیئے تشریف لایئے"۔

"گھر میں کون آیا ہے سونو؟"

"ایک فرد کا اضافہ ہوا ہے کیا آپ اس سے ملے؟"

"خوبصورت بہت خوبصورت ایسا لگا کہ جیسے پور پور تک مشکبار ہو گئی ہو"۔

"انیلا نام ہے اس کا۔ اب یہیں پر رہے گی۔ بابا جان کے دوست کی بیٹی ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل معلوم نہیں اور نہ میں نے مزید کچھ جاننے کی کوشش کی ہے"۔

"تمہارا مطلب ہے مستقل رہے گی"۔

"مجھے تو یہی بتایا گیا ہے"۔

"لان میں آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی میں تو کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر شاید اسے احساس ہو گیا کہ اس کے قریب کوئی موجود ہے۔ اف وہ آنکھیں۔ جیسے کوئی ٹھہری ہوئی جھیل۔ جب وہ بولی تو یوں لگا جیسے کان میں جلترنگ بکھر گیا ہو۔ جیسے ربابط کے تار پر ہولے سے کسی نے انگلی رکھ دی ہو"۔

"بھائی جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اب سونیا حیرت سے بولی۔ کیونکہ اس کے بھیا تو بہت کم گو قسم کے نوجوان تھے اور بہت کم بولتے تھے۔

"میں نے صرف ایک بات کہی ہے یہ مہمان خوبصورت ہے"۔

"یہ بات گھر کے ہر فرد کو معلوم ہو چکی ہے"۔ سونیا اب بھی حیرت زدہ تھی۔

اور تب حق نواز جو بہت زیادہ بول گیا تھا اس بات کا احساس ہوتے ہی تیزی سے باہر نکل گیا۔

"یہ بھائی کون سی زبان بول رہے تھے؟" سونیا بڑبڑائی۔ پھر کچھ سوچ کر انیلا کے کمرے تک چلی آئی۔

"آپ"۔ انیلا جو صوفے پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی اچانک سیدھی ہو گئی۔

"آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوئیں"۔

"تم کہہ کر بلایا کریں اس قدر عزت دینے کی ضرورت نہیں۔ دم گھٹنے لگ جاتا ہے میرا"۔

اور سونیا نے تاسف بھری نظروں سے انیلا کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ کی عمر کیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چوبیس سال"۔ انیلا سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اور میں اکیس سال کی ہوں تو کیا تم کہہ کر شرم محسوس نہیں کروں گی"۔

"آپ کو کیا کام تھا مجھ سے"۔

"کیا مطلب؟" سونیا حیران ہو کر بولی۔

"میرا مطلب ہے شاید آپ کسی کام کے سلسلے میں ادھر آئیں تھیں"۔

"او کے اس قدر تلخ کیوں ہو رہی ہیں آپ؟ شاید آپ کو میری آمد ناگوار گزری ہے"۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں"۔

"فرمایئے"۔ میں اپنے گھر میں چوبیس گھنٹے کام کرنے کی عادی تھی۔ یہاں جب سے آئی ہوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ لوگ کچن میرے سپرد کر دیں۔ میں زیادہ اچھا تو نہیں پکاتی لیکن اتنا برا بھی نہیں ہوتا"۔

"واہ اچھی بات ہے۔ لیکن یہ بات آپ محبت سے بھی فرما سکتی تھیں"۔

"مجھ پر آپ کی خاص عنایت ہو گی اگر آپ ماں جان سے اجازت لے دیں"۔

"اگر میں نے اجازت لے دی تو آپ مجھے پیار کرنے کی اجازت دیں گی۔ بس زیادہ نہیں آپ کے ہونٹوں کا ایک بوسہ لوں گی"۔ سونیا کا لہجہ بڑا شوخ تھا۔

"آپ مذاق فرما رہی ہیں"۔ انیلا کا لہجہ خشک اور چہرہ سپاٹ تھا۔

"شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کے ہونٹوں سے شہد ٹپک رہا ہے اور....." سونیا ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ سامنے تو ایک سپاٹ دیوار کھڑی تھی۔

"سوری! میں ماں جان سے بات کروں گی"۔

"شکریہ احسان مند رہوں گی"۔ جیسے کوئی پتھر چٹخا ہو اور سونیا خفیف سی ہو کر باہر نکل گئی۔ سامنے لان میں حق نواز موجود تھا۔ اس نے سونیا کو اشارے سے اپنی طرف بلوا لیا تھا۔

"فرمایئے"۔ شاید سونیا انیلا کی وجہ سے قدرے تپی ہوئی تھی۔

"بیٹھ جایئے"۔ حق نواز مسکرایا اور سونیا خاموشی سے سامنے کرسی پر براجمان ہو

گئی۔

"کیا بات ہے۔ چہرہ نارمل نہیں ہے؟"

"چائے پئیں گے آپ؟"

"چائے۔ واہ! بنا لایئے لیکن چاہے ہی کیوں"۔

"ابھی آئی"۔ اتنا کہہ کر سونیا اٹھی اور تیزی سے انیلا کے کمرے تک جا پہنچی۔ انیلا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور سونیا مسکرا کر بولی۔

"دو کپ چائے اگر تیار کر دیں تو مشکور ہوں گی۔ لان میں موجود ہوں وہیں لے آیئے گا"۔ اتنا کہہ کر سونیا تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ بہت سنجیدہ تھی جب وہ حق نواز کے سامنے پہنچی تو نہ جانے کس خیال کے تحت مسکرا دی۔

"خیریت"۔ حق نواز حیرت سے بولا۔

"خوبصورت مہمان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے مقدر بننے والی ہے"۔

"کیوں؟"

"ادھر دیکھئے قیامت کچن کی طرف رواں دواں ہے"۔

"تم نے اسے چائے بنانے کے لئے کیوں کہا؟"

"اسے کچن سنبھالنے کا بہت شوق ہے۔ اگر اسے آپ کہہ کر مخاطب کرتی ہوں تو وہ فرماتی ہیں کہ اس قدر عزت سے بلائے جانے پر اس کا دم گھٹنے لگ جاتا ہے۔ پتہ نہیں کس قسم کی لڑکی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ بڑی تلخ ہے۔ بات محبت سے کرو تو جواب کڑوا دیتی ہے۔ شاید کچھ صدمے اٹھائے ہوئے ہیں"۔

"مثلاً"؟ حق نواز چونکا۔

"معلوم نہیں۔ یہ مہمان اچانک آیا۔ بلکہ ایک الجھا ہوا سوال بن کر۔ ایک معمہ بن کر سامنے آیا ویسے میں ماں جان سے بات کروں گی"۔

"انہوں نے کچھ تو بتایا ہو گا کہ یہ کون ہے؟"

"صرف اتنا کہا تھا۔ یہ تمہاری بہن ہے اسے بہنوں جیسا پیار دینا اور برتاؤ کرنا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے اس کا یہاں اجنبی لوگوں کے درمیان رہنا اپنے اندر کوئی خاص وجہ لئے ہوئے ہے۔ تمہیں چائے کا اسے نہیں کہنا چاہیے تھا"۔

تب سونیا مسکرا دی اور بولی۔

"وہ چائے لے کر یہیں پر آئے گی"۔

"کیا مطلب؟" حق نواز بہن کے اس انداز پر چونکا۔

"آپ کچھ دیر قبل انیلا پر شاعری کر رہے تھے"۔

"وہ میں اچھے موڈ میں تھا ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت مل گئی ہے گو تنخواہ کچھ زیادہ نہیں لیکن چلے گی۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ زیادہ بول گیا"۔

"ارے واہ.... آپ کو مبارک ہو بھیا.... اس گھر کے افراد کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی"۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔ بہرکیف خوش ہوں اور اب میرا خیال ہے کہ آنے والے مہمان کے آنے کی ضرورت تو نہیں"۔

"جی"۔ سونیا حیرت زدہ رہ گئی پھر دوسرے ہی لمحے چونک کر سیدھی ہو گئی وہ سیاہ سوٹ والی چائے کے دو مگ لئے خراماں خراماں لان میں چلتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"آپ کو زحمت دی۔ شکریہ"۔ سونیا دونوں مگ لیتے ہوئے بولی۔

"شاید آپ مٹا رہی ہیں۔ بہرکیف چائے میں نے خلوص سے بنائی ہے اور مجھے اچھا لگ رہا ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے لان سے نکلتی چلی گئی اور حق نواز اس پر برابر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کیا کہہ گئی ہے؟"

"گالی دے گئی ہے"۔ سونیا مسکرا کر بولی۔

"بڑی دیدہ دلیری والی بات ہے سونیا۔ بڑی کاٹ تھی اس کے لہجے میں۔ جیسے ہم سب سے کوئی دشمنی رہی ہو"۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے آپ سے ناراض ہے۔ کچھ دکھ کچھ غم پال رکھے ہیں اس نے۔ لیکن ہم لوگ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں لیکن ان کے اندر ایک ویرانی سی ہے۔ جیسے کوئی ریگستان پھیلا ہوا ہو یا پھر یاس سمٹ کر رہ گیا ہو۔ اس کے ہونٹ بہت رسیلے ہیں لیکن وہ مسکرانا بھول گئے ہوں۔ اس کا چہرہ مہتابی مہتابی سا ہے جیسے چاند کہنا گیا ہو۔ سیاہ سوٹ اور سیاہ چادر لئے ہوئے ہے جس سے سوگوار سی کیفیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ سچ پوچھیں تو بھائی جان مجھے انیلا بہت پسند آئی ہے۔ شاید میں نے چائے بنوا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ کس قدر سچی بات کہہ گئی ہے کہ میں نے خفت مٹانے کی کوشش کی ہے شاید مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا"۔

"بات کیا ہوئی تھی جو تم نے اس سے چائے بنوائی"۔

"بس سب کچھ جھنجلاہٹ میں ہوا۔ مجھے اس سے معافی مانگ لینا چاہیے"۔

اس نے چائے کا کپ رکھ دیا اور ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ حق نواز نے کچھ کہنا چاہا لیکن سونیا کے تیور دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا اور دوسری طرف سونیا انیلا کے کمرے میں ایک بار دستک دے کر گئی۔

"آپ نے اتنی جلدی چائے پی لی؟" وہ صوفے پر بیٹھی سونیا کو داخل ہوتے دیکھ کر بولی۔

"اس چائے میں زہر بھر گیا تھا اس لئے نہیں پی۔ میں اپنے رویے پر معافی مانگنے آئی ہوں"۔

"آپ تشریف رکھیں"۔

اور سونیا سنجیدہ سی بیٹھ گئی۔ تب انیلا بولی۔

"میں نے بڑی اپنائیت سے چائے بنائی تھی۔ زہر تو آپ کے اندر بھر گیا تھا نکلا کہاں؟"

"آپ کے ایک جملے نے سب نکال دیا"۔

"اب کچھ کہنا ہے"۔ انیلا کا لہجہ سپاٹ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست بنا لیجئے"۔

"کیوں بہن کا رشتہ اچھا نہیں"۔

"دوستی کا رشتہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ بہن کے رشتے میں بہت کچھ چھپایا جا سکتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنا بہترین رفیق جان کر ایک مخلص دوست سمجھ کر اپنا رازداں بنا لیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟"

"نہیں۔ میرا اپنا سفر جو مجھے پورا کرنا ہے۔ ویسے آپ بہت پیاری ہیں۔ مجھے آپ بہت پسند آئی ہیں۔ آپ کے والد' ماں جان اور بھائی سبھی اچھے ہیں۔ اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر آپ مجھے بار بار ڈسٹرب نہ کریں تو میں یہاں امن سے رہ سکتی ہوں"۔

"کیا آپ کو میری آمد بری لگتی ہے؟"

"میں تنہائی کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ یا تو تنہا رہنا چاہتی ہوں یا پھر اس گھر کا ہر کام کرنا چاہتی ہوں؟"

"مثلاً" کس قسم کے کام؟" سونیا اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔

"صبح اٹھ کر آپ لوگوں کے لئے چائے بنا دوں ناشتہ تیار کر دوں۔ برتن صاف کر دوں پھر گھر صاف کروں اور کپڑوں کی دھلائی کے لئے مشین لگا دی اور پورا کچن سنبھال لوں"۔ سونیا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بقول میرے والدین کے کہ اس گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہوا ہے دوسری بیٹی گھر آئی ہے یہ انہوں نے نہیں کہا کہ وہ گھر میں ایک ملازمہ لائے ہیں"۔

"میں گھر میں ملازمہ بن کر نہیں اس گھر کا ایک فرد بنا کر رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر وقت کام کرنے کی عادت ہے۔ شاید آپ میری بات سمجھ نہیں رہیں"۔

"میں بہت کچھ سمجھ رہی ہوں۔ اچھا اجازت دیجئے۔ ماں جان سے بات کروں گی۔ جیسا انہوں نے فرمایا آپ کو بتا دوں گی"۔ سونیا چلی گئی۔

"آخر کیا ہوا؟" حق نواز کے لہجے میں بے تابی تھی۔

تب سونیا نے ایک گہری سانس لے کر اندر ہونے والی تمام گفتگو دوہرا دی۔

"بہت الجھی ہوئی لڑکی ہے۔ بہرکیف مت ڈسٹرب کرو اسے ماں جان سے بات کرنا شاید وہ بہتر طور پر اسے ڈیل کر سکیں"۔

اور سونیا اٹھ گئی۔ حق نواز وہیں بیٹھا رہ گیا۔ وہ اس امید میں کہ شاید اس آسمانی حور کا پھر نظارہ کر سکے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے اور ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی اور سونیا اپنی والدہ کو انیلا سے ہونے والی گفتگو سنا رہی تھی۔

"تم اسے ڈسٹرب مت کرو یہی بہتر ہے"۔

"کیا اسکے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تمہارے بابا جان نے صرف اتنا کہا کہ وہ ان کے ایک دوست کی بیٹی ہے یہیں پر رہا کرے گی"۔

"آپ نے ان سے معلوم نہیں کیا؟"

"تمہیں کون سی شے تنگ کر رہی ہے جس قدر کہا ہے اتنا کرو"۔ بیگم شاہ نے گویا بات ختم کر دی اور سونیا ماں کا سخت لہجہ دیکھ کر واپس لوٹ آئی۔

رات کھانے کی ٹیبل پر پانچویں فرد کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ فرد انیلا تھی۔ وہ اس جوڑے میں تھی جو اس نے صبح پہنا ہوا تھا وہ حق نواز کے مقابل بیٹھی ہوئی تھی ایک کارنر پر کرنل صاحب اور دوسرے کارنر پر بیگم شاہ تھیں اور ان کے برابر سونیا موجود تھی۔ کھانا بیگم شاہ نے خود تیار کیا تھا۔ کیونکہ کھانا وہی تیار کرتی تھیں۔ حق نواز کبھی سونیا سے انیلا کو دیکھ رہا تھا۔ نجانے اس قدر خاموشی کیوں تھی اور کرنل شاہ نے بھی جان لیوا خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی بیگم کو گھورا اور تب انہوں نے انیلا کو مخاطب کیا۔

"بیٹی انیلا۔ خاموش فضا میں جیسے شگاف پڑا ہو۔

"جی"۔ انیلا نے کھانے سے ہاتھ روکا۔ استفہامیہ انداز میں سر اٹھا کر بیگم شاہ کی طرف دیکھا۔

"سونیا کہہ رہی تھی کہ تم کچن میں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہتی ہو؟"

"نہیں.... میں انہیں ایسی کوئی بات نہیں کہی"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن سونیا تو....."۔ بیگم شاہ نے حیرت سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھر کچھ سوچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں نے کچن سنبھالنے کو کہا تھا۔ فارغ رہتی ہوں۔ ماں کام کرے اور میں فارغ بیٹھی دیکھتی رہوں کچھ مناسب نہیں لگتا"۔

"تمہارا اپنا گھر ہے جو دل چاہے کرو۔ اجازت کی ضرورت نہیں"۔ بیگم شاہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"شکریہ۔ احسان مند رہوں گی"۔

"میں نے تم سے کیا کہا کہ اپنے آپ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرو تم اس گھر کا ایک فرد ہو۔ تمہارا وہی مقام ہے جو سونیا بیٹی کو حاصل ہے"۔

"یاد ہے ماں جان....." اتنا کہہ کر انیلا نے سر جھکا لیا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھر کھانا خاموشی سے ختم ہوا اور سب اٹھ کر اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد سونیا انیلا کے کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے لبوں سے کہہ رہی تھی۔

"ماں جان نے فرمایا ہے صبح سات بجے بیڈ ٹی۔ او کے"۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں نارمل ہوں اور آپ"۔

"یہاں آ کر اپنے آپ کو سیٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں"۔

"ہر طرف اپنائیت ملے گی پیار ملے گا۔ قدم قدم ساتھ چلئے۔ ہر گام پر خوشیوں کی نوید ملے گی۔ جو مانگیں گی مل جائے۔ بہت بڑا دل ہے ہمارا"۔

"میرے بارے میں کیا جانتی ہیں آپ؟"

"صرف اتنا کہ آپ میرے بابا جان کے کسی دوست کی بیٹی ہیں"۔

"آپ کے بابا جان اور آپ کی ماں جان بڑے لوگ ہیں۔ اس دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ خدا انہیں زندگی اور صحت دے"۔

"آپ نے کچھ پڑھا لکھا ہے کہ نہیں البتہ آپ کی گفتگو سے اندازہ کر سکتی ہوں کہ آپ پڑھی لکھی ہیں"۔

"میں پڑھنا چاہتی تھی۔ ایم بی بی ایس کرنا چاہتی تھی لیکن ماحول اور غربت نے اجازت نہ دی بی اے کا داخلہ نہ بھجوا سکی"۔

"اوہ..... برا ہوا..... اگر آپ..... آپ پڑھنا چاہیں تو"۔

"نہیں۔ میں احسان کے ٹکڑوں پر جینے کی عادی نہیں۔ جو دو وقت کی روٹی کھاؤں گی اس کے عوض گھر کا کام کروں گی"۔

"انیلا جی"۔ سونیا جیسے تڑپ اٹھی ہو۔ "یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ آپ نے کیا کہہ دیا؟"

"سچ بڑا کڑوا اور زہر بھرا ہوتا ہے۔ جو سوچا کہہ دیا منافقت کی عادی نہیں' جھوٹ سے نفرت ہے"۔

"ہم لوگوں نے آپ کو عزت دی ہے اور....."

"اور میں اس عزت کو رسوا نہیں کروں گی میں بھرم کو داغدار نہیں ہونے دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے اور پھر سونیا جی میں بہت چھوٹی اور غربت و افلاس کی گود میں پلنے والی ایک کمزور سی لڑکی ہوں۔ جب آپ لوگ مجھے اس قدر عزت دیں گے تو ہضم نہ کر پاؤں گی۔ آپ سب قد آور لوگ ہیں اور میرا قد بہت چھوٹا ہے جب آپ مجھے عزت دیتے ہیں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہی ہیں اگر آپ نے مجھے تم او تو کہہ کر مخاطب کر لیا کریں تو سر اٹھا کر جی سکوں گی"۔

"آپ بہت عظیم لڑکی ہیں انیلا جی۔ شاید کم از کم میں آپ کی خواہش کا احترام نہ کر سکوں۔ معاف کر دیجئے گا"۔

"پلیز سونیا جی..... آپ جا سکتی ہیں"۔

"اسے بدتمیزی کہتے ہیں"۔ سونیا مسکرائی۔

"مزاج کے خلاف نہ تو کچھ سوچتی ہوں اور نہ کسی کو کچھ کرنے دیتی ہوں۔ خیر بنیر سونیا جی"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شب بخیر"۔ سونیا مسکرائی اور محبت بھری نظروں سے انیلا کو دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ اور تب انیلا نے بڑے عجیب انداز میں ہونٹ سکڑے تھے پھر وہ چھت کے فانوس کو دیکھنے لگ گئی تھی۔

اور پھر وزیر ٹرانسپورٹ وجاہت علی کے بیٹے حسن کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ بڑے لوگ بڑی باتیں۔ پولیس کا پورا محکمہ اوپر سے لے کر نیچے تک ہل کر رہ گیا۔ آئی جی پولیس نے اپنے ماتحت ڈی آئی جی سے رابطہ کیا اور حکم دیا کہ وجاہت علی کے بیٹے حسن کو فوراً" چھوڑ دیا جائے اور ہلکی پھلکی کارروائی کی جائے۔ تب ڈی آئی جی نے اپنے ماتحت آفیسر ایس پی نواز ڈوگر سے رابطہ کیا۔ جواب ملا صاحب اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اور تب متعلقہ پولیس اسٹیشن پر انہوں نے رابطہ کیا جواب ملا صاحب نہیں ہیں۔ انہوں نے گرفتار شدہ حسن کے بارے میں معلومات طلب کیں۔ لیکن جواب ندارد۔ اور تب وہ خود اپنی پجارو پر اپنے عملے کے ہمراہ پولیس اسٹیشن پر چڑھ دوڑے تھے۔ پورے عملے کی دوڑیں لگ گئیں۔ حسن کو پیش کرنے کے لئے کہا گیا لیکن لاک اپ خالی تھا۔ اس کی گرفتاری کا کہیں اندراج نہیں تھا۔

"حسن کہاں ہے؟" وہ گرجے۔

"سر ہم لوگوں نے کسی حسن نامی نوجوان کو گرفتار نہیں کیا"۔ سب انسپکٹر ادب سے بولا۔

"ہم"۔ وہ حلق کے بل غرائے۔ پھر وہیں موبائل پر انہوں نے شہر کے تمام پولیس اسٹیشنوں پر رابطہ کیا لیکن ہر طرف سے یہی جواب ملا کہ وجاہت علی کے بیٹے حسن کو انہوں نے گرفتار نہیں کیا۔ اور پھر مجبوراً" انہوں نے اپنے افسر کو رپورٹ دی کہ شہر کے کسی پولیس اسٹیشن پر حسن کی گرفتاری نہیں ڈالی گئی اور جب یہ خبر آئی جی نے وجاہت علی کو رات دو بجے دی تو وہ چلا پڑا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جناب آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میرے بیٹے نے مجھے فون پر اطلاع دی ہے کہ رات سوا بارہ بجے آوارگی سے پولیس نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔ اور فون پولیس نے خود کر دیا تھا۔ اسے ہلاکو خان نے گرفتار کیا ہے۔ پلیز سردہ میرے بیٹے کو پولیس مقابلے میں مار ڈالیں گے"۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں"۔ آئی جی صاحب نے فون بند کر کے ڈی آئی جی سے رابطہ کیا اور حکم دیا کہ انسپکٹر ہلاکو خان سے رابطہ کرو حسن اس کی کسٹڈی میں ہے۔

"جی بہتر سر"۔ ڈی آئی جی پھر ایک بار حرکت میں آ گئے جب وہ دوسری بار ہلاکو خان کے پولیس اسٹیشن پہنچے تو وہاں ہلاکو خان خود موجود تھا۔ اپنے افسر کو سامنے دیکھ کر پوزیشن میں آ گیا۔

"مجھے گھر اطلاع دی گئی کہ آپ تشریف لائے تھے اور حسن نامی نوجوان کو چھڑانے آئے تھے اس لئے بیڈ چھوڑ کر یہاں آ گیا"۔

"حسن کہاں ہے؟"

"میو ہسپتال میں ہے سر"۔

"کیا مطلب؟" ڈی آئی جی پھر چیخا۔

"ہمارے پولیس اسٹیشن میں ایک گینگ ریپ کی ایف آئی آر درج ہے سر۔ اور سرفہرست نام حسن اور پھر اس کے دو دوستوں کا نام ہے۔ ہم نے اسے آوری کی لابی سے گرفتار کیا اس نے پولیس والوں کو روکا اور گندی گندی گالیاں دیں لہٰذا تھوڑی سی مرمت کر دی ہے اس کی سب قبول کر لیا اس نے۔ یہ بیان ہے اس کا۔ آپ پڑھ لیجئے سر۔ پولیس ان دونوں کو گرفتار کرنے جا چکی ہے"۔

"کتنا نقصان ہوا حسن کا؟"

"ایک ٹانگ اور ایک بازو ٹوٹ گیا ہے اس کا"۔

"کیا بکواس کرتے ہو۔ تمہیں قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت کس نے دے رکھی ہے"۔

"پولیس مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے سر"۔

"وہ بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے"۔

"ایک بچی کے ساتھ ایک کسی کی بیٹی' کسی کی بہن کے ساتھ گینگ ریپ ہوا ہے سر۔ اس کی زندگی برباد ہو گئی ہے سر۔ یہ تو سرمایہ دار کا بیٹا ہے ڈاکٹر اس کی ہڈیاں جوڑ دیں گے لیکن وہ جو اپنی عزت کا موتی لٹا چکی ہے آپ کے قانون کے پاس کوئی طاقت ہے جو اس کی عزت لوٹا سکے۔ سر پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھی کام کرتا ہے اور جب یہ کام کرتا ہے تو خوب کرتا ہے"۔

"پورے شہر میں بدنام پولیس انسپکٹر ہو۔ بڑے آدمی کا بیٹا جب تمہیں عدالت میں گھسیٹے گا تو عدالت بھی جان جائے گی اور سزا بھی ہو سکتی ہے؟"

"ہم نے جو بدنام ہونے والے کام کئے اپنے افسران کے حکم سے کئے سر۔ پٹھان کا کھوپڑی بیکار ہوتا ہے۔ بھس بھرا ہوتا ہے اس میں۔ جلدی چلتا ہی نہیں لیکن سر اب چل پڑتا ہے تو رکتا نہیں۔ بعد میں کیا ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہم آپ سے پوچھتا ہے کہ قانون صرف غریب کے لئے بنا ہے امیر پر لاگو نہیں ہوتا"۔

"تم بہتر سمجھتے ہو"۔

"سسٹم ہے سر سسٹم۔ ہم سمجھتا ہے۔ حسن پولیس کسٹڈی میں میو ہسپتال میں ہو آپ ان کے والدین کو اطلاع دے سکتے ہیں"۔

"ہم تمہیں اسی وقت معطل کر رہے ہیں انسپکٹر ہلاکو خان۔ تم شہر چھوڑ کر نہیں جاؤ گے"۔

اور تب ہلاکو خان مسکرایا اور بولا۔

"آپ ایک بات بھول گیا سر کہ جہانگیرا اور مستانی کو پولیس مقابلے مین ہم نے مار ڈالا کیا تھا"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو انسپکٹر"۔

"یہ پٹھان کا کھوپڑی یادداشت کے معاملے میں کافی بہتر ہے سر۔ ہم کو ایس پی نے بولا کہ اوپر سے حکم آیا ہے اور حکم آپ نے دیا یا پھر آپ کی اور اوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آیا ہو گا۔ یہی تو سسٹم ہے اور اسی سسٹم کا ہم لوگ ایک پرزہ ہے سر۔ ہمارا خراب ہوا ہم چلتا ہے۔ صبح ڈیوٹی پر اجازت ہوئی تو آ جائے گا"۔

ڈی آئی جی صاحب ایک دم واپس پلٹ گئے تھے ان کا چہرہ سرخ تھا۔ ہلاکو خ دبے الفاظ میں انہیں بلیک میل کر گیا تھا۔ وہ سب سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ بے محسوس کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے تھے۔

دوسری طرف مسٹر وجاہت علی بیٹے کی حالت دیکھ کر جیسے پاگل ہو گیا ہو۔ اکی ہی بیٹا اور وہ بھی اپاہج ہو گیا۔ پولیس نے حسن کو اس قدر مارا تھا کہ اس نے اپنے ج کا اقرار کیا تھا بلکہ اس وڈیو کیسٹ کا بھی ذکر دیا تھا جو ان لوگوں نے دوران خباثت کی تھی اور کیسٹ اس کے ساتھی ساجد کے پاس تھی کیونکہ وڈیو کیمرہ اس کا تھا۔ او پولیس نے اسے برآمد کر لیا تھا۔ ساجد اور امیر علی دونوں کو پولیس نے رات تین گرفتار کر لیا تھا۔ اور کیسٹ تک برآمد کر لی تھی۔ ادھر وجاہت علی نے بیٹے پرائیویٹ روم میں منتقل کرا دیا اسے تسلی دی کہ اس کا باپ اس قدر کمزور نہیں ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ صرف ایک ماہ کے اندر اندر ٹانگ اور بازو کا ہڈی اپنی جگہ جائے گیا اور تم چلنے پھرنے لگو گے۔

"اتنے بڑے باپ کا بیٹا اور پولیس نے اس قدر تشدد کیا کہ ایک عام آدمی اور لوگوں میں کیا فرق رہ گیا اور ایک چھوٹا سا پولیس انسپکٹر۔ خدا کی پناہ۔ نہیں ڈیڈی۔ گڑبڑ ہے اس کے تعلقات اوپر تک رہے ہوں گے۔ یا پھر اپنے کسی دشمن نے جو اونچی پوسٹ پر ہوں گے انسپکٹر سے کام لیا ہو گا"۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ غلطی ہم سے سرزد ہوئی۔ وہ الو کا پٹھہ رشوت مانگ تھا اور ہم نے اسے معمولی انسپکٹر سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔ جس دیدہ دلیری سے اس رشوت مانگی تھی اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ پولیس کے محکمے میں کوئی اوپ موجود ہے جس سے ہلاکو خان کے ذاتی مراسم ہیں لیکن تم فکر مت کرو ہم اس قد بس نہیں۔ جس قدر اس الو کے پٹھے نے سوچ لیا ہے۔ تم آرام کرو ہم چلتے ہیں"۔

"ساجد سے پولیس نے وڈیو کیسٹ برآمد کر لی ہو گی"۔

"اس کیسٹ میں کیا ہے؟" وجاہت علی نے پہلی بار بیٹے کو گھورا اور حسن نظریں چرا گیا۔

"کیا اپنی خباثت کی وڈیو تیار کرواتے رہے ہو۔ لعنت ہے تم پر اور پھر تم کو کیسٹ کے بارے میں کہنے کیا ضرورت تھی"۔

"میرے علم میں یہ بات تو تھی ہی نہیں۔ پولیس والے مارتے جا رہے تھے اور کیسٹ کے بارے میں معلوم کرتے جا رہے تھے اور پھر میرا بیان انہوں نے ایک مجسٹریٹ کے روبرو لیا ہے۔ معلوم نہیں انہیں کیسٹ کے بارے میں کیسے علم ہوا؟"

"آپ کچھ زیادہ کوشش کرنا پڑے گی"۔ وجاہت علی چہرہ سرخ لئے ہسپتال سے واپس لوٹ آئے۔

"انہوں نے دو گھنٹے کے اندر اندر ریپ ہونے والی لڑکی' اس کے والدین کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ایک متوسط طبقے کی لڑکی تھی۔ کام کچھ آسان ہو گیا۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے لڑکی کے باپ کو اپنی کوٹھی بلوا لیا اور بڑے ادب سے انہیں صوفے پر بٹھایا۔ پھر انہوں نے بڑی باریک بینی سے شیخ انوار حسین کی طرف دیکھا۔

"کیا کام کرتے ہو؟"

"مارکیٹ میں ایک چھوٹی سی کپڑے کی دوکان ہے"۔

"دوکان اپنی ہے یا کرائے پر حاصل کر رکھی ہے"۔

"جی کرائے پر ہے"۔

"تمہاری بیٹی کے ساتھ جو ظلم ہو اس کا بہت دکھ ہے ہمیں۔ لیکن تمہاری بی... کیا نام ہے اس کا"۔

"جی بدنصیب کا نام زیبا ہے"۔

"ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ وہ ہوٹل گئی ہی کیوں تھی۔ میرا مطلب ہے کہ ا کے ہمارے بیٹے حسن سے تعلقات رہے ہوں گے"۔

"یہ سوال آپ زیبا بیٹی سے معلوم کریں۔ اس بات کا میری ذات سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعلق نہیں"۔ شیخ انوار حسین برا سا منہ بنا کر بولے۔ شاید اسے ان کا آنا ہی ناگوار گزرا تھا۔

"خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ ہم بڑے لوگ ہیں کیس بازی کرو گے تو مزید نقصان اٹھا گے۔ غریب آدمی ہو ایک لاکھ روپیہ لو اور بیٹی کی زبان بند کر دو"۔

"یہ سودے بازی میں نہیں' میری بیٹی کر سکتی ہے ابھی وہ ہسپتال سے گھر واپس نہیں آئی"۔

"تم اس کے باپ ہو"۔

"وہ بالغ ہے اگر اس نے آپ کے بیٹے سے تعلقات پیدا کیے تھے تو آپ کے بیٹے نے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا اور یوں جو کچھ ہوا وہ دنیا کی ذلیل ترین اور گھٹیا حرکت تھی۔ میری بیٹی نے زندہ رہنے کی بجائے خودکشی کو ترجیح دی۔ لہٰذا جو لڑکی موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر سکتی ہے اس کے مقدر کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ ہاں آپ کا پیغام اس تک پہنچا دوں گا"۔

دیکھو شیخ انوار حسین ہم رقم بڑھا دیں گے تم بیٹی سے بات کرو ورنہ پولیس تو گھر کی ہے یہی رقم ہم بطور نذرانہ انہیں بھی دے سکتے ہیں اور تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہم خود بھی وزیر ہیں"۔

"بہت زیادہ عزت دار ہیں آپ۔ یہ بات پہلے آپ کے بیٹے نے ثابت کی اور اب آپ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں اس بدنصیب تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گا"۔

"دیکھو انوار حسین روپے پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جو دوکان کرائے کی ہے تمہاری ذاتی ملکیت بھی بن سکتی ہے"۔

"آپ کا مطلب ہے روپیہ لے لوں"۔

"عقل مندی یہی ہے انوار حسین"۔

"آپ کا مطلب ہے بیٹی کی دلالی کروں بھڑوا گیری کروں۔ کیوں یہی مطلب ہے نا آپ کا؟"

"او تم غلط سمجھے انوار حسین۔ ہمارا مطلب صلح صفائی سے تھا"۔

"اجازت دیجئے اب میں چلتا ہوں"۔ انوار حسین اٹھ گیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی وجاہت علی اسے مین گیٹ تک خود چھوڑنے گیا۔

"لعنت ہے تم پر انوار حسین۔ بہتر ہے کہ تمہاری بیٹی کو عقل آ جائے اور یہ معاملہ یہی پر ختم ہو جائے ورنہ کچھ زیادہ پاپڑ بیلنے پڑ جائیں گے"۔

دوسری طرف ہلاکو خان ہسپتال کے اس کمرے میں موجود تھا جس میں زیبا کو رکھا گیا تھا۔ وہ بری طرح زخمی تھی۔ پرائیویٹ کمرا خود ہلاکو خان نے اپنی رقم سے اسے فراہم کیا تھا۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ سرو قد اور غزالی آنکھیں۔ ہلاکو خان اسے برابر دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا تم نے ہمارا پورا بات سمجھ لیا"۔

"ہوں!" زیبا نے ہنکارا بھر کر آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ حرامزادہ بہت ہاتھ پاؤں مارے گا۔ اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور ادھر اس پٹھان کی کھوپڑی بہت خراب ہے۔ تم نے کسی حالت میں سمجھوتہ نہیں کرنا"۔

"نہیں کروں گی۔ لیکن انسپکٹر وہ ایک منسٹر کا بیٹا ہے۔ اس کا باپ بہت بڑا انسان ہے۔ حکومت کا خاص آدمی ہے۔ ایک دولت مند اور لمبے ہاتھ رکھنے والا باپ' بیٹے کو چھڑا لے جائے گا"۔

"پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھی کام کرتا ہے اور جب کام کرتا ہے تو خوب کرتا ہے۔ ہلاکو بولا۔ خوب کام کرتا ہے۔ بس یہ اس وقت تک کام کرتا رہے گا جب تک تم اپنا بیان نہیں بدلو گی۔ قسم ہے رب العزت کی جس کے قبضے میں ہمارا جان ہے۔ ہم تمہاری عزت کی قیمت ایک کروڑ روپیہ وصول کرے گا"۔

زیبا جو آنکھیں بند کئے ہوئے تھی' اس نے آنکھیں کھول کر ایک گہری سانس بھری اور بولی۔

"کیا کیسٹ برآمد ہو گئی"۔

"ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ باپ بیٹیوں کے جسم نہیں دیکھا کرتا۔ وہ کل تمہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مل جائے گا۔ اسے اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دینا اور اسے ضائع کرنے کی بات کسی
معلوم نہ ہو۔ کیونکہ مجرموں کے خلاف یہی ایک بہت بڑا کیس ہے انہیں معلوم ہے
کیسٹ میرے پاس ہے۔ اور کسی وقت بھی عدالت میں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن
پٹھان اسے عدالت میں پیش نہیں کرنا چاہتا۔ ان کا اقبالی بیان ہی کافی ہے۔ کیا تم ہما
بات سمجھ رہی ہے نا بے بی"۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو انسپکٹر۔ تم جو بولے گا وہی کروں گی"۔

"شکریہ بیٹی۔ ہم چلتا ہے۔ خدا حافظ"۔ اور پھر ہلاکو خان وہاں سے چلا گیا۔ لیکن
دو پولیس والے سفید کپڑوں میں نگرانی کے لئے چھوڑ گیا۔

"کچھ دیر بعد شیخ انوار حسین منسٹر وجاہت علی کے ساتھ اندر داخل ہوا اور زی
جو وجاہت علی کو پہچانتی تھی چونک پڑی۔ انوار حسین قریب پہنچ کر رکے اور رات کے
کھانے کے برتن جو وہ ساتھ لائے تھے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور نرم لہجے میں بیٹی
سے مخاطب ہوئے۔

"یہ حسن کے والد وجاہت علی صاحب ہیں۔ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں
مجھے انہوں نے گھر بلایا تھا۔ کچھ مفید مشورے دیئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ بیٹی تک
پیغام پہنچا دوں گا۔ لکن جب ہسپتال آنے کے لئے کھانا لے کر گھر سے نکلا تو یہ راستے
میں کھڑے تھے اب میں ان کی گاڑی میں آیا ہوں۔ میں باہر موجود ہوں یہ تم سے
تنہائی میں بات کریں گے"۔ اتنا کہہ کر انوار حسین باہر نکل گئے انہوں نے بیٹی کا جواب
سننے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تھی اور تب وجاہت علی بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر
بیٹھ گئے اور تاسف بھری آواز میں بولے۔

"اس قدر گھٹیا اور مکروہ حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا ہے کہ ہمارے پاس الفاظ
ہی نہیں کہ افسوس کا اظہار کر سکیں۔ لیکن....." وہ کچھ کہنے سے قبل رک گئے
انہوں نے زیبا کا چہرہ دیکھا جو سپاٹ تھا اس کی آنکھیں سامنے دیوار پر آویزاں پینٹنگ پر
مرکوز تھیں۔

"ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں بیٹی"۔

"میں سن رہی ہوں آپ بولتے رہیں"۔ زیبا کے ہونٹ لرزے۔

"تم نے خودکشی کرنے کی کوشش کیوں کی بیٹی۔ یہ زندگی بار بار نہیں ملتی اور پھر
خودکشی مذہب میں حرام ہے۔ بہتر تھا کہ میرے پاس چلی آتیں اور ہم تم سے پورا پورا
انصاف کرتے"۔

"مثلاً" کیا کرتے؟" زیبا کے ہونٹ لرزے۔

"اگر تم کہتیں تو اپنے ہاتھوں سے اسے گولی مار کر دفن کر دیتے"۔

"تو یہ نیک کام کر کے آ جاتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی"۔

"ہونا تو یہی چاہیے تھا بیٹی۔ لیکن ایک باپ بھی تو ہیں"۔

"آپ میرے پاس کیا لینے آئیں وہ بات کریں"۔

"ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ داغ جو تمہاری زندگی پر لگا انہیں دور نہیں کر سکتے
ان تمہارا دامن خوشیوں سے بھر سکتے ہیں۔ اپنے بیٹے سے تمہاری شادی کر کے
میں اپنے گھر کی بہو بنا سکتے ہیں"۔

"ضرور آپ کے بیٹے نے ہی نہیں اس کے دو دوستوں نے بھی میرے ساتھ
منہ کالا کیا ہے کیا ایسی لڑکی آپ اور آپ کا خاندان قبول کرے گا؟"

"ایک اور راستہ بھی ہے بیٹی"۔

"مثلاً" دوسرا راستہ کون سا ہے؟"

"تمہیں اس قدر دولت سے نواز دیں کہ تمام زندگی دونوں ہاتھوں سے خرچ
کرنے پر بھی وہ تو ختم نہ ہو تمہیں لندن جیسے ملک میں سیٹل کر سکتے ہیں"۔

"یہ سب کچھ آپ کی بساط میں ہے"۔

"ہاں بیٹی۔ کیوں نہیں۔ جو کہا کر سکتے ہیں"۔

"آپ نے درست فرمایا ہر انسان اپنی اپنی بساط کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔
آپ بھی کچھ نہ کچھ بساط رکھتی ہو گی"۔

"ہاں نہیں بیٹی تم کچھ کہو تو سہی"۔

"آپ کی کوئی بیٹی ہے مسٹر وجاہت علی صاحب"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں نہیں قدرت نے دو بیٹیوں سے نواز رکھا ہے"۔

"تو پھر ایک رات کے لئے اپنی ایک بیٹی کو میرے بھائی کے پاس بھیج حساب برابر ہو جائے گا"۔

"ٹک۔۔۔ کیا بک رہی ہو بے وقوف لڑکی"۔ وجاہت علی کا چہرہ جیسے انگارہ ہو۔

"عزت کے بدلے عزت مسٹر وجاہت علی۔ کیا سودا کرو گے"۔

"تم باپ بیٹی کا دماغ خراب ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔ وقت اور حالات کے مط جینا سیکھو۔ غربت کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہو۔ ہمارے مرتبے اور قد کو ناپو۔ حکومت ایک اہم عہدے پر فائز ہیں اور پھر پیسے والے ہیں پورے قانون کی مشینری خرید ہیں۔ تمہارا پورا خاندان لاوارثوں کی مانند مرکھپ جائے گا۔ مقدمے بازی میں کچھ رکھا۔ سمجھوتا کر لوں۔ تمہیں سوچنے کا وقت دیئے جا رہے ہیں۔ رات بھر ٹھنڈے سے سوچنا جو ہونا تھا ہو گیا آنے والے وقت کے بارے میں سوچو۔ جو بہتر سے بہتر چاہیے۔ روپیہ پیسہ ہو گا تو دنیا کی ہر آسائش خرید سکتی ہو"۔

"آرائش زندہ لوگوں کے لئے ہوتی ہیں مردوں کے لئے نہیں۔ میں تو مر ہوں۔ جاؤ اپنے بیٹے کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ کیونکہ اس نے محبت کے نام پر مجھے کیا۔ اعتماد اور میرے بھروسے کو قتل کیا۔ مسٹر وجاہت علی اس حرامزادے نے م معصوم محبت کا خون کیا۔ اور خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ یہی نظام قدرت ہے۔ جاؤ جاؤ"۔

"تم بھی اپنے بیٹے کی طرح خبیث نظر آتے ہو۔ ارے اتنے ہی عزت دار تو بیٹے کو گولی مار دیتے۔ پھر آتے میری پاس اور بیٹی کہہ کر پکارتے تو میں ایک باپ سینے میں منہ چھپا کر اس قدر روتی کہ اپنی لٹنے والی عزت کا دکھ بھول جاتی۔ ارے لوگ کیا جانو عزت کسے کہتے ہیں۔ تم لوگ روپے پیسے کو سیڑھی بنا کر ایوانوں تک چ ہو۔ کیا ضرورت ہے قوم کی قدریں سنوارنے کی۔ دولت ہے تو اس سے دولت کما لیکن تم لوگ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کرسی کی مطابق۔ تاکہ تم لوگوں کی او

وں کی عزتوں کے شیشوں کو چکنا چور کرتی رہے اور تم لوگ دولت اور طاقت کے بل بوتے پر تھانے کچہریاں اور انصاف کو خرید کے نکل جاؤ۔ یہاں سے اپنے بیٹے کی بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ وہ پاگل پٹھان ہلاکو خان تمہارے بیٹے کے پیچھے پڑ گیا ہے"۔

اچانک وجاہت علی اٹھے اور زیبا کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے اور جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلے انوار حسین اندر داخل ہو گئے۔ زیبا نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں وہ خاموشی سے اسی کرسی پر براجمان ہو گئے جہاں کچھ دیر قبل وجاہت علی بیٹھے ہوئے تھے۔

"بیٹی! میں نے باہر کھڑے ہو کر تم دونوں کی تمام باتیں سن لی ہیں۔ لیکن بیٹی ہم بہت کمزور لوگ ہیں۔ اور یہ بڑے لوگ۔ ہمارا ان کا کیا جوڑ۔ بہتر ہے کہ کوئی بہتر سمجھوتا کر لو۔ وہ سچ کہہ رہا تھا کہ تھانے کچہری اور قانون ان کا اپنا ہے۔ روپے میں بڑی طاقت ہے"۔

زیبا نے کروٹ بدل لی تھی۔ شاید وہ اپنے باپ کو کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی اور شیخ انوار حسین اس بات کو محسوس کرتے ہوئے بات بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

"کھانا گرم ہے کھا لو تو بہتر رہے گا"۔

"بھوک نہیں ہے بابا۔ آپ گھر جا کر آرام کریں۔ میں شاف سے کہہ کر سالن گرم کروا لوں گی"۔

اور پھر انوار حسین واپس لوٹ گیا۔ ادھر زیبا کی سوچیں بہت گہری تھیں۔ وہ ہلاکو خان کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سرپھرا انسپکٹر نجانے کیا کرتا پھر رہا تھا۔ اسے روپے پیسے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس انسان کی موت چاہتی تھی جس نے محبت کے نام پر اسے برباد کر ڈالا اور پورے خاندان میں بدنام ہو گئی وہ تو مرنا چاہتی تھی کیونکہ اس کے ساتھ ایک بھیانک اور مکروہ قسم کا دھوکا، ظلم ہوا تھا۔ لیکن انسپکٹر ہلاکو خان آڑے آ گیا۔ جب اسے ہسپتال میں ہوش آیا تو سب سے پہلے نظر آنے والا انسان ہلاکو خان تھا۔ جو محبت اور اپنائیت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارا نام انسپکٹر ہلاکو خان ہے۔ بے بی لوگ۔ تم نے ہوٹل کا دوسری منزل کو کر خودکشی کرنے کا جرم کیا۔ کیا بولا۔ جرم کیا۔ اور ہاں اگر تم ہم کو یہ بتاؤ وہ نے ایسا کیوں کیا تو ہم ان کو جان سے مار ڈالے گا۔ کیا بولا۔ جان سے مار ڈالے گا"

"میں تو خود برباد ہو گئی ہوں۔ مر گئی ہوں۔ اور مرے ہوئے لوگ کسی کو نہیں لیتے"۔

"اگر تم مر گیا ہے تو بدروح بن جاؤ۔ کیا بولا۔ بدروح بن کر ان سے چمٹ خون پی لو اس کا۔ جس نے تمہیں خودکشی پر مجبور کیا"۔

"میں بہت کمزور لڑکی ہوں انسپکٹر"۔

"قانون کمزور نہیں ہوتا۔ اس کا طاقت بہت بڑا ہوتا ہے۔ صرف اتنا بتاؤ وہ کیا"۔

"مم.... میں وجاہت علی منسٹر کے بیٹے حسن سے محبت کرتی تھی۔ اس نے کو بستر کا کھیل بنا ڈالا۔ دھوکا دیا۔ مذاق اڑایا میری محبت کا۔ بس میرا جرم اتنا تھا کہ نے محبت کی اور اعتماد کیا لیکن س نے اپنے اندر چھپے جانور اور عفریت کا بھرپور کیا کہ مجھے باندھا خود منہ کالا کیا اور اپنے دو دوستوں کو بھی دعوت دے ڈالی باری باری اپنے مکروہ کھیل کی ویڈیو فلم بناتے رہے۔ جب ان کا دل بھر گیا تو ر سے میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور تب میں نے باتھ روم کی کھڑکی سے کود دینے کی کوشش کی۔ بس یہی میری چھوٹی سی کہانی ہے"۔

اور تب انسپکٹر ہلاکو خان نے غراتے ہوئے کہا تھا۔

"تم ہمارا بیٹی ہے۔ اور تمہارا بیان پولیس کا طاقت ہے۔ تم نے اب جھکنا کیونکہ پٹھان کی کھوپڑی کبھی کبھی کام کرتا ہے اور جب کام کرتا ہے تو پھر بہت کا ہے۔ کیا بولا۔ بہت کام کرتا ہے"۔

یہ تھا ہلاکو خان جو اسے مضبوط کر گیا تھا۔ اور دوسری بار ملاقات میں ایک روپے کی بات کہہ گیا تھا۔ اور زیبا ایک مضبوط سہارا پا کر سوچنے پر مجبور ہو گئی لیکن وہ اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتی تھی کہ جرم کرنے والا ایک بڑے باپ

ہے جو حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز ہے۔ وہ تو مرنا چاہتی تھی ایسی زندگی سے کیا فائدہ کہ پورے خاندان میں بدنام ہو گئی تھی۔ خاندان والے کیسی کیسی باتیں کرتے ہوں گے اور وہ خود ان کا کس منہ سے سامنا کرے گی۔ جس قدر وہ سوچتی اس قدر ہی اس کے اندر دھواں بھر جاتا۔ دم گھٹنے لگ جاتا اور پھر اندھیرے میں انسپکٹر ہلاکو خان ایک روشنی کی کرن بن کر ابھرا تھا۔ لیکن تھا پولیس والا۔ وہ سوچتی کہ وجاہت علی یا اس کے بیٹے سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اس کا اپنا مفاد کس قدر ہو سکتا ہے۔ وہ بیڈ پر لیٹے سوچتی رہتی۔ حالات غیر یقینی دھند میں لپٹے ہوئے تھے اور وہ کسی اوندھے کنوئیں میں گری ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ پولیس والے پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔ پھر یہ سوچتی کہ اس نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا کہ میں کون سی بازی کھیل رہی ہوں جس کا ہارنے کا خوف ہو۔ بس یہی وہ لمحات تھے جب وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ جب مطمئن ہو گئی تھی اسے آہستہ آہستہ اپنے آرادے کی پختگی کا احساس پیدا ہوا۔ تب اس نے وجاہت علی کو کھری کھری سنا ڈالیں تھیں۔ حالانکہ وہ چاہتی تو لاکھوں روپے لے کر کیس ختم کروا دیتی۔ لیکن وہ اپنی عزت کا اپنے ساتھ ہونے والے گینگ ریپ کی قیمت وصول نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ آئے دن اخبارات ایسے واقعات سے بھرے رہتے تھے۔ اس کے ساتھ کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔ انسپکٹر پر اس نے اعتماد کر لیا تھا اور وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ انسپکٹر کس کروٹ بیٹھتا ہے اور اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ آج بھی سیاہ لباس میں تھی جیسے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم اور دنیا کی بے ثباتی پر ماتم کناں ہو۔ اور اس کا یہ لباس' اس لباس میں اس کا حسن ایک قیامت ڈھائے ہوئے تھا گو کہ اس کے چہرے پر یاسیت رہتی تھی لیکن اس کا چہرہ بدلیوں کی اوٹ سے چاند کا نظارا دیتا تھا اور یہ بات حق نواز سوچتا تھا۔ جس کا دن رات کا صبر و چین لٹ گیا تھا۔ اسے کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ انیلا نے پورا گھر سنبھال لیا تھا۔ کچن پر اس کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھوں کا پکایا ہوا کھانا ہر ایک نے پسند بھی کیا تھا۔ بلکہ بہت تعریف کی تھی۔ گھر کا ہر فرد اس سے مطمئن تھا۔ اور اس وقت وہی انیلا چائے کا مگ لئے حق نواز کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"صبح بخیر"۔ وہ اپنے ترنم ریز لہجے میں بولی۔

"صبح بخیر۔ چائے کا شکریہ۔ ادھر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیجئے"۔ حق نواز بڑی شدت سے انیلا کا منتظر تھا۔ مسکرا کر بولا۔

اور تب انیلا نے چائے کا مگ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور جانے کے لئے جیسے ہی مڑی حق نواز بول پڑا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔

"جی فرمایئے"۔

"مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی"۔

"کسی اچھے ڈاکٹر سے بات کرنا تھی"۔

"میرا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں"۔

"کیا مطلب؟" اس بار انیلا چونکی۔

"میں راتوں کو اس لئے نہیں سو پاتا کہ آپ سے باتیں کرتا رہتا ہوں"۔

"آپ پاگل ہیں کیا؟" انیلا نے اسے گھورا کر دیکھا۔

"جی نہیں تو"۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"جی بالکل"۔

"میری حیثیت کا بھی اندازہ ہو گا آپ کو"۔

"حیثیت کیا ہوتی ہے۔ محبت میں اونچ نیچ اور قد نہیں ناپے جاتے"۔

"آپ جانتے ہیں میں کون ہوں؟" اس بار انیلا کے تیور خراب تھے۔

"مم میں آپ کے لئے جان دے سکتا ہوں"۔

"آپ میرے چاروں طرف آگ بھڑکانا چاہتے ہیں اور میں آپ کو خبردار کر رہی ہوں آئندہ ایسی گھٹیا بات مجھ سے مت کیجئے"۔

"گھٹیا؟" حق نواز جیسے تڑپ اٹھا ہو۔ دروازے کی طرف بڑھتی انیلا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"محبت کرنا کوئی جرم نہیں"۔

اور انیلا کوئی جواب دیئے بغیر باہر نکل گئی۔ جب وہ بیگم کرنل شاہنواز کے بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ اخبار دیکھ رہے تھے اور بیگم شاہ صوفے پر براجمان تھیں۔ انیلا کو دیکھ کر مسکرا اٹھیں۔ ٹرے میں رکھے چائے کے دو مگ لئے انیلا آگے بڑھی اور بولی۔

"صبح بخیر انکل"۔

"جیتی رہو بیٹی۔ تمہارے آنے سے گھر کی رونق بڑھ گئی ہے"۔

"آپ کا بیٹا کچھ بیمار لگتا ہے مجھے۔ ہو سکے تو انہیں کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک کرایئے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا ہوا اسے؟" اس بار بیگم شاہ پریشان ہو کر بولیں۔

"یہ چائے لیجئے"۔ انیلا نے جواب دینے کی بجائے چائے کا مگ ان کی طرف بڑھا دیا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"کیا ہوا بیگم۔ یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔ اس کا لہجہ کچھ مناسب نہیں تھا"۔

"میں دیکھتی ہوں"۔ بیگم شاہ بہت تیزی سے اٹھیں تھیں کچھ دیر بعد وہ حق نواز کے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔

"آپ.... ماں جان"۔ حق نواز حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ وہ بہت ضرورت کے تحت ہی اس کے کمرے تک آیا کرتی تھیں۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے بیٹے"۔

اور حق نواز کو بہت تیز جھٹکا لگا۔ کیونکہ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ انیلا نے شکایت کر دی ہے۔

"مم.... میں ٹھیک ہوں ماں جان"۔

"لیکن انیلا کہہ رہی تھی کہ تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے"۔

"لیکن میں نے تو اس سے کنکشن ٹیبلٹ مانگی تھی۔ رات کچھ لیٹ سویا تھا جسم ٹوٹ رہا تھا اور میں نے سوچا کہ شاید وہ ٹیبلٹ رکھتی ہو"۔

بیگم شاہ نے گہری نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔

"انیلا نے ڈرا ہی دیا تھا"۔

"کمال کی لڑکی ہے۔ آپ تشریف رکھیں"۔

"نہیں۔ ابھی چائے پینا ہے۔ ایسے ہی مگ چھوڑ کر آ گئی ہوں"۔ اتنا کہہ کر بیگم شاہ باہر نکل گئیں اور تب حق نواز نے جان بچتے دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ شاید انیلا نے اسے وارننگ دی تھی کہ آئندہ ایسی گفتگو سے پرہیز کروں۔ او میرے خدا یہ تو بڑی خطرناک لڑکی ہے۔ حق نواز بڑبڑایا۔

دوسری طرف جب بیگم شاہ اپنے کمرے میں پہنچیں تو مسکرا کر انہوں نے خاوند کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"اس نے انیلا سے کنکشن ٹیبلٹ مانگی تھی اور وہ اس کے بیمار ہونے کا کہہ لی"۔

کرنل شاہ نے بڑی تیکھی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"تم نے انیلا سے بات کرنے کا انداز اور لہجے کی کاٹ کو محسوس نہیں کیا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"وہ پریشان تھی۔ ورنہ ایک ٹیبلٹ مانگنے پر ہمیں یہ مشورہ کبھی نہ دیتی کہ ڈاکٹر کی ضرورت ہے"۔

"آپ بات کو بڑھا رہے ہیں کرنل صاحب۔ انیلا کا لہجہ ہی ایسا ہے بات کرنے کا بیٹے نے اس سے ٹیبلٹ مانگی اور وہ گھبرا کر ہمیں ڈاکٹر کا کہہ گئی"۔

"بیگم وہ تم سے صرف ٹیبلٹ کے بارے میں استفسار کرتی۔ ڈاکٹر کا مشورہ نہ دیتی۔ آپ یہ بات کیوں نہیں سوچ رہیں"۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں"۔

"تو پھر توجہ کے ساتھ اخبار پڑھئے اور اپنا بلڈ پریشر بڑھائیے"۔ بیگم شاہ نے اٹھنے کی کوشش کی اور نجانے کرنل شاہ کیوں مسکرا پڑے اور بولے۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ انیلا بیٹی کے آ جانے سے گھر میں رونق بڑھ گئی ہے اور کھانا اس کے ہاتھوں میں اس قدر لذت ہے۔ آج کل ہم معمول سے زیادہ کھا رہے ہیں"۔

"اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ میری کچن سے جان چھوٹ گئی"۔ بیگم شاہ بولیں۔ تب کرنل شاہ کچھ سنجیدہ ہو گئے اور بولے۔

"کیا بیٹی انیلا تمام زندگی کچن سنبھالے رکھے گی۔ ہمارا مطلب ہے کہ اگر اپنے میں کوئی مناسب لڑکا مل جائے تو ضمیر مطمئن ہو جائے گا۔

"ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟"

"جلدی ہے۔ وہ یہاں ملازمت کرنے نہیں آئی۔ اسے ایک دن یہاں سے جانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور عزت آبرو سے جانا ہے۔ تم نے شاید محسوس نہیں کیا کہ بات کرتے وقت کے لہجے میں بڑی تلخی ہوتی ہے"۔

"میرا خیال ہے اس کا یہ اپنا ایک انداز ہے۔ شاید وہ ایسے ہی بات کرتی ہے"

"ہمارا خیال تم سے مختلف ہے۔ وہ ایسا بن گئی ہے جس قدر زہر اس کے بھر گیا ہے اسے ہم لوگوں کی محبت اور اپنا پن کا احساس ہی دور کر سکتا ہے"۔

"ہم سب کچھ کوشش کر رہے ہیں۔ سونیا تو ہر وقت اس کے گیت ہی گاتی ہے۔ کالج سے آنے کے بعد اس کی کوشش ہوتی ہے کہ انیلا کے قریب زیادہ رہے اور کرنل شاہ ہلکے سے مسکرا دیئے۔

دوسری طرف انیلا سونیا کو چائے کا کپ دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آج آپ پونا گھنٹہ زیادہ سوئی۔ میں چائے لے کر تیسری بار آئی ہوں"۔

"سوری۔ آج سنڈے ہے نا۔ اور چھٹی کے دن رات زیادہ پڑھتی ہوں اٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ بہرکیف ایک بار پھر سوری"۔

انیلا نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"چائے پینے کے بعد اگر مناسب خیال فرمائیں تو مجھے ایک فون گھر کرنا پڑوس کا نمبر ہے لیکن تھوڑا سا دور ہے"۔

"بس میں چائے پی لوں۔ ویسے ہونا تو یہ چاہیے کہ ایک ذمے دار فرد کی حیثیت سے بجائے اجازت لینے کے۔ فون کر لیتیں۔ نجانے کیوں ابھی تک آپ نے اس حیثیت اور ہم لوگوں کی اپنائیت کو تسلیم نہیں کیا۔

انیلا سپاٹ چہرہ لئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ سونیا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"میں نے آپ سے کچھ کہا تھا"۔

"آپ کچھ بھی نہ کہا کریں تو کس قدر اچھا ہو"۔

"جی!" سونیا نے حیرت سے آنکھیں جھپکائیں۔

"جی!!" انیلا سنجیدہ تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھ سے دل کی باتیں کیا کرو"۔

"میرے پاس دل ہی نہیں ہے۔ باتیں کیا کروں گی"۔

"دل کو کیا ہوا؟"

"اس نے برباد کر ڈالا"۔

"محبت کی تھی"۔

"نہیں اپنا مقدر کہاں کہ اس لطیف جذبے سے سرشار ہوتی"۔

"ہوا کیا؟"

"حادثہ۔ برباد کر دینے والا حادثہ۔ جس سے زندگی کا ہر ورق زہر آلود ہو گیا۔ ہر خوشی مٹ گئی۔ ہر خواب فنا ہو گیا۔ جینے کی آرزو مٹ گئی۔ یہ تو کرنل صاحب میری لاش کو گھسیٹ کر یہاں لے آئے۔ سوچا چلو کسی کی خوشی کی خاطر جی لیتی ہوں"۔

"حادثے کے بارے میں کچھ بتاؤ"۔

"حادثے تو صرف حادثے ہوتے ہیں"۔ اس بار وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"شاید آپ مجھے اپنا نہیں سمجھتیں۔ دوست بنا لیں پھر زندگی کے ہر موڑ پر آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گی"۔

"آپ نے شاید چائے پی لی ہے"۔ انیلا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور سونیا مسکرا کر خود بھی اٹھ گئی۔ وہ برآمدے تک آئی تھی۔ جہاں ایک سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"یہ ٹیلی فون سیٹ ہے۔ آپ کو بخوبی نظر آ رہا ہے لہٰذا آپ اپنی مدد آپ کے تحت فون کر ڈالیے"۔ اتنا کہہ کر سونیا اپنے کمرے میں واپس لوٹ آئی۔

"عجیب الجھی ہوئی لڑکی ہے۔ چلو اتنا تو ہوا کہ کسی حادثے کا علم ہوا۔ اب حادثے کی نوعیت کیا تھی وہ بھی معلوم ہو جائے گی"۔ سونیا بڑبڑائی۔

"چھٹی کا دن تھا۔ آج ڈشیں زیادہ تیار کرنا تھیں۔ لہٰذا وہ کچن میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس نے بیگم شاہ سے ہدایات لیں تھیں۔ کچن کے دروازے پر وہ حق نواز کو دیکھ کر چونکی۔ پھر ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"فرمایئے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک کپ چائے جرنیل مل جائے گی"۔

"پہلی چائے کا کیا کیا"۔

"ٹھنڈی ہو گئی تھی"۔

"بنا دیتی ہوں۔ آپ جائیں"۔

اور حق نواز اس کے چہرے کو تکتا ہوا دروازے سے ہٹ گیا۔

"اگر میں یہاں سے بھاگی تو اس انسان کی وجہ سے جاؤں گی۔ پاگل ہو گیا ہے"۔

انیلا کیتلی میں پانی رکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ کچھ دیر بعد وہ چائے کا مگ لئے حق نواز کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

"آپ کی شکایت اور احتجاج کا انداز بڑا خوبصورت تھا"۔

وہ خاموشی سے چائے رکھ کر جیسے ہی واپس مڑی تو حق نواز پھر بول پڑا۔

"میں آپ کو پسند کرنے لگا ہوں"۔

"میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آپ بیمار ہیں اپنا چیک اپ کرائیں"۔

"میں بیمار محبت ہو گیا ہوں۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی آپ کا چہرہ میری پلکوں پر چھایا رہتا ہے اور پھر محبت کرنا جرم نہیں ہے"۔

"آپ اپنا اور میرا فاصلہ ناپیں۔ اپنے قد اور میرے قد کو آپ نے شاید بغور دیکھا نہیں اور پھر میں ایک ایسی ایٹ ہوں جو کسی مسجد کی محراب میں نہیں جڑی جا سکتی۔ آپ اپنا وقت اور میرا جینا حرام نہ کریں۔ زندگی نے پہلے ہی بہت دکھ دیئے ہیں"۔

"میں اپنے ماں باپ سے آپ کو مانگ لوں گا"۔

"آپ مجھے کسی زاویے سے بھی بے وقوف نظر نہیں آتے"۔ اتنا کہہ کر انیلا بڑی تیزی سے باہر نکل گئی۔

"اف یہ تیری خفگی۔ کیسے مضبوط بندھ مار رہی ہو اپنے اور میرے درمیان۔ شاید تمہیں جیتنے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑیں"۔

"اندر آ سکتی ہوں؟" سونیا کھلے دروازے کے درمیان کھڑے کھڑے بولی۔

"ارے آؤ سونو"۔

"یہ بے وقت چائے کیوں منگوائی تھی جناب نے"۔

"سچ بتا دوں"۔ حق نواز مسکرایا۔

"چلئے اگر کوئی خاص پروگرام ہے تو سن لیتی ہوں"۔ سونیا صوفے پر ٹک گئی۔

"پہلی چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی"۔

"کیسے؟"

"انیلا کی وجہ سے"۔

"کیا ہوا تھا؟" سونیا محتاط ہو گئی۔

"میں نے اسے کہا کہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں"۔

"کیا بات ہوئی؟" سونیا حیرت سے بولی۔

"بات یہ ہوئی کہ انیلا نے ماں جان اور باباجان سے جا کہا کہ مجھے کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے"۔

"ارے نہیں"۔

"ماں جان میری تیمارداری کے لئے تشریف لائی تھیں"۔

"پھر جان کیسے بچی؟"

"میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی کہ صرف انیلا سے کنکھول کا پوچھا تھا اور ماں جان چلی تو گئیں لیکن شاید مطمئن نہیں ہوئی تھیں"۔

"آپ نے انیلا سے یہ بات کیوں کی؟"

"کیونکہ وہ مجھے واقعی بہت اچھی لگتی ہے"۔

"معاملہ کیا ہے؟"

"کچھ الجھ گیا ہوں"۔

"ماں جان سے بات کریں ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ بہت بڑی حماقت کریں گے"۔

"یعنی کہ کسی کو پسند کرنا تمہارے نزدیک حماقت ہو گیا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں انیلا کی بات کر رہی ہوں۔ وہ بہت الجھی ہوئی لڑکی ہے۔ میرے لاکھ کریدنے پر اس نے صرف اتنا بتایا کہ وہ ایک سنگین حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ جینا نہیں چاہتی تھی لیکن کرنل صاحب ایک لاش کو گھسیٹ کر یہاں لے آئے۔ اب اس بات سے اندازہ کر لیں کہ کہیں بہت بڑی گڑبڑ ہے۔ جب تک اس حادثے کا علم نہ ہو آپ کو کوئی بات نہیں کرنا چاہیے"۔

"میں بہت الجھ چلا ہوں سونو"۔

"تھوڑا صبر کر لیجئے۔ یا پھر ماں جان سے بات کر لیں"۔

"تم کیوں نہیں کرتیں"۔

"آپ کی وکالت کروں یا انہیں صرف پیغام دے دوں"۔

"پیغام دے دو۔ شاید انیلا کے ساتھ وابستہ اصل کہانی سامنے آ جائے"۔

"شاید ایسا ہو جائے۔ میرا خیال ہے اس طرح سے ماں باپ کے خیالات کا علم ہو جائے گا"۔ سونیا پر تفکر انداز میں بولی۔

"کیا تمہیں انیلا پسند نہیں؟"

"مجھے پسند ہے لیکن آپ نے کچھ جلد بازی کر ڈالی اور پھر انیلا کے میں بہت قریب ہوں۔ اس کا عندیہ معلوم کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھڑک اٹھے گی"۔

"چلو یہ بھی معلوم ہو جائے گا"۔ حق نواز مسکرایا اور چائے کا خالی مگ لے کر سنٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تو آپ کو انیلا سے محبت ہو گئی ہے"۔

"اب تم بات کو بڑھاؤ گی"۔

"یہ دیکھے بغیر کہ انیلا کا خاندانی پس منظر کیا ہے۔ اس گھر میں کیوں رہنے پر مجبور ہوئی۔ اس کے والدین اس قدر کٹھور ہیں کہ بیٹیاں ادھر ادھر بھٹکتی پھریں۔ آخر یہ انیلا ہے کون؟"

"تم آج بہت اچھے موڈ میں لگ رہی ہو سونو"۔

"میں آپ سے صرف اس لئے بحث کر رہوں کہ آپ کسی اندھے کنویں میں

ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ بہرکیف میں ماں جان سے بات کرتی ہوں اور موقع ملا تو انیلا سے بھی بات کر دیکھوں گی"۔

"شکریہ سونو۔ میں کافی پریشان ہوں"۔

"آپ کی پریشانی کا حل میرے پاس نہیں"۔ اتنا کہہ کر سونیا اٹھ گئی۔ حق نواز نے الجھی ہوئی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا جو شانے اچکا کر باہر نکل گئی تھی۔

پھر ایک خاموش ہنگامہ چار بجے کی چائے پر ہوا تھا۔ حسب معمول انیلا چائے لے کر ساڑھے چار بجے سونیا کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی"۔ یہ انیلا تھی جو سونیا کو چائے دیتے وقت اپنے سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"خیریت نہیں ہے۔ آپ بیٹھ جائیں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"۔

اور تب انیلا خاموشی سے صوفے پر ٹک گئی۔

"بھائی جان آپ کے بارے میں بہت سنجیدہ ہو رہے ہیں"۔

"جی"۔ انیلا کو جیسے ایک تیز جھٹکا لگا۔

"میرا مطلب ہے وہ آپ کو پسند کرتے ہیں"۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"مجھے بھی آپ پسند ہیں"۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے"۔ انیلا کا لہجہ بڑا سنگین تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" سونیا پریشان ہو گئی۔

"میں نے آپ سے کچھ تفصیلی بات کی تھی اور یہاں تک بتایا تھا کہ میں کسی [illegible] ہی سنگین حادثے کا شکار ہوئی ہوں۔ وہ حادثہ کس قدر مکروہ ہے اس کا احساس [illegible] کے ماں باپ کو ہے۔ اگر اپنے ان خیالات کا اظہار آپ نے اپنی ماں جان سے کر [illegible] تو شاید مجھے دھکے مار کر اس گھر سے نکال دیں اور کرنل صاحب کے بارے میں اس [illegible] نہیں کہہ سکتی کہ وہ بہت بڑے دل کے مالک ہیں"۔

"آپ نے تو مجھے خوفزدہ کر دیا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک اچھی صورت حال سے باخبر کیا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے کیونکہ آپ کے بھائی جان کو ابھی چائے دینا ہے اور یہی میرے لئے بہت کٹھن مرحلہ ہوتا ہے"۔ اتنا کہہ کر انیلا تو چلی گئی اور سونیا کو پریشان کر گئی۔

دوسری طرف جب انیلا چائے لے کر حق نواز کے کمرے میں گئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا اور بولا۔

"بہت خوبصورت دل ہے میرا تمام زندگی پر ستش کرتا رہوں گا اور وہ حادثہ کتنا قدر بھی سنگین رہا ہو۔ میری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت اور کوئی وقعت نہیں"۔

"پاگل ہیں آپ"۔ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

"واہ۔ شاندار۔ یعنی کہ ہم پاگل ہیں"۔ حق نواز نے بڑے زور سے قہقہہ لگا تھا اور پھر ٹھیک پونے گھنٹے بعد اسے اپنی ماں جان کی سنگین ترین نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔

"آپ ماں جان؟"

"تمہیں تو واقعی کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ انیلا نے درست کہا تھا"۔

"آپ تشریف رکھیں ماں جان"۔ حق نواز بوکھلا کر بولا۔

"سونو نے تمہارا پیغام ہم تک پہنچا دیا لہٰذا تمہیں خبردار کرنے آئے ہیں آئندہ اس قسم کی گھٹیا بات سوچنا بھی مت"۔

"لیکن ماں جان میں نے صرف اپنی پسند کا اظہار کیا ہے"۔

"اپنے ان خیالات سے باپ کو آگاہ مت کرنا ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں فوج میں بھجوا دیں"۔

یہ تھے ایک ماں کے الفاظ۔ فوج میں بھجوانے کا کہہ کر ایک ماں نے بیٹے کے لئے پرواز کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ کیونکہ کرنل شاہ کی دلی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پاک آرمی کا آفیسر بنے لیکن حق نواز اپنی زندگی کو اتنا مشکل نہیں بنانا چاہتا تھا یہی وجہ تھی کہ کرنل شاہ نے اپنے بیٹے کی ملازمت میں کوئی مدد نہیں کی تھی اور کہا تھا میرٹ کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرو۔ ماں کا رویہ ایک بیٹے کے لئے بہت برا جھٹکا تھا

ایک وارننگ تھی۔ لیکن کیوں؟ انیلا میں کون سی ایسی برائی تھی جو وہ اس گھر کی بہو نہیں بن سکتی تھی۔ اس نے زندگی بھر اپنی ماں کو اس قدر خطرناک موڈ میں نہیں دیکھا تھا اور سچ بات تو یہ تھی کہ حق نواز کو پسینہ آ گیا تھا۔ کافی دیر وہ حواس باختہ رہا تھا۔ اس کی عقل حیران تھی کہ ماں جان اسے سختی سے منع کر گئی تھیں کہ ان خیالات کا اس کے باپ کو علم نہ ہونے پائے۔

جب سونیا اندر داخل ہوئی تو وہ بہت سنجیدہ تھی اور آتے ہی بولی تھی۔

"ماں جان کے خیالات سن لئے ہوں گے آپ نے"۔

"آخر یہ سب کیا ہے جانتی ہو ماں جان دھمکی دے کر گئی ہیں کہ اگر میں نے اپنی پسند کا دوبارہ اظہار کیا تو مجھے فوج میں بھیج دیا جائے گا"۔

"یہ تو بہت سنگین دھمکی ہے۔ بلکہ انتہا پسندی کی انتہا ہے"۔ سونیا ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"لیکن ان کا یہ انداز؟ یہ رویہ ہے بغاوت پر آمادہ کرنے والا"۔

"بغاوت وہاں کی جاتی ہے اگر۔ انیلا آپ کا ساتھ دے وہ تو گھر چھوڑنے کی دھمکی دے رہی تھی اور آپ ایک طرفہ بیز پیٹ رہے ہیں"۔

اور تب حق نواز نے بڑے مایوسانہ انداز میں سر کو جھٹکا دیا اور سونیا تاسف بھرے انداز میں بھائی کو دیکھ کر اٹھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر دور حکومت میں دو چار پولیس انسپکٹر ہر شہر میں ایسے ضرور ہوتے ہیں جو اکثر ناپسندیدہ افراد کو پولیس مقابلے میں مار ڈالتے ہیں گو کہ ہائی کورٹ بار بار انہیں وارننگ دے رہا ہوتا ہے۔ لیکن عمل نہیں ہو رہا ہوتا۔ محکمہ پولیس کا اپنا سیٹ اپ اور سسٹم ہے۔ وہ شہر کے بادشاہ ہوتے ہیں کیونکہ انہیں حکومت ٹولے کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سٹوڈنٹ کو استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اسلحہ اور روپیہ فراہم کرتے ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے کام لیتے ہیں۔ وہ غریب گھروں سے کتابیں لے کر نکلتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں اسلحہ بارود پکڑا دیا جاتا ہے اور یہی بادن سالوں سے ہوتا آ رہا ہے اور یہی اس ملک کی سب سے بڑی بد نصیبی ہے کہ ہم دن بدن کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور اس بات کا احساس حکمرانوں کے کسی ٹولے کو نہیں ہوتا۔

زیبا ایک خوبصورت ذہن رکھنے والی متوسط طبقے کی لڑکی تھی اسے ایک دولت مند نے محبت اور اچھی زندگی کے بے شمار خواب دکھائے اور ان خوابوں کا جو حشر ہوا اسے دیکھتے ہوئے اس نے خودکشی کو ترجیح دی۔ لیکن ایک سر پھرا انسپکٹر اس کے آڑے آ گیا اور کھیل نیا رنگ اختیار کر گیا۔

اور پھر ہلاکو خان کو وجاہت علی نے اپنے حکومت ٹولے کی مدد سے معطل کروا دیا۔ اور یہ کام آئی جی نے کیا تھا۔ براہ راست احکامات آئے تھے کیونکہ ایس پی نواز ڈوگر ایک ہفتے کی چھٹی پر اسلام آباد جا چکے تھے اور اسی رات زیبا کو رات دو بجے ہسپتال سے اغوا کر لیا گیا اور اغوا کرنے والا خود ہلاکو خان تھا جو اپنے آدمیوں کے ساتھ

آیا تھا اور زیبا کو سفید کپڑوں میں ایک خوبصورت گھر میں بند کر دیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے انسپکٹر؟" زیبا اس اغوا پر پریشان ہو اٹھی۔

"حسن کے باپ کا وار چل گیا ہم ملازمت سے برخواست۔ اس پٹھان کی کھوپڑی میں یہ بات آیا کہ اب وہ تم پر دباؤ ڈالیں گے اور راضی نامہ کریں گے اور یہ بات انسپکٹر ہلاکو خان کے لئے موت ہو گا۔ کیا بولا۔ موت ہو گا موت"۔

"تمہاری پاور تو ختم ہو گئی انسپکٹر"۔ زیبا پر تفکر انداز میں بولی تھی۔

"کھیل تو اب شروع ہوا ہے۔ اب وہ پاگلوں کتوں کی مانند پورے شہر میں تمہیں تلاش کرتے پھریں گے۔ کیونکہ تمہارا عدالت تک پہنچ جانا ان کی موت ہے۔ لہٰذا ہمارا آدمی ایک کروڑ روپے کی بات کرے گا اور یہ بات ان کا باپ بھی مانے گا۔ ان کا واسطہ ہلاکو خان سے پڑا ہے۔ ہم کو برخواست کروا کر انہوں نے کیس کو کمزور کرنا چاہا لیکن اب پٹھان کی کھوپڑی بہت کام کر رہا ہے"۔

"کبھی کبھی کرتا ہے نا"۔ اس بار زیبا نجانے کیوں مسکرا پڑی اور ہلاکو خان خود بھی مسکرا پڑا۔ پھر زیبا سنجیدہ ہو کر بولی۔

"عدالت میں کب پیش کر رہے ہو؟"

"تین دن بعد۔ لیکن وہاں صرف تمہارا وکیل جائے گا اور درخواست دے گا کہ ہم پارٹی سے اس کی موکلہ کو جان کا خطرہ ہے لہٰذا عدالت تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کرے تو وہ اپنی موکلہ کو پیش کر سکتا ہے"۔

"اس کے بعد کیا ہو گا"۔

"تاریخ پر جائے گا اور سودے بازی میں آسانی ہو جائے گا۔ وہ سب وکیل پر ہو دوڑے گا اور وکیل پھر ان سے سودے بازی کرے گا۔ ابھی تو ان کو علم نہیں کہ ادھر ہے اور ہاں ادھر خدمت کے لئے عورت لوگ ہے۔ لیڈی ڈاکٹر ہے تمہارا علاج ہوتا رہے گا اور تمہاری حفاظت کے لئے ادھر آدمی بھی ہے تم بے یار و مددگار نہیں ہے۔ کیا بولا۔ ادھر سب انتظام ہے"۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ جو کچھ تم کرتے پھر رہے ہو وہ درست بھی ہو اور وہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جو تم چاہتے ہو"۔

"اس ملک کا پولیس وقت کا حاکم ہوتا ہے۔ کیا بولا۔ حاکم ہوتا ہے۔ لیکن تم بات نہیں سمجھے گا"۔

"میں اس ملک کی پیداوار ہوں اور پڑھی لکھی ہوں۔ تمہاری بات کو بہت سمجھ لیتی ہوں لہٰذا میرے گھر والوں کو اپنے کسی آدمی سے کہلوا دینا کہ میں خیریت ہوں اور اب یہ بھی بتا دو کہ اگر رقم مل گئی تو تم اس کا کیا کرو گے"۔

"رقم ہمارا مسئلہ نہیں وہ تمہارا ہے کہ تم اس کا کیا کرتا ہے۔ اگر تم یہ ہے کہ اس رقم سے کمیشن وصول کرے گا تو ایسا نہیں ہو گا۔ وہ تمہارا ہو گا"۔

زیبا خاموش ہو گئی اور ہلاکو خان اسے تسلی دے کر چلا گیا۔

تیسرے دن وکیل نے عدالت سے زیبا کے لئے تحفظ مانگ لیا۔ ہر وہ کام ا ہی ہوا تھا جیسے ہلاکو خان چاہتا تھا۔ ایڈووکیٹ بشیر نیاز زیبا کی طرف سے پیش ہوا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وجاہت علی بھی اپنے آدمیوں سے اس کو نہ اٹھواتا۔ اور ایڈووکیٹ بشیر نیاز مسکرا رہا تھا۔

"زیبا کہاں ہے؟"

"یہ سوال تو پولیس سے کیجئے۔ کیونکہ ہسپتال میں وہ پولیس کی کسٹڈی تھی"۔

"لیکن وہاں سے اسے اغوا کر لیا گیا"۔

"مجھے معلوم نہیں"۔

"کیس کی پیروی کون کر رہا ہے"۔

"کچھ نامعلوم افراد"۔

"نام و پتے"۔

"میرا پیشہ اجازت نہیں دیتا"۔ بشیر نیاز مسکرایا۔

"اگر آپ ہمارے عہدے کو بھی مدنظر رکھیں"۔

"سر تسلیم خم ہے لیکن وکالت کا پیشہ بڑا مقدس ہے"۔

"کس قدر مقدس ہے یہ ہم بھی جانتے ہیں"۔

"آپ طنز فرما رہے ہیں"۔

"ہم زیبا کے سرپرستوں سے سودے بازی کرنا چاہتے ہیں"۔

"آپ پیغام دے دیں جیسے ہی انہوں نے رابطہ کیا آپ کو بتا دیا جائے گا"۔

"وقت بہت کم ہے۔ انہیں پوچھئے کہ کتنی رقم چاہیے"۔

"ایک کروڑ۔ کیونکہ مجھے انہوں نے بتا رکھا ہے"۔

"اس ہلاکو خان کو تو پولیس کے ہاتھوں ہی مروانا پڑے گا"۔ وجاہت علی غرا اٹھے۔

"آپ ایک وکیل کے سامنے ایک آدمی کو قتل کروانے کی بات کر رہے ہیں"۔ بشیر نیاز مسکرایا۔

"پچاس لاکھ روپیہ۔ وہ بھی مجبوری ہے ورنہ....."

"بات صرف اور صرف ایک کروڑ کی ہے۔ اس کے اوپر نیچے سیاہ اندھیرا ہے"۔

"وہ الو کا پٹھہ یہی بات کہتا تھا۔ لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی مجھے علم ہے کہ زیبا کو اغواء ہلاکو خان نے کیا ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ہم مجبور ہیں زیبا کو عدالت تک پہنچنے کا رسک نہیں لے سکتے۔ لہٰذا ہماری ہلاکو خان سے بات کروا دیں"۔

"ہلاکو خان کو میں نہیں جانتا"۔

"کیا مطلب؟"

"میرا واسطہ کسی دوسرے آدمی سے پڑا ہے"۔

"کچھ بھی ہو اس کی پشت پر ہلاکو خان ہے۔ ان سے پچاس لاکھ کی بات کرو۔ میرا بیٹا اس حرامزادے نے بے کار کر دیا ہے"۔

"انہوں نے بھی ایک زندگی برباد کی۔ ایک محبت کرنے والی لڑکی کو دھوکے سے ہوٹل میں بلوا کر گینگ ریپ کیا اور اس لڑکی نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ پورا شہر اور پورا ملک اس واقعے سے باخبر ہوا۔ اب تو وہ لڑکی جہاں بھی جائے گی کیا اسے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبول کرے گا؟"

"کیسی بات کرتے ہیں آپ وکیل صاحب۔ ہر شہر میں لاکھوں لڑکیاں روز اپنی عزت کے پیسے وصول کرتی ہیں اور...."

"وہ رنڈیاں اور کسبی عورتیں ہوتی ہیں۔ عزت دار گھرانوں کی لڑکیاں جان دے دیتی ہیں لیکن عزت کا سودا نہیں کرتیں۔ جیسے کہ میری موکلہ زیبا انوار"۔ بشیر نیاز زہرخند کے ساتھ بولا اور وجاہت علی نے اسے تیز نظروں سے گھورا پھر انہوں نے کسی خیال کے تحت اپنے تیور نارمل کئے اور بولے۔

"ہم یاد رکھیں گے بشیر نیاز صاحب آپ مدعی پارٹی سے بات کر لیں"۔

"عرض کیا ہے کہ ایک کروڑ پر بات ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ انہوں نے بڑی سختی سے کہا ہوا ہے کہ رقم پوری ہو تو بات ہو سکتی ہے اور کیس واپس لیا جا سکتا ہے ورنہ زیبا کو عدالت میں پیش کر دیا جائے گا"۔

"او کے ہم سوچیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں اور آپ کو بھی یاد رکھیں گے بشیر نیاز صاحب"۔

"میں ایک وکیل ہوں سر۔ کل کو میں آپ کے کام آ سکتا ہوں"۔ بشیر نیاز اٹھ کر وجاہت علی سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ اور وجاہت علی بڑی سنگین خاموشی سے باہر نکل گئے اور اسی لمحے بشیر نیاز نے فون پر کسی کو مخاطب کیا۔

"پچاس لاکھ دینے کو تیار ہیں۔ جی بہتر۔ او کے خدا حافظ"۔ اتنا کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا۔ اور پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر وہاں پولیس پہنچ گئی۔

"معذرت چاہتے ہیں وکیل صاحب ہمیں زیبا انوار جو کہ آپ کی موکلہ ہے اسے پولیس کسٹڈی میں لینا ہے"۔

"زیبا انوار میرے پاس نہیں۔ ویسے آپ مجھے اپنا کارڈ دکھا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ یہ لیجئے"۔ اتنا کہہ کر انسپکٹر نے اپنا کارڈ بشیر نیاز کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر تحریر تھا ایس ایچ او وسیم راجہ۔

"تشریف رکھیں"۔

"شکریہ نیاز صاحب! ذرا جلدی میں ہیں"۔

"زیبا انوار کا مجھے علم نہیں کہ اس وقت وہ کہاں ہو سکتی ہے اور شاید وجاہت علی صاحب کو یہ علم نہیں کہ میں نے ہائی کورٹ سے یہ اجازت نامہ حاصل کر لیا ہے کہ زیبا انوار کو تین دن بعد بارہ تاریخ کو اپنی ذمے داری پر عدالت میں پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد زیبا انوار پولیس کسٹڈی میں چلی جائے گی۔ میرا کام ختم ہو جائے گا لہٰذا پھر بھی آپ کو زیبا انوار کے بارے میں معلومات درکار ہوں تو اس انسان کے ایڈریس پر چلے جائیں کیونکہ یہی انسان اس کیس کی پیروی کر رہا ہے"۔ بشیر نیاز نے ایک کاغذ پر کوئی ایڈریس لکھ کر انسپکٹر وسیم راجہ کے سپرد کر دیا۔

"بہت بہت شکریہ نیاز صاحب۔ آپ کے تعاون کو یاد رکھا جائے گا"۔ انسپکٹر تیزی سے باہر نکل گیا۔ لیکن ایک گھنٹے بعد وہ پھر سر پر سوار تھا۔

"یہ ایڈریس غلط ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس نام کا کوئی انسان اس ایڈریس پر نہیں رہتا"۔

"میرے وکالت کے کاغذات پر یہی ایڈریس ہے۔ سوری۔ میں آپ کی مزید مدد نہیں کر سکتا"۔

اور تب انسپکٹر وسیم راجہ مسکرا پڑا اور بولا۔

"وجاہت علی ایک بڑے آدمی ہیں اور ہم لوگ ایک سسٹم کے تحت چل رہے ہیں۔ میں اوپر والوں کو آپ کا قانونی نکتہ سمجھانے کی کوشش کروں گا"۔

"شکریہ انسپکٹر"۔ ایڈووکیٹ بشیر نیاز نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور پولیس والے رخصت ہو گئے۔

"عجیب لوگ ہیں۔ زبردستی خانہ پوری کر رہے ہیں قانون کو سمجھنے کا باوجود ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اس نے نئی صورت حال سے زیبا انوار اینڈ کو کو باخبر کر دیا۔ لیکن اس کا سکون اس وقت برباد ہوا جب انسپکٹر وسیم راجہ اسے گرفتار کرنا آ پہنچا۔

"سوری سری۔ آپ کو گرفتار کر رہے ہیں"۔

"جرم کی نوعیت بھی بتا دو"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سوری سر۔ بحکم ایس پی صاحب صرف پوچھ گچھ کے لئے آپ کو باعزت طریقے سے لے جا رہے ہیں"۔

"یہ زیادتی ہے انسپکٹر۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ....."

"میں سب کچھ جانتا ہوں سر۔ ہمارا اپنا ایک طریقہ ہے۔ آفیسر کا حکم نہیں ٹال سکتے"۔

"انسپکٹر وسیم راجہ مسکرا دیا اور یوں ایڈووکیٹ بشیر نیاز کو اس کے آفس سے اٹھوا لیا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے اپنے جونیئر ساتھی کو کچھ اشارہ کر دیا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ اسے کیوں زبردستی اٹھوایا گیا ہے۔ قانون کے دائرے میں رہے کر تو اسے چھوا بھی نہیں جا سکتا تھا اور پھر بشیر نیاز کو پولیس اسٹیشن لے جانے کی بجائے پولیس ایس پی نواز ڈوگر کے بنگلے پر لے گئی۔

"آپ سر"۔ ایڈووکیٹ بشیر نیاز نجانے کیوں مسکرا پڑا۔ بات اس کی عقل میں آ گئی تھی کہ یہاں بات سودے بازی کی ہی ہو گی۔ ڈرائنگ روم میں وزیر ٹرانسپورٹ وجاہت علی بھی موجود تھے۔ ڈوگر کے ہونٹوں پر ایک بڑی دوستانہ مسکراہٹ تھی اور وہ کہہ رہے تھے۔

"مسٹر نیاز ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو زحمت دی لیکن ہمیں بھی اپنے اوپر والوں کو خوش رکھنا ہوتا ہے۔ معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ پوری قانونی مشینری حرکت میں آ چکی ہے۔ پھر کیوں نہ آپ کی وساطت سے اس کام کو بخوبی نمٹا دیا جائے۔ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نیاز صاحب؟"

"آپ کا یہ طریقہ کار ہی غلط ہے سر۔ قانون آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ معزز عدالت آپ سے سوال کر سکتی ہے"۔

"ہم یہاں دوستانہ ماحول میں گفتگو کر رہے ہیں مسٹر نیاز"۔

"میں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔

"یہ محکمہ بڑا نامراد ہوتا ہے مسٹر نیاز جب آپ یہاں سے جائیں گے تو عدالت کے دروازے کو ضرور کھٹکھٹائیے گا لیکن یہاں سے جانے کے بعد۔ تو ہمارے معزز

دوست وجاہت علی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ پچاس لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہیں اور یہ رقم کوئی معمولی رقم نہیں۔ کبھی کوئی عورت اپنی خوشی سے اور کبھی ہزار دو ہزار دے کر اپنی عزت بخوشی لٹوا دیتی ہیں۔ ہمارے مسٹر صاحب نے ایک بہت بڑی قیمت ادا کرنے کو کہا ہے۔ یہ لیجئے موبائل اور اپنے پیروکار سے بات کر لیں"۔

"سوری سر۔ آپ کے موبائل میں نمبر فیڈ ہو جائے گا۔ کیا میں چہرے سے ایک ایڈووکیٹ کی بجائے بے وقوف نظر آتا ہوں"۔

"ارے یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔ بہرکیف ادھر کونے میں رکھے فون پر بات کر لیجئے"۔

"پارٹی ایک کروڑ مانگ رہی ہے ڈوگر صاحب اور یہ بات آپ کے مسٹر صاحب نہیں سمجھتے۔ ایک لاکھ کم پر بھی وہ بات کرنے کو تیار نہیں ہیں"۔ اتنا کہہ کر بشیر نیاز نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولے۔ "مجھے اجازت دیجئے"۔

"مسٹر نیاز آپ اس وقت پولیس کسٹڈی میں ہیں۔ آپ کا کوئی ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے آپ کسی بنگلے کی سیڑھیوں سے گر کر مر سکتے ہیں اور بھی سینکڑوں قسم کے حادثات ہو سکتے ہیں"۔

"بالکل ہو سکتے ہیں جیسا کہ میرے خیال کے مطابق مسٹر حسن ہسپتال سے اغوا ہو چکے ہوں گے"۔

"کیا مطلب؟" اس بار وجاہت علی غرا پڑا۔

"حادثات کی بات کی ہے میں نے مسٹر وجاہت علی۔ جب مجھے پولیس یہاں لا رہی تھی تو میرے آدمی نے مدعی پارٹی کو فون کر دیا ہو گا۔ کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قبل از وقت ہر معاملے سے نپٹنے کے لئے مکمل تیاری کر لی گئی۔

وجاہت علی نے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر کوئی نمبر ملایا۔

"ہاں کہاں ہو تم؟ کیا..... کون لوگ ہیں۔ اچھا اچھا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں دوبارہ فون کرتا ہوں"۔ اتنا کہہ کر وجاہت علی نے موبائل بند کر دیا اور نواز ڈوگر کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر بولا۔ حسن اس وقت کسی گاڑی میں موجود تھا اور اسے کچھ لوگ کسی نامعلوم منزل کی طرف لے جا رہے تھے۔

"یہ ہلاکو خان ہو گا"۔ نواز ڈوگر بشیر نیاز کو گھور کر بولے۔ پھر وہ مزید بولا۔ "بشیر نیاز اسے ہماری طرف سے کہہ دینا کہ اب ایک پائی بھی نہیں ملے گی۔ وہ زیبا عدالت میں پیش کر دے اور اسے یہ بھی کہہ دینا کہ تم بھی ہماری بلی ہو۔ اور اب میرے پٹوا دینا ہمارا اسٹم ہے۔ جاؤ مسٹر بشیر نیاز اسے کہہ دینا کہ تمہیں مفرور قرار دیا جا رہا ہے۔ اسے پولیس مقابلے میں مروا دوں گا۔ خدا حافظ"۔

"آپ ایک قتل کی بات کر رہے ہیں مسٹر ایس پی"۔

"ہاں کیوں نہیں، تم بھی اس سسٹم کا ایک پرزہ ہو۔ پولیس سے بھاگ کر کون جا سکا ہے آج تم لوگوں کا وقت ہے تو کل ہمارا ہو گا"۔

"میں خود ایک مہرہ ہوں۔ مجھے مدعی پارٹی استعمال کر رہی ہے۔ بہرکیف آپ کا پیغام پہنچا دیا جائے گا"۔ اتنا کہہ کر بشیر نیاز تیزی سے اٹھا تھا اور باہر نکل گیا۔

"اب کیا ہو گا مسٹر نواز ڈوگر"۔

"آپ کے بیٹے کو کچھ نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنی گیم کے لئے صرف اپنے ہاتھوں کو مضبوط کیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں ہمارا اپنا طریقہ کار ہے۔ مجھ پر اوپر سے بہت دباؤ ہے حسن کو وہ لوگ نقصان نہیں پہنچائیں گے صرف انہوں نے اپنے وکیل کو تبدیل کیا ہے۔ پٹھان بڑا خرمغز ہے اور پھر کچھ ہماری اپنی مجبوریاں ہیں۔ اگر ہلاکو خان مہرہ زور دے رہا ہے تو اس کی ایک وجہ ہے آپ آرام سے گھر جائیں"۔

"مسٹر ڈوگر ہمارے پورے خاندان کی بدنامی ہو رہی ہے۔ حکومتی ٹولے میں برسراقتدار رہ کر بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے ہیں"۔

"ہوتا ہے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے"۔ ڈوگر مسکرایا اور وجاہت علی بڑی سی بے بسی کے عالم میں رخصت ہو گئے۔

اور پھر زیبا کو عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ دو نئے چہرے تھے ایڈووکیٹ کی پرسنل درخواست پر زیبا کا بیان بند کمرے میں ہوا تھا اور زیبا نے وہ فائل جو دوران تفتیش ہلاکو خان نے تیار کی تھی۔ جج کے سپرد کی اور کہا یہ اس معطل ہونے والے انسپکٹر ہلاکو خان نے آپ کو دینے کے لئے کہا ہے جو میرے کیس پر کام کر رہا تھا"۔

زیبا کا بیان آن دی ریکارڈ آ جانے کے بعد ایڈووکیٹ کی اپنی ذمہ واری پر زیبا کو اس کے ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔ عدالت احاطے سے باہر چار سفید پوش انسانوں نے جو اسلحے سے لیس تھے زیبا کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ پجارو میں بیٹھے اور اڑن چھو ہو گئے۔ انسپکٹر وسیم راجہ اپنی تمام تر فورس کے ساتھ وہاں موجود تھا لیکن سچوئیشن دیکھ کر وہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ البتہ اس نے پولیس گاڑی میں پجارو کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ ایک سوک ہنڈا خود اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ پجارو شہر سے باہر نکل آئی تھی۔ تینوں گاڑیاں آگے پیچھے آگے بڑھتی جا رہی تھیں۔

"سر! عقب میں سوک ہنڈا ہے۔ چار آدمی اسلحہ لئے بیٹھے ہوئے ہیں ایسے لگتا ہے جیسے وہ پجارو کی حفاظت کر رہی ہو"۔ ڈرائیور نے سائیڈ شیشے سے دیکھ کر صورت حال سے وسیم راجہ کو باخبر کیا۔

"اسے راستہ دو ابھی چیک کر لیتے ہیں"۔ انسپکٹر بولا اور قدرے محتاط ہو گیا تھا۔ عقب سے آنے والی گاڑی کو جب راستہ دیا گیا تو وہ جیسے ہی برابر پہنچے تو اس میں ہلاکو خان اپنے آدمیوں کے ساتھ موجود تھا جو مشین گن سیدھی کرتے ہوئے بولا۔

"کیوں وسیم راجہ کیا ارادے ہیں؟"

"تمہیں مفرور قرار دے دیا گیا ہے ہلاکو خان خود کو پولیس کے حوالے کر دو"۔

ہلاکو خان کی گن چلی اور گولیوں کی ایک بوچھاڑ نے گاڑی کے چاروں آدمیوں کو بھون ڈالا۔ اور وہ بے قابو ہو کر ایک درخت سے جا ٹکرائی۔ ہلاکو خان بڑی تیزی سے باہر نکلا اور 1122 کے قریب پہنچ کر اس نے مرنے والوں کو چیک کیا جب اسے یقین ہو گیا تو واپس اپنی گاڑی میں آ بیٹھا اور برق رفتاری سے شہر سے باہر نکلتی چلی گئی۔

بعد دوپہر کے اخبارات نے اس حادثے پر قیاس آرائیاں کیں۔ وجاہت علی خبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑھ کر جیسے سکتے میں آ گئے ہوں ان کا رنگ زرد تھا۔ وہ لڑھکڑا کر باہر نکلے اور ان گاڑی ایس پی ڈوگر کے آفس تک جا پہنچی۔

"آپ کو وہ منحوس خبر مل گئی ہو گی"۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

"تشریف رکھیں اور جو کچھ کہنا ہے جلدی کہہ ڈالئے۔ آپ کو اس حادثے کی بہت لیٹ ملی ہے پولیس کا محکمہ دو گھنٹے قبل سے تفتیش کر رہا ہے"۔

"ہمارے بیٹے کا کیا ہو گا؟" وہ زرد چہرے کے درمیان بولے۔

"چار پولیس والے مار ڈالے گئے ہیں اور پولیس والوں کا مرڈر معمولی بات نہیں۔ ایک طوفان کا پیش خیمہ ہے سر وجاہت علی صاحب"۔

"ہم رقم دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہاں بالکل تیار ہیں۔ ہم کل صبح تک انتظام کر دیں گے"۔

"آپ اپنا مسئلہ خود حل کریں۔ پولیس کا اتنا بڑا آفیسر یہ لین دین نہیں کر سکتا براہ مہربانی مجھے جلدی ہے"۔

"مسٹر ڈوگر۔ تم ہوش میں ہو"۔ وجاہت علی ایک منسٹر ہونے کی وجہ سے اٹھے۔

شاید انہیں اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ ایک معمولی ایس پی کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔

"پلیز وجاہت علی صاحب! آپ ہماری مجبوری کو کیوں نہیں سمجھتے۔ ایک انسپکٹر ایک اے ایس آئی اور دو ملازم قتل کر دیئے گئے اوپر سے بہت سخت احکامات آ رہے ہیں اور مجھے آدھے گھنٹے بعد پریس کانفرنس سے خطاب بھی کرنا ہے اور اپنے بڑوں کو مطمئن بھی کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ آپ سے براہ راست رابطہ کریں گے انہوں نے اپنے مطالبے کے لئے آپ کو خوف زدہ کرنا تھا کہ وہ آپ کے بیٹے کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ اور آپ دیکھ لیں کہ آپ خوف زدہ ہو چکے ہیں۔ جائیے گھر جائیے اور ان لوگوں کے رابطے کا انتظار کیجئے"۔ "ہمیں ان سے کیا بات کرنا ہے"۔

"آپ جو بہتر سمجھتے ہیں کریں۔ پولیس اپنی کارروائی کرے گی۔ قانون سے

بالاتر نہیں۔ ہم سے جو کچھ ہو گا کریں گے"۔

اور تب وجاہت علی بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

رات نو بجے انہیں ایک فون ریسیو کرنا پڑا لیکن وہ ہلاکو خان نہیں تھا۔ لیکن بات ایک کروڑ کی ہوئی تھی۔ دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔

"کیوں مسٹر وجاہت۔ کل گیارہ بجے ایک کروڑ ادا کر رہے ہو"۔

"تم کون ہو؟"

"ضروری نہیں کہ تمہاری بات کا جواب دیا جائے۔ رقم دے رہے ہو یا نہیں۔"

"کہاں چاہیے؟"

"اپنے بیٹے حسن کو دے دینا ہم اس سے وصول کر لیں گے"۔

"ہمارا بیٹا کہاں ہے؟"

"صبح گیارہ بجے سے پہلے ہسپتال میں اپنے بیڈ پر موجود ہو گا"۔

"یہ رقم ہم زیبا انوار کے کیس کو ختم کرنے کے عوض دے رہے ہیں"۔

"بالکل درست' کل صبح گیارہ بجے"۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا اور وجاہت علی نے ایک گہری اور سکون کی سانس لی تھی۔ اگر انہیں علم ہوتا کہ اس کا واسطہ ایک پاگل انسان سے پڑنے والا ہے تو شاید بیٹے کے گرفتار ہونے اور اپاہج ہونے سے پہلے ہی بندوبست کر لیتے۔ لیکن انہونی کو کس نے دیکھا ہے۔ لیکن صبح کے اخبارات نے انہیں پریشان کر دیا جب انہوں نے ایس پی نواز ڈوگر کا پریس بیان پڑھا جس میں ان کے چار پولیس والوں کے مرنے کا تعلق مفرور قاتل جہانگیری اور راجہ سے تھا۔ ایک سینئر ذرائع کے مطابق پولیس کو اطلاع ملی کہ دونوں مفرور قاتل حویلی سرداراں میں موجود ہیں۔ لیکن پولیس حویلی سرداراں کے راستے میں تھی کہ دونوں اور قاتلوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ پولیس مقابلے میں گو وہ دونوں بری طرح زخمی ہو گئے تھے لیکن انسپکٹر وسیم راجہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ان کی مشین گنوں کی برسٹ سے نہ بچا سکے اور شہید ہو گئے۔ پولیس ان دونوں زخمی قاتلوں کی تلاش میں ہے جو امید ہے بارہ گھنٹے کے اندر اندر گرفتار کر لئے جائیں گے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ سب کیا ہے؟" وجاہت علی دریائے حیرت میں غوطہ زن تھے۔

ہلاکو خان کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ انہوں نے بڑی تیزی سے ڈوگر کے نمبر لا۔ اور یہ نمبر موبائل کا تھا۔

"مسٹر ایس پی ہم نے کچھ دیر قبل پریس بیان پڑھا ہے۔ یہ سب کیا ہے کیس میں جہانگیری اور راجہ کہاں سے آ گئے"۔

"ان کو ہلاکو خان نے استعمال کیا تھا"۔

"لیکن وہ تو تین سال قبل پولیس مقابلے میں مارے جا چکے ہیں"۔

"ہم نے پھر سے پیدا کر لئے ہیں۔ اب دوبارہ پکڑ کر مار ڈالیں گے"۔

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟"

"جناب منسٹر صاحب دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں ان مصرف نہیں ہوتا لہٰذا انہیں پکڑ کر کسی نہ کسی قاتل مفرور دہشت گرد کا نام دے ڈالتے ہیں فائل کا پیٹ بھی بھرنا ہوتا ہے اور اوپر والوں کو بھی مطمئن کرنا ہو کیونکہ یہی سسٹم ہے جو ہر دور حکومت میں رائج رہا ہے"۔

"وجاہت علی نے گھبرا کر فون کر بند کر دیا۔ ان کے چہرے پر پسینے کے چمک اٹھے تھے۔ انہوں نے ناشتے کے بعد بینک جانا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی جا تھی۔ پھر انہوں نے رقم کا انتظام کیا اور سوا دس بجے ہی ہسپتال جا پہنچے اور حیرت بات یہ ہوئی کہ حسن اپنے بیڈ پر موجود تھا اس کے بازو اور ٹانگوں پر پلستر موجود

"ڈیڈ یہ سب کیا ہو رہا ہے"۔ حسن جیسے رو پڑا ہو؟

"الو کے پٹھے یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ اگر اس حرامزادی کو جان ڈالتے تو اتنے بڑے عذاب میں نہ پڑتے۔ یہ بریف کیس رکھو اس میں پورا ایک روپیہ ہے وہ الو کے پٹھے تم سے یہ رقم لے جائیں گے"۔

"یہاں آ کر یعنی کہ مجھ سے اور آپ اتنے بے بس ہیں کہ ان پر ہاتھ نہیں سکتے"۔ حسن حیرت سے بولا۔

"تم ہسپتال کب پہنچے۔ میرا مطلب ہے پہنچائے گئے؟"

"رات کو دو بجے اچھے لوگ تھے کھلایا پلایا اور کوئی تکلیف نہیں ہونے دی"۔

"ہم یہیں پر کہیں قریب ہی رہیں گے ضرورت محسوس کی تو آ جائیں گے۔ اوکے"۔ اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گئے۔ پھر انہوں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے حسن کے کمرے میں آنے جانے والے پر نظر رکھی جا سکے۔ وقت گزرتا رہا اور وہ انتظار کرتے رہے۔ ایک ڈاکٹر افتخار حسن کے کمرے میں گئے اور ان کے جانے کے دس منٹ بعد ایک سٹاف حسن کے کمرے میں گئی تھی جو آٹھ دس منٹ بعد باہر نکلی تھی۔ اور وقت گزرتے گزرتے سوا گیارہ تک آ گیا تھا۔ وجاہت علی کو الجھن ہونے لگی تھی۔ مقررہ وقت گیارہ بجے تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور آہستہ آہستہ ن کے کمرے میں آئے اور بریف کیس کو اپنی جگہ پر پا کر بولے۔

"سب خیریت ہے رقم لینے کوئی نہیں آیا کیا؟"

"نہیں ڈیڈ رقم تو ڈاکٹر افتخار لے گئے ہیں۔ اس وقت جب آپ باہر نکلے تھے"۔ ن جلدی سے بولا۔

"ڈاکٹر افتخار؟" وہ بڑبڑائے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر بعد انہیں ڈاکٹر افتخار اپنے آفس میں مل گئے جو آنکھیں بند کئے اپنی کرسی پر بیٹھے گہری گہری سانسیں رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر انہوں نے آنکھیں کھول کر وجاہت علی کی طرف ا اور ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"آپ سر"۔

"تشریف رکھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں تو کون تھا وہ؟"

"سر ایک عجیب سرپھرا انسان تھا۔ کہنے لگا ہماری امانت حسن کے پرائیویٹ روم موجود ہے لہٰذا حسن سے کہئے کہ رقم دے دیں۔ اس کے ہاتھ میں بم تھا۔ کہہ رہا واپسی آرام سے اور جلدی ہو اور میری نشاندہی نہیں کرنا کہ میں کہاں ہوں ورنہ ہسپتال اس بم سے اڑا دوں گا۔ سر مجھے تو ابھی تک چکر آ رہے ہیں"۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمارا بیٹا پولیس کسٹڈی میں ہے لیکن پولیس کا ایک آدمی بھی آ رہا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حسن صاحب کے اغوا کے بعد پولیس والے واپس لوٹ گئے تھے۔ میں انہیں پھر سے اطلاع کر دیتا ہوں"۔

"اس بات کی ضرورت نہیں۔ آنا ہو گا تو خود ہی آ جائیں گے"۔ اتنا کہہ وجاہت علی باہر نکل گئے۔ انہیں اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ لعنت ایسی منسٹری پر ا دولت مند ہونے پر ایک آدمی نے انہیں نچا کر رکھ دیا تھا۔

خان آفریدی ایک جابر قسم کے انسان تھے زمینوں کی لمبائی چوڑائی کا حساب تک نہیں تھا۔ ایسے جاگیردار قسم کے انسان تھے کہ اپنی دولت کے بل بوتے پر بیٹے اکبر آفریدی کو پارٹی سے ٹکٹ لے کر الیکشن جتوا دیا۔ اور ان کا بیٹا اسمبلی میں جا بیٹھا تھا۔ جاگیردار تو پھر جاگیردار ہی ہوتا ہے۔ حاکمانہ طبیعت۔ ایسے لوگوں کو حکم دینا ہی آتا تھا۔ وہ پشتی جاگیردار تھے اور پھر ہر آنے والے برسراقتدار ٹولے سے ان کی ہمدردیاں ہمیشہ واضح ہوتی تھیں۔ اس بار جب اکبر آفریدی ندی پور آیا تو خان آفریدی اس پر برس پڑے۔

"نالائق ہو ایک دم۔ تمہیں کہا تھا کہ پچاس کروڑ روپے کا قرضہ منظور کروا لینا"۔

"لیکن بابا جانی ہم نے قرضے کی رقم کا کیا کرنا ہے۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے"۔

"ہم خود الیکشن لڑ لیتے تو بہتر تھا۔ ابے نالائق جو قرضے لیتے ہیں کیا ان کے پاس خدا کا دیا کچھ نہیں ہوتا۔ سب کچھ ہوتا ہے۔ پھر بھی قرضے لیتے ہیں اور قرض اس لئے لیا جاتا ہے کہ انہیں واپس لوٹانا نہیں ہوتا۔ بس کسی ملز کے لئے قرضہ منظور کروایا بعد میں اسے دیوالیہ قرار دے کر قرضہ ہڑپ کر لیا۔ ارے عقل کے اندھے جمہوریت کا تو یہ قاعدہ ہے کہ قرضے لو اور بینک لوٹو۔ قرضوں کو ری شیڈول کراؤ۔ مفت کا پیسہ کاٹتے کیوں"۔

"ٹھیک ہے بابا جانی! اپنی زمین پر شوگر ملز تیار کرواتا ہوں۔ اس بار کچھ کر دکھاؤں گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھو اکبر بیٹا! یہ حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں کسی حکومت نے بھی آج تک اپنی مدت پوری نہیں کی۔ جب سب لوٹ رہے ہیں تو ہم لوگوں کو کس بیر فقیر نے کہہ رکھا ہے کہ ملکی دولت میں حصہ دار نہ بنا"۔

تب اکبر آفریدی مونچھوں کو بل دے کر مسکرایا اور بولا۔

"بات عقل میں آتی ہے بابا جانی۔ ایسا ہی ہو گا۔ جیسے آپ چاہتے ہیں"۔ اور خان آفریدی بھی مسکرا پڑا اور بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"عقل مند انسان وہی ہے جو وقت سے فائدہ اٹھائے۔ جاؤ اب آرام کرو۔ سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو"۔

اور اکبر آفریدی حویلی کے اس حصے کی طرف نکل آیا جہاں اس کی اپنی دنیا تھی۔ ایک ایسی دنیا جو اس کے لئے خوش کن اور مسرور تھی۔ جیراں حویلی کی ملازمہ تھی۔ کبھی کبھار ماں کی جگہ گھر کی صفائی کے لئے آ جایا کرتی تھی۔ اکبر آفریدی نے جب اسے دیکھا تو مسکرا پڑا کیونکہ اسے اچھی لگتی تھی۔ جب اپنی ماں بشیراں کی جگہ کام کرنے حویلی آتی تو پوری حویلی میں چوکڑیاں بھرتی نظر آتی تھی پوری حویلی کو آئینے کی مانند چمکا ڈالتی تھی اور یہی بات حویلی والوں کو پسند تھی۔ اور وہ اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ ڈھیروں کپڑے لتے دے ڈالتے تھے گو وہ اترنیں ہوا کرتی تھیں لیکن وہ اترنیں جاندار اور قیمتی ہوتی تھیں اکبر آفریدی کو وہ بیڈ روم کی صفائی کرتی نظر آئی۔ وہ اکبر آفریدی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس نے بیڈ پر رکھی سر کی چادر کو جلدی سے اٹھایا اور سر اور سینہ ڈھانپ کر بولی۔

"سلام سرکار! بڑے سرکار نے بلا بھیجا تھا کہ چھوٹے سرکار آ رہے ہیں۔ ماں کی کالی کھانسی نہیں چھوڑتی۔ آج کل کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے"۔

اکبر آفریدی نے اپنی بھاری بھرکم مونچھوں پر تاؤ دیا اور مسکرا کر بولا۔

"تمہیں حویلی میں دیکھ کر بہت خوشی ہے اور پھر ہم تمہیں پسند بھی بہت کرتے ہیں۔ کیا خوبصورت قد ہے تمہارا جیسے سرو کا بوٹا۔ گال دیکھو تو جیسے گلاب کھل رہے ہوں۔ اگر تمہاری آنکھیں دیکھیں تو ہرنی لگتی ہو۔ ہاں جیراں تم ہمیں بہت پسند ہو"۔

جیراں نے چادر کو مزید سینے پر پھیلا لیا اور تیکھی آواز میں بولی۔

"سرکار قد بڑا ہو تو چھوٹے دروازے سے نہیں گزرا کرتا۔ انسان کی اپنی شان گنتی ہے اور پھر نصیبو کا کیا ہوا تھا۔ اس کے تو نصیب ہی پھوٹ گئے تھے حویلی کے آدمیوں نے اسے ننگا کر کے کھیتوں میں دوڑایا تھا۔ نہیں سرکار شے پسند ہو تو اسے عزت دیتے ہیں من میں رکھ لیتے ہیں۔ اسے بے آبرو نہیں کرتے"۔

"واہ۔ شاندار۔ باتیں بہت خوبصورت کرتی ہو۔ ویسے جیراں قصور نصیبو کا تھا"۔

"ادھر چھوٹے کا دماغ ہر وقت گرم رہتا تھا محبت سے اس کا دل خوش کر دیتی تو ہاں رسوا نہ ہوتی۔ اچھا ہوا چھوٹا لندن پڑھنے چلا گیا۔ لیکن تو فکر کیوں کرتی ہے ہم تمہیں دل کی ملکہ بنائیں گے۔ اپنے دل میں چھپا کر رکھیں گے"۔

"نہ سرکار نہ۔ وہ محاورہ نہیں سنا آپ نے کہ جھونپڑے کے دیئے کو اگر کسی محل میں جلا دیا جائے تو غریب اپنی روشنی بھی کھو دیتا ہے"۔

"واہ۔ شاندار۔ زبردست۔ کتنا پڑھ لکھ گئی ہو تم ہر دفعہ اپنی باتوں سے حیران کر دیتی ہو"۔

"ندی پور میں سکول ہی آٹھ جماعتوں کا ہے ورنہ میں دس پڑھ لیتی اگر منسٹر نہ ہوتی تو چپڑاسی بن جاتی"۔

"واہ.... شاندار.... اب تم ہماری مسٹری پر طنز کر رہی ہو"۔

"نہیں سرکار۔ خدا نہ کرے۔ میرے منہ میں خاک۔ میں نے تو اپنے آپ کو سمجھایا ہے کہ اگر ندی پور میں ہائی سکول یا کالج ہوتا تو کہیں ٹیچر لگ جاتی اور بچوں کو پڑھا رہی ہوتی"۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے"۔

"نہیں تو۔ ایسے شاندار جوڑے پہنتی ہوں کہ پورا ندی پور حیران پریشان ہے۔ میں تو بڑے فخر سے کہہ دیتی ہوں کہ حویلی والوں نے دیئے ہیں"۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ آج دل چاہتا ہے کہ تمہیں بانہوں میں لے کر پیار کروں"۔ اکبر مسکرا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جوانی سب پر آتی ہے سرکار۔ لیکن بدنامی کے پاؤں غریب کی چوکھٹ تک آتے ہیں۔ آپ اپنے برابر والوں سے پیار کی باتیں کیا کریں"۔

"اگر ہم نے آج زبردستی تم سے پیار کر لیا تو پھر کیا کرو گی؟"

"آپ نے ندی پور کا بڑا کنواں تو ضرور دیکھا ہو گا سرکار"۔

"ہاں دیکھ تو رکھا ہے۔ پھر؟"

"سیدھا ادھر جاؤں گی اور اس کے اندر کود کر جان دے دوں گی۔ کیونکہ نہیں چاہتی کہ تعفیو کی مانند منہ چھپا کر جیوؤں"۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو جیراں۔ تمہاری مت ماری گئی ہے کیا؟ جو الٹ شلٹ بک رہی ہو"۔

"سچ سرکار میں عزت کی زندگی جینا چاہتی ہوں"۔

"ہم تمہیں عزت ہی تو دینا چاہتے ہیں"۔

"میں اب جاؤں گی سرکار۔ کام تو ختم ہو گیا۔ ذرا لگے ہاتھوں بڑے سرکار کو دوں کہ فارغ ہو کر گھر لوٹ رہی ہوں"۔

"تو تمہیں ہماری عاجزی پسند نہیں"۔ اکبر آفریدی کے اس بار تیور کچھ اچھے نہیں تھے۔

"سرکار آپ بڑے لوگ ہیں۔ بڑی باتیں کیا کریں۔ آپ کے منہ سے ایسی باتیں کچھ اچھی نہیں لگتیں"۔

"ہم تمہیں پسند کرتے ہیں اور یہ بات تمہاری کھوپڑی میں کیوں نہیں آ رہی"

"میرے سر کی چادر بہت چھوٹی ہے سرکار۔ اگر اوڑھنا چاہوں گی تو پاؤں ننگے ہو جائیں گے اور میں اپنے پاؤں جلانا نہیں چاہتی اور نہ ہی کڑی دھوپ کا سفر کرنا چاہتی ہوں۔ اب میں چلتی ہوں"۔

اور اکبر آفریدی مسکرا پڑا اور بولا۔

"واہ... شاندار... ہم سے ذرا بھر بھی ڈر نہیں لگتا"۔

"ڈر کیسا سرکار۔ حویلی والوں نے بہت عزت دے رکھی ہے اور پھر مجھے

معلوم ہے کہ عزت دینے والے عزتوں کے رکھوالے تو ہو سکتے ہیں سوداگر نہیں"۔

"تم باتیں بہت اچھی کرتی ہو اور یہی باتیں تمہارا بیڑا غرق کر دیں گی۔ بہرکیف ایسا کرنا کہ کل دوپہر آ جانے شہر سے کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ ہمارا ہاتھ بٹا دینا۔ انھی بہت تھکے ہوئے آئے ہیں۔ آرام کریں گے اور محبت کی باتیں پھر کسی فارغ وقت کریں گے"۔

جیراں ایک دم پلٹ گئی جیسے ہی دروازے سے نکلنے لگی۔ اکبر بول پڑا۔

"کل دو بجے یاد رکھنا"۔

اور جیراں اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ خان آفریدی کے سامنے کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"سرکار! جب تک چھوٹے سرکار حویلی میں رہیں گے میں چھٹی پر رہوں گی"۔

"کیا بکتی ہو؟" خان آفریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"چھوٹے سرکار بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ زبردستی...."

اور جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"کیا زبردستی؟ بات پوری کرو"۔ خان آفریدی اس کی طرف مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔

اور جیراں جو سر جھکائے کھڑی تھی بڑے نپے تلے الفاظ میں بولی۔

"وہ کہتے ہیں کہ مجھے پسند کرتے ہیں اور مجھ سے پیار کرنے کو کہہ رہے تھے"۔

"بے وقوف گدھی ہو ایک دم۔ اگر وہ تمہیں عزت دینا چاہتے ہیں تو اسے اپنی خوش بختی کیوں نہیں سمجھتیں"۔

"آپ کیا فرما رہے ہیں سرکار؟" جیراں کو ایک بہت ہی شدید قسم کے ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ اور چونچ بند رکھو۔ ورنہ ذبح کر ڈالیں گے"۔

جیراں نے بڑی عجیب سی نظروں سے اپنے سرکار کی طرف دیکھا اور سر جھکائے چلی گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ حویلی سے باہر نکلتے وقت اس کی ٹانگیں کانپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھیں۔ اسے تو بڑا مان تھا کہ بڑے سرکار اس کی بات سن کر اسے پیار کریں۔ اور اپنے بیٹے کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اسے بیٹی کہہ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ گے۔ لیکن انہوں نے الٹا اسے ڈانٹ دیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے وہ مزید زرد ہو گئی تھی۔ ا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حویلی کو کیسے چھوڑے۔ اسے اختر خان بہت یاد آ رہا جو اس کا مشکیز تھا اور شہر پڑھنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ اور اختر اس کا مشکیز ہی نہیں تو اس کا محبوب بھی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ وہ پولیس انسپکٹر بنے گا اور مستقل نندی پور ہی تبادلہ کروائے گا۔ اس وقت وہ پولیس ٹریننگ پر تھا۔ جی دار' بہادر' نڈر۔ وہ کہا کرتا کہ نندی پور کا جاگیردارانہ نظام بڑا فرسودہ ہے اسے حویلی میں کام نہیں کرنا چاہیے لیکن جیراں اسے کہا کرتی تھی۔ ارے نہیں اختر خان حویلی والے بہت اچھے ہیں بیٹیوں کی مانند عزت دیتے ہیں۔ پیسے' کپڑے سب کچھ تو دیتے ہیں۔ چھوٹی سی جب میں ماں کے ساتھ وہاں کام کرنے جایا کرتی تھی۔ اور حویلی والوں کے ہاتھوں جوان ہو گئی ہوں۔ سچ پوچھو تو اختر خان میں تو حویلی والوں کی دوسری بیٹی ہوں۔ ان بیٹی نازو کی مانند اور تب اختر خان ہنس پڑا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا۔

"تو تو پگلی ہے۔ آٹھ جماعتیں کیا پڑھ گئی ہے۔ اپنے آپ کو بقراط سمجھنے ہے۔

اور وہ ہنس پڑا کرتی تھی اور اب اسے اختر خان یاد آ رہا تھا۔ وہ ہوتا تو وہ سے مشورہ کرتی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ حویلی جائے یا گھر بیٹھ جائے۔ بہت بڑی ا میں پڑ گئی تھی۔ اسے خوف آنے لگا تھا۔ اسے اپنا آپ ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ آ والے لمحات کچھ اچھے نہیں تھے۔ اسے نصیبو کا حال معلوم تھا۔ لیکن نصیبو تو غریب لڑکی تھی۔ نصیبو اور اس کا کیا جوڑ؟ حویلی والوں نے تو اسے خود پرورش کیا دیکھا جائے تو وہ اپنے آپ کو حویلی والوں کی بیٹی سمجھتی تھی۔ لیکن اس کے تمام خوا بکھر گئے تھے اس کا سانس سینے میں رک رک کر آ رہا تھا۔ رات کاٹنا اس کے مشکل ہو گئی تھی۔ ہزار قسم کے اندیشوں' وسوسوں نے اسے ڈنگ مارے تھے۔ چھو سرکار ایک سانپ کی مانند پھن اٹھائے ہوئے تھے وہ جان گئی تھی کہ چھوٹے

جب اسے دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی۔ رات بیت گئی اور گزرنے والی رات اس نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ اس کی ماں بشیراں رات بھر کھانستی رہی تھی اور وہ ایک بجے ہی تن بہ تقدیر حویلی کی جانب چل پڑی تھی۔ جب وہ حویلی پہنچی تو دیوان خانے سے اسے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں تھیں۔ شاید مہمان آئے تھے۔ جن کا ذکر کل چھوٹے سرکار نے کیا تھا۔

"اے ادھر آؤ"۔ اسے چھوٹے سرکار کی آواز سنائی دی اور وہ تھم سی گئی۔

"میرے برابر والے بیڈ روم میں ایک خاتون ٹھہری ہوئی ہے۔ اسے کچھ کھانے پینے کا پوچھ لو۔ جاؤ شاباش۔ جلدی اور سنو! میں ادھر دیوان خاص میں ہوں ضرورت پڑی تو آ جانا۔ بہن نازو شہر گئی ہوئی ہیں"۔

اور تب جیراں خاموشی سے چھوٹے سرکار کے برابر والے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی جب وہ اندر داخل ہوئی تو اسے بیڈ پر خوبصورت کی لڑکی لیٹی کچھ پڑھتی نظر آئی۔ یہ زیبا انوار تھی جو جیراں کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آؤ۔ رک کیں گئیں۔ جیراں ہو نا۔ تمہارے چھوٹے سرکار نے بتایا تھا کہ تم آنے والی ہو۔ آؤ ادھر میرے قریب آؤ"۔

اور جیراں اس قدر اپنائیت پا کر بیڈ کے قریب چلی آئی اور بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ تم تو بہت خوبصورت ہو۔ کچھ پڑھی لکھی بھی ہو کہ نہیں۔

"پوری آٹھ جماعتیں"۔ وہ بڑی مشکل سے مسکرائی۔ نجانے اسے یہ لڑکی کیوں اس قدر اچھی لگی تھی۔ بلکہ دل میں اتر گئی تھی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام زیبا انوار ہے۔ انوار میرے والد صاحب کا نام ہے"۔

"آپ خود بہت خوبصورت ہیں۔ کتنے دن رہیں گی آپ یہاں"۔

"مستقل رہنے کا پروگرام ہے"۔

"کیا چھوٹے سرکار کو پسند کرتی ہیں آپ"۔

"ارے نہیں۔ میں نے یہاں کی کچھ زمین خرید لی ہے۔ کھیتی باڑی کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے دیہاتوں میں رہنے کا بچپن سے شوق تھا۔ لہٰذا اس لئے یہاں آئی ہوں"۔

"شہر چھوڑ کر۔ لوگ تو دیہات چھوڑ کر شہر رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں"۔

"شہر میں آلودگی بہت ہے"۔ زیبا انوار مسکرا کر بولی۔

"میں سمجھی تھی کہ شاید چھوٹے سرکار آپ کو پسند کر کے حویلی میں لائے ہیں"

"تم چھوٹے سرکار کو پسند کرتی ہو"۔

"نہیں میں اب حویلی کے کسی فرد کو پسند نہیں کرتی۔ کل تک سب کو پسند کر تھی لیکن اب نہیں"۔

"ارے کیوں۔ کیا ہوا؟"

"یہ بددیانت لوگ ہیں۔ عزتوں کے شیشوں کو یوں توڑتے ہیں جیسے وہ بھی ا کی جاگیر کی ملکیت رہے ہوں"۔

"بہت تلخ ہو رہی ہو۔ کچھ بتاؤ مجھے"۔ زیبا انوار سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

اور تب جیراں نے زیبا انوار کے کان میں کوئی باریک بات کہہ دی اور چونک پڑی اس نے بڑے غیر یقینی انداز میں جیراں کی طرف دیکھا۔

"جھوٹ نہیں بولتی۔ بڑے سرکار نے یہی کہا تھا"۔ جیراں اپنے الفاظ پر زو دے کر بولی۔

"ٹھیک ہے تم گھبراؤ مت میں ہوں نا۔ اور....."

"ارے بھئی جیراں ہم اندر آ رہے ہیں"۔ پہلے اکبر آفریدی کی آواز ابھری وہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ جیراں ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے تم بیٹھو جیراں کھڑی کیوں ہو گئیں"۔ زیبا نے جیراں کا ہاتھ پکڑ کر سے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"ہاں زیبا جی۔ جیراں کیسی لگی؟ دراصل نازو بہن دو چار دنوں کے لئے اپ ماموں کے پاس شہر گئی ہوئی ہے ورنہ وہ آپ کی خدمت کرتی"۔

"یہ جیراں بہت پسند آئی ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو اسے میرے سپرد کر دیں یہ مجھے بور نہیں ہونے دے گی"۔

"ہم بھی آپ کے۔ جیراں بھی آپ کی۔ چار بچے زمینوں پر چلیں گے۔ وہ اپنی اپنی ہیں۔ میں نے ڈیڈ سے بات کر لی ہے گو کہ ہم زمین' بیچا نہیں خریدا کرتے ہیں بہرکیف آپ کے لئے شاید بہت کچھ قربان کرنا پڑ جائے۔ اور ہاں! کسی چیز کی ضرورت ہو تو جیراں سے کہہ دیجئے گا اور پھر آپ لوگوں نے بہت زیادتی بھی بہت کی کہ کھانا شہر سے پیک کروا لائے"۔

"رات کو کھالیں گے۔ یہیں رہنا ہے"۔ زیبا سنجیدگی سے بولی پھر مزید بولی۔

"مجھے خان صاحب سے کچھ ضروری بات کرنا ہے"۔

"تو آپ آ جائیں وہ دیوان خاص میں ہیں"۔

"آپ انہیں ادھر بھیج دیں۔ آپ کو زحمت ہو گی"۔

"ہاں کیوں نہیں۔ میں آپ کا پیغام دے دیتا ہوں"۔ اتنا کہہ کر اکبر آفریدی باہر نکل گیا۔

"یہ خان صاحب کون ہیں؟" جیراں بولی۔

"ہیں تو پولیس آفیسر۔ لیکن مجھے بیٹی کہتے ہیں اور انہوں نے باپ بن کر بھی دکھا

"کیا دنیا میں ایسے لوگ ہیں؟"

"جہاں برے لوگ ہوتے ہیں وہاں اچھے بھی ہوتے ہیں۔ ویسے جیراں اب ں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم مستقل میرے پاس رہو گی۔ میں نے تمہارے ا ے تمہیں مانگ لیا ہے"۔

جیراں کچھ نہ بولی تھی۔ البتہ اس نے شکورانہ انداز میں زیبا کی طرف دیکھا تھا۔ ا ل لمحے ہاکو خان اندر داخل ہوا۔

"خیریت۔ اکبر آفریدی کہہ رہے تھے کہ تم نے کچھ اہم بات کرنا ہے"۔

"جیراں تم کچھ دیر کے لئے باہر جاؤ"۔

"جی بہتر باجی"۔ جیراں ادب سے بولی اور بیڈ روم سے باہر نکل گئی۔

"آپ بیٹھیں خان صاحب"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ہلاکو خان صوفے پر بیٹھ گیا تب زیبا انوار بولی۔

"یہ لوگ جاگیردارانہ اور پرانے فرسودہ نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان یہاں کے رہنے والوں کی عزتیں محفوظ نہیں"۔ اتنا کہہ کر اس نے جیراں کا واقعہ ہا خان کو سنا ڈالا۔

"اس ملک کا یہی سسٹم ہے۔ لیکن تمہارا معاملہ کچھ اور ہے اور پھر یہ آ آفریدی' ہلاکو خان کو بہت بہتر طور پر جانتے ہیں اور اس کے باوجود بھی انہیں مزید دوں گا۔ کیا بولا۔ اچھی طرح۔ بہت اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ اور وہ میری زبان کو ہے اور اس پٹھان کی کھوپڑی کو بھی سمجھتا ہے"۔

"بہرکیف میں نے یہاں تو رہنا نہیں یہاں اپنا گھر خریدوں گی اسے بناؤں سنواروں گی"۔

"اور کچھ کہنا ہے؟"

"نہیں"۔

"پھر گھبراؤ مت۔ ہم بھی تو ادھر ہے تمہارے ساتھ رہے گا۔ کیا بولا۔ تمہارا ساتھ۔ ایک دم ساتھ"۔

"میں مطمئن ہوں۔ آپ اکبر آفریدی کو جیران کے بارے میں بتا دیں"۔

اور ہلاکو خان پر تفکر انداز میں سر کو حرکت دیتا ہوا باہر نکل گیا اور اسی لمحے جج اندر چلی آئی۔

"آ جاؤ جیراں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"خدا کرے۔ لیکن میں مطمئن نہیں ہوں"۔

"تم میرے ساتھ اور میرے پاس مستقل رہو گی۔ بات کر لی ہے میں نے یہاں اپنا گھر لوں گی"۔

جیراں نے ایک گہری سانس لی اور زیبا کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

اور پھر چار بجے خان آفریدی' اکبر آفریدی' ہلاکو خان اور زیبا انوار ایک میں اور چار افراد دوسری میں جو ہلاکو خان کے آدمی تھے۔ زمین دیکھنے جا رہے

زمین دیکھی گئی۔ حدود بندی نشانات لگائے گئے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی گئی۔ دس مرلع زمین کی مالک زیبا انوار بن گئی تھی۔ کاغذات تیار تھے دوسرے دن کورٹ سے زمین کا انتقال ہونا تھا اور وہیں لین دین ہونا تھا اور یہ کام صرف خان آفریدی کے ذمے تھا۔ وہ لوگ واپس لوٹ آئے تھے۔ حویلی کی ملازمہ اور جیراں نے مل کر رات کا کھانا تیار کیا تھا۔ پھر رات کو آٹھ بجے سب نے ساتھ مل کر ایک ٹیبل پر کھانا کھایا تھا۔ اور جیراں کو زیبا انوار کے کہنے پر ہلاکو خان کا آدمی گھر چھوڑنے گیا تھا۔ جس پر خان آفریدی نے چونک کر ہلاکو خان کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے خان صاحب! یہ بات کیوں ہمارے گھر کی ملازمہ کو تمہارا آدمی چھوڑنے گیا ہے"۔

"اوہ! یہ بات نہیں۔ زیبا بیٹی نے کہا تھا کہ وہ کھانا پکانے کی وجہ سے بہت لیٹ ہو چکی ہے اندھیرا زیادہ ہے تو ایک جوان لڑکی کا یوں تنہا جانا کچھ اچھی بات نہیں۔ کیا بولا۔ اچھی بات نہیں"۔

"وہ حویلی کی ملازمہ ہے خان صاحب کس حرامزادے کی شامت آئی ہے جو اس کی طرف میلی نظر سے دیکھ جائے"۔

"ہم بولا کہ زیبا بیٹی کا خواہش تھا"۔

"ڈیڈ ختم کریں۔ ان کی زیبا بیٹی نے جیراں کو اپنے لئے مانگ لیا ہے اور ہم انہیں دے چکے"۔ اکبر مسکرا کر بولا۔ جس پر ہلاکو خان مسکرا پڑا تھا۔ پھر دوسرے دن انتقالات کی منتقلی کا فرض ادا کیا گیا اور ایک خوبصورت گھر جو تین کمروں پر مشتمل تھا زیبا انوار نے خرید لیا۔ دو کنال کا گھر تھا۔ زیبا نے مزید دو کمرے بنوانے کا پروگرام بنا لیا اور اکبر آفریدی نے عمارت کی مزید تعمیر کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ اس وقت تک زیبا انوار کو اس نے آفر دی کہ گھر مکمل تیار ہونے تک حویلی میں قیام کریں گی۔ باقی افراد رہے گئے مکان میں رہائش پذیر ہوں گے اور اکبر آفریدی کی یہ درخواست زیبا انوار نے قبول کر لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل شاہنواز پریشانی کی حالت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے اور بیگم شاہ بڑی سنگین خاموشی سے انہیں ٹہلتے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک وہ رکے اور بیوی کی طرف دیکھ کر بولے۔

"وہ واپس کیوں جانا چاہتی ہے؟"

"اس کا یہاں دم گھٹتا ہے"۔

"اور ایسا کیوں ہوا؟" کرنل شاہ بیوی کو گھور کر بولے۔

"اگر وہ واپس جانا چاہتی ہے تو اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے وہ اپنوں سے جانا چاہتی ہو گی۔ یہاں اس کا کون ہے اور پھر دنیا میں ہر روز اس قسم کے حادثے ہوتے رہتے ہیں اور حادثہ کا شکار ہونے والیاں گھر تو نہیں چھوڑ دیتیں"۔

"ہم نے انیلا کی بقیہ زندگی کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اسے بیٹی بنا کر گھر لائے تھے اب اس کی واپسی کیا معنی رکھتی ہے۔ نہیں بیگم کچھ گڑبڑ ہے۔ اسے بلایئے ہم خود بات کریں ہیں"۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں جاتی ہے تو جانے دیجئے کبھی جانے والے بھی کرتے ہیں"۔

"اسے بلوایئے"۔ کرنل شاہ کا لہجہ کچھ اچھا نہیں تھا' جس پر بیگم شاہ اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ انیلا کے کمرے میں موجود اسے مربیانہ انداز میں مخاطب کئے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"میں نے بیٹی تمہارا پیغام کرنل صاحب کو دیا۔ انہیں یقین نہیں آیا پریشان

اس نے بہتر یہ ہے کہ جاؤ کہہ دو کہ تمہیں اپنوں میں جانا ہے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ وہ کوئی غلط بات نہ پوچھیں اور ویسے بھی بیٹی اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے ہم لوگ کتنا بھی کچھ کر لیں لیکن اجنبیت تو برقرار رہتی ہے"۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ لوگوں نے بہت محبت دی۔ ایسی اپنائیت تو اپنے گھر میں بھی نہیں ملی۔ اب یہ میری بدنصیبی ہے کہ میرا واقعی یہاں دم گھٹتا ہے"۔

"تو پھر کرنل صاحب کو مطمئن کر دو۔ وہ تمہارے اچانک فیصلے سے پریشان ہیں"۔ بیگم شاہ مسکرا کر بولیں۔

"آپ فکر مند کیوں ہوتی ہیں جیسا آپ پسند کریں گی ویسا ہی ہو گا"۔ نجانے کیوں پہلی بار انیلا مسکرائی تھی اور بیگم شاہ چونک پڑیں تھیں۔

"آیئے چلتے ہیں"۔ انیلا دروازے کی طرف بڑھی پھر اچانک رکی اور بولی۔

"آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ سونیا اور حق نواز صاحب کو بھی بلوا لیں"۔

"کیوں انہیں کیوں؟" بیگم شاہ دوسری بار چونکیں۔

"میں ان سے الوداع ہونا چاہتی ہوں ان کی محبتوں چاہتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ یہ شاید میری آخری خواہش ہے"۔

"تم چلو میں آ رہی ہوں"۔ بیگم شاہ مسکرا پڑیں اور انیلا ہلکے پھلکے قدموں سے کرنل شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گی۔ جب وہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو کرنل شاہ کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔

"آؤ بیٹی آؤ۔ ادھر صوفے پر بیٹھ جاؤ"۔

"پہلے آپ تشریف رکھیں۔ گنہگار نہیں ہونا چاہتی"۔

"جیتی رہو۔ خدا خوشیوں سے دامن بھرے"۔ وہ بے حد سنجیدہ تھے اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ تب انیلا بھی ادب سے بیٹھ گئی۔ اچانک بیگم شاہ اندر داخل ہوئی تھیں ان کے عقب میں سونیا اور حق نواز بھی تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بچوں کی موجودگی کا کیا مطلب ہے؟" کرنل شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"انیلا کی خواہش تھی۔ تم بچوں! ادھر بیٹھ جاؤ"۔ بیگم شاہ برابر مسکرا رہی تھیں۔

تب کرنل شاہ نے انیلا کی طرف دیکھا اور انیلا اسی لمحے میں بول پڑی۔

"میں جانے سے قبل سونیا اور حق نواز صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے کبھی بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میرا یہ اپنا گھر نہیں ہے"۔

"تم جانا کیوں چاہتی ہو بیٹی؟" کرنل شاہ پریشان ہو کر بولے۔

"میں نے بیگم صاحبہ کو بتایا تھا کہ میرا یہاں دم گھٹتا ہے شاید انہوں نے آپ کو بتایا نہیں"۔

"بتایا تھا لیکن یہ نہیں بتایا کہ دم کیوں گھٹتا ہے شاید تم نے نہیں بتایا ہو گا"۔ کرنل شاہ کا لہجہ اس بار الجھا ہوا تھا۔

"جی نہیں ایسا نہیں ہوا"۔

"تو پھر کیا تم یہ بتانا پسند کرو گی کہ تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا اور تمہارا دم کس بات پر گھٹنا شروع ہو گیا ہے"۔

"یہاں مجھے بہت محبت ملی ہے۔ بہت سی چاہت سمیٹی ہے۔ بہت سی محبتوں سے دامن بھرا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے آپ کو ایک مجرم اور چور محسوس کرتی تھی اگر آپ اپنے بچوں کو یہ بتا دیتے کہ میرے ساتھ کون سا حادثہ پیش آیا۔ تو شاید میرا دم نہ گھٹتا۔ کیونکہ مجھ سے بار بار کسی نہ کسی بہانے پوچھا جاتا تھا کہ کون سے حادثے کا شکار ہوئی ہوں؟"

"یہ ضروری نہیں تھا"۔

"لیکن میرے لئے یہ بہت ضروری تھا تاکہ ان کی محبتوں اور چاہتوں میں رنگ آ جاتا"۔

"تمہیں اس بات کے علاوہ اور کوئی شکایت تو نہیں بیٹی"۔

"جی نہیں۔ آپ سب بہت پیارے ہیں اور میں چاہتی ہوں آپ اپنے بچوں کو بتا دیں کہ میرے ساتھ کون سا حادثہ پیش آیا ہے تو میں رک سکتی ہوں"۔

"جیسا تم چاہو گی ایسا ہی ہو گا۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ اور تم یہیں پر رہو گی ہمارے سینے سے لگ کر بالکل سونیا کی طرح رہو گی"۔

انیلا ایک دم اٹھی تھی اور بیگم شاہ کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔ بیگم شاہ کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ کرنل شاہ نے باری باری بیٹی' بیٹے اور بیگم کی طرف دیکھا اور پھر بڑے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولے۔

"کیا تم دونوں کو انیلا بیٹی کا ماضی درکار ہے؟"

"ہم لوگوں نے شاید ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا بابا جان"۔ حق نواز پریشان ہو کر بولا۔

"اور تم سونیا بیٹی؟"

"میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ البتہ میں نے اسے اپنا رازداں بنانے کی کوشش کی تھی' اس نے کسی حادثے کا ذکر کیا تھا لیکن حادثہ کس نوعیت کا تھا اس نے نہیں بتایا' لیکن بابا جانی یہ کوئی...."

"خاموش رہو۔ بات کوئی اور ہے جس سے اس کا دم گھٹنا شروع ہوا۔ ہم نے ایک دن اس کے تیور بھی دیکھے تھے جب اس نے حق نواز کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے کہا تھا۔ بہرکیف بات یہ نہیں جو سامنے لائی گئی لیکن اس کے باوجود ہمیں تم لوگوں کو اس کا ماضی بتانے میں کوئی انکار نہیں۔ انیلا کا ماضی کچھ بہتر نہیں۔ وہ پولیس سسٹم کا شکار ہوئی۔ اس کے چھوٹے بھائی کو کسی معمولی کیس میں دھر لیا گیا۔ انیلا ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی خود پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ بھائی تو آ گیا لیکن پولیس آفیسر نے اسے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں پھنسا کر شادی کرنے کا وعدہ کر لیا۔ تعلقات بڑھے اور شادی کے نام پر اس نے انیلا کی عزت لوٹ لی اور ستم یہ ہوا اس نے اپنے ایک اے ایس آئی کے سپرد کر دیا۔ غریب اپنی عزت بچانے کے لئے دوسرے کے چنگل میں پھنس گئی۔ جب سرکشی نے سر ابھارا اور اس کے اندر بغاوت نے جنم لیا تو وہ اخبارات کے دفتر جا پہنچی۔ اور خود ہی بدنام ہو گئی۔ ہم تڑپ اٹھے تھے یہ سوچ کر کہ پاک آرمی کا ایک بہتر عہدے پر فائز رہ چکے ہیں اس کی مدد کریں۔ پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ ہم اسے نئی زندگی دینے کے لئے گھر لے آئے"۔ اتنا کہہ وہ خاموش ہو گئے۔ ہر چہرہ تنا ہوا تھا۔ سونیا کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ ایک دم اٹھی تھی اور بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔ اس کا رخ انیلا کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ صوفے پر آنکھیں بند کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ سونیا سے محترم نظروں سے دیکھتی رہی۔

"اے انیلا"۔ سونیا کی سرگوشی میں لرزش تھی۔

جب انیلا نے آنکھیں کھولیں اور سونیا کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"اے۔ اٹھو۔ قریب آؤ۔ سینے سے لگو۔ آؤ لگو نا"۔

سونیا اپنی دونوں بانہیں پھیلا کر جیسے چیخ پڑی ہو۔ اور انیلا کٹی ہوئی پتنگ کی طرح سونیا کے سینے سے آ لگی۔ ایسے لگیں جیسے امربیل کی مانند ایک دوسرے سے لپٹ گئی ہوں۔ اور سینوں کا درد آنکھوں کے راستے بہہ نکلا تھا۔

"تت۔ تم نے اس قدر صدمے اٹھائے اور اپنی بہن کو بتایا ہی نہیں۔ کیا مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔ کیا میری محبت کم ہو جاتی؟" سونیا بلک پڑی تھی پھر دونوں الگ ہوئیں۔ دونوں کے چہرے آنسوؤں سے شرابور تھے۔

"تم اب کہیں نہیں جاؤ گی۔ سنا تم نے"۔

اور انیلا تڑپ کر ایک بار پھر سونیا سے لپٹ گئی۔ اور لرزتی کانپتی آواز میں بولی۔

"اتنا پیار نہ دو مر جاؤں گی۔ دم گھٹ جائے گا میرا"۔

"تم پر جس قدر پیار نچھاور کیا جائے وہ کم ہے۔ سونیا کی سرگوشی ابھری۔

"پھر وہ الگ ہوئیں تو دونوں کی آنکھیں ایک دوسری پر اپنا اپنا پیار نچھاور کر رہی تھیں۔

"اب کبھی جانے کا نام تو نہیں لو گی؟"

"نہیں۔ کبھی نہیں"۔

"وعدہ"۔

"ہوں۔ وعدہ"۔ دونوں مسکرا کر پھر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ لیکن [illegible] بات سے بے خبر کہ گھر میں ایک چنگاڑی آگ پکڑ رہی ہے۔

وجاہت علی کی جان چھوٹ گئی تھی۔ زیبا انوار نے راضی نامہ کر لیا تھا اور عدالت کو مجبوراً کیس خارج کر دینا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ وجاہت علی جان چھوٹ جانے کے باوجود پریشان تھا اور پریشان اس لئے تھا کہ ہلاکو خان کو واپس ڈیوٹی پر بلوا لیا گیا تھا۔ اس نے چار پولیس والے مار ڈالے تھے۔ ایک کروڑ روپیہ وصول کیا تھا۔ اس کے باوجود جبکہ ایس پی ڈوگر سب کچھ جانتے ہوئے اسے ملازمت پر واپس لے آیا تھا۔ آخر یہ کیا سسٹم تھا۔ شاید اسے جمہوریت کہتے تھے۔ وہ خود حکمران ٹولے کا خاص آدمی تھا۔ ایسا اہم پوسٹ پر فائز تھے خود لمبے ہاتھ رکھتے تھے۔ لیکن پولیس نے ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا تھا۔ اکلوتا بیٹا بیکار ہوا اور ایک کثیر رقم دینا پڑی۔ ایسی کرسی کا کیا فائدہ۔ اس قدر طاقت رکھنے کے باوجود وہ بے بس تھے اور بے بس کیوں تھے۔ یہی بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر وہ ایک منسٹر تھے ایک اہم پوسٹ پر فائز تھے۔ پولیس کا بڑا آفیسر انہیں سلیوٹ مارتا تھا اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ ایک معمولی انسپکٹر نے اسے نیچا ڈالا تھا۔ حتیٰ کہ ایس پی نواز ڈوگر اس کا کچھ نہیں کر سکا تھا۔ کیا یہ سب ملی بھگت میں ملے ہوئے تھے۔ یا پھر ایک دوسرے کے کام آتے تھے اور ایک دوسرے کے ہمراز تھے۔

وہ سوچتے رہے اور پھر انہوں نے ایس پی کو اپنے دفتر طلب کر لیا۔ آخر ان کے پاس طاقت تھی۔ طاقت تھی اسے استعمال کر سکتے تھے۔ یہ تو ایسی جمہوریت تھی [illegible] خواہ وہ معمولی سپاہی کیوں نہ رہا ہو اپنی طاقت سے دس بیس گنا زیادہ استعمال کرتا تھا۔ وہ تو منسٹر تھے۔ جب انہیں اپنی طاقت کا احساس ہوا تو انہوں نے نواز ڈوگر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے دفتر میں طلب کر لیا۔ اور نواز ڈوگر ایک بڑا آفیسر تھا اس نے اندر داخل ہوتے ہی سلیوٹ مارا تھا۔

"آؤ بیٹھو آفیسر۔ کیسے ہو؟"

"تھینک یو سر۔ میں ٹھیک ہوں"۔ ڈوگر کرسی سیدھی کر کے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہم نے سنا ہے کہ ہلاکو خان کو واپس بلوایا جا رہا ہے"۔

"آپ نے درست سنا ہے سر"۔

"کیوں؟"

"اس کا آپ کے محکمے سے کوئی تعلق نہیں ہے سر"۔

"اس نے چار پٹھی بند بھائیوں کو قتل کیا"۔

"نو سر۔ ایسا نہیں ہوا"۔

"تم ایسا کیوں کر رہے ہو آفیسر؟"

"یہ مجھ سے اوپر والے بہتر جانتے ہیں"۔

"تم کیا جانتے ہو؟"

"جس قدر جانتا ہوں آپ کو بتا دیا کرتا ہوں"۔

"اس نے ایک کروڑ روپیہ ہم سے وصول کیا۔ ہمارے بیٹے کی ٹانگ اور بازو دیا"۔

اس نے پولیس مقابلے کی کوشش کی تھی سر۔ پولیس مقابلے میں اکثر مارے جاتے ہیں اور قانون کی کوئی ایسی شق نہیں کہ پولیس والوں کو سزا دے۔ آپ کے بیٹے کو تو صرف پولیس نے یہ سوچ کر جان سے نہیں مارا کہ وہ ایک انسان کا بیٹا ہے"۔

"چائے پیو گے آفیسر"۔

"نو سر"۔

"اگر ہم تمہیں ٹرانسفر کروا دیں تو؟"

"آپ کروا سکتے ہیں سر"۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں ہماری طاقت کا اندازہ ہے"۔

"یس سر"۔

"ہمیں ایک کروڑ واپس چاہئیں"۔

"مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے سر کہ آپ نے بنک سے چالیس کروڑ روپے ڈوگر ملز تیار کرنے کے لئے قرض لیا تھا"۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو آفیسر"۔

"آپ کی ملز تو تیار نہیں ہوئی اور آپ دیوالیہ ہو گئے۔ یہ سچ ہے نا سر"۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو آفیسر۔ آخر ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟"

"میں عرض کر رہا ہوں سر۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں"۔

"چلو بولتے رہو۔ ہم تمہیں برداشت کر رہے ہیں"۔

"چالیس کروڑ عوام کا پیسہ تھا۔ تعمیراتی کاموں پر لگنا تھا۔ آپ نے واپس نہیں کیا آپ کو حق حاصل تھا۔ اور حق حاصل اس لئے تھا کہ جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ آپ جمہوریت کو فروغ دیتے ہیں۔ جمہوریت آپ لوگوں کی گھر کی لونڈی ہے۔ آپ چالیس کروڑ کون لے سکتا ہے ایسے ہی ہزاروں انسان ہیں جو آپ کی طرح قرض لیتے ہیں' دیوالیہ ہو جاتے ہیں اور پھر آپ کو کون پوچھے آپ جیسے ہزاروں افراد جمہوریت سے سود وصول کرتے ہیں اربوں نہیں کھربوں روپیہ بینکوں سے نکل جاتا ہے اور کے برسراقتدار ٹولہ جو جمہوریت کے نام پر لوٹ کھسوٹ کرتا ہے۔ کیونکہ جمہوریت ہوتی ہے۔ اگر اسی جمہوریت میں کسی نے آپ کے بیٹے کا کیس واپس لینے کے لئے ایک کروڑ روپیہ وصول کر لیا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اس لئے صبر کر لیں۔ کیونکہ میرے پاس اس سے مفید مشورہ نہیں ہے"۔

"ویری گڈ آفیسر۔ تم تو بہت اچھی تقریر کر سکتے ہو"۔

"نہیں سر۔ میں لیڈر نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی سیاست دان ہوں۔ میں نے آپ کو اپنے ملک کی جمہوریت کا کا صرف چار آنے فائدہ بتایا ہے"۔

"چلو دو چار آنے مزید بتا دو۔ ہمارے پاس کچھ وقت ہے"۔ اس بار وجاہت علی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسکرائے اور نواز ڈوگر خود بھی جواباً مسکرایا۔ پھر مزید بولا۔

"سر آپ کے بیٹے نے قانون کی نظر میں ایک ناقابل تلافی ناقابل معافی کیا۔ عمر قید اور سزائے موت بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ اپنی جمہوریت کا فا دیکھیں۔ آپ نے بیٹے کو بچانے کے لئے ایک ایسا کیس عدالت کو واپس کرنے پر کر دیا جو واپس نہیں ہونا چاہیے تھا اور جمہوریت نہ ہوتی اور ملک میں مارشل لاء تو آپ کے بیٹے کو سزا ہو جاتی۔ میرا کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جمہوریت لوگوں کو چاہیے؟"

"یہ بھی تم ہی بتاؤ"۔

"جاگیرداروں کو۔ جمہوریت چاہیے وڈیروں کو۔ جمہوریت چاہیے سیاست کو۔ جمہوریت چاہیے برسراقتدار آنے والوں کو۔ یا پھر جو طبقہ برسراقتدار ہے"۔

"خوب۔ بہت خوب"۔ وجاہت علی مسکرائے۔

"ایک اور بات سر"۔

"چلو لگے ہاتھوں وہ بھی کر ڈالو۔ کیا یاد کرو گے کہ کسی مسٹر سے واسط ہے"۔

"سر جمہوریت میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ شخصی آزادی چھن جاتی جبکہ جمہوریت نام ہی شخصی آزادی کا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یا جو ہمارے ملک جمہوریت ہے وہ الٹی گنگا ہے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں سر؟"

"بہت اچھی طرح"۔

"اب آپ دیکھئے جب جمہوریت آتی ہے تو بجلی کے بلوں پر اس قدر ڈیوٹیاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں کہ جو چھوٹا سا بل ہوتا ہے وہ بڑھتے بڑھتے اس ہو جاتا ہے کہ انسان کا دم گھٹ جاتا ہے اور خود بل شرما جاتا ہے کہ میں اس قدر فخر سے ہوں کیا؟ کیوں سر کہئے جمہوریت زندہ باد"۔

"تم پولیس مین ہو کر جمہوریت پسند نہیں کرتے؟"

"مجھے اس ملک کی یہی جمہوریت پسند ہے سر۔ کیونکہ ہم جیسے، آپ جیسے

افراد کو یہی جمہوریت پسند ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے"۔

"نہیں مسٹر ڈوگر۔ ایک بات جمہوریت کی ہمیں بھی کرنا ہے"۔

"جی فرمایئے سر"۔

"جب تم لوگ پولیس مقابلوں میں ناپسندیدہ افراد کو پار کر دیتے ہو تو یہی جمہوریت تمہارے بھی کام آتی ہے"۔

"یس سر"۔ نواز ڈوگر مسکرایا۔

"جبکہ ہائی کورٹ کی بار بار وارننگ کے باوجود تم پولیس والے پولیس مقابلوں میں برابر آدمی مارے جا رہے ہو"۔

"یہ ہماری جمہوریت کا یہی سسٹم ہے سر"۔

"پھر تو جمہوریت زندہ باد کہو"۔

"یس سر"۔

"یہ قوم بے وقوف ہے باون سال سے اس پر جاگیرداروں، وڈیروں، سرمایہ داروں نے حکومت کی ہے اور ہر بار چہرے بدل بدل کرتے رہیں گے اس لئے ہمارے سسٹم کو ہم سلام کرتے ہیں لہٰذا اب صرف یہ بتا دو کہ ہلاکو خان کی موت کیسے ہو سکتی ہے آفیسر"۔

"کیا یہ بہت ضروری ہے؟"

"بہت ہی ضروری۔ ایک اونٹی سے پولیس ملازم نے ہماری طاقت کو للکارا ہے۔ پورا وجود کے اندر مرکھپ گئے ہیں۔ اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوجود ہم پولیس والے کی آنکھ کا تارا ہیں پھر بھی اس قدر بے بس اگر بنک کا چالیس کروڑ کھا جائیں الیکشن پر پچاس لاکھ لگا کر پچاس کروڑ کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور پھر قرضے ری شیڈول کرانے کا حق بھی جان گئے ہیں تو یہ ہلاکو خان مر کیوں نہیں سکتا"۔

"مر سکتا ہے۔ کیوں نہیں مر سکتا۔ آپ جب چاہئیں مرکھپ سکتا ہے"۔

"کیسے؟" وجاہت علی آگے کی جھک کر سرگوشیانہ انداز میں بولے۔

"اکیاون کروڑ مزید خرچ کروا لئے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ"۔ وہ سیدھے ہو گئے۔

"دوسرا راستہ بھی ہے؟"

"کون سا؟"

"گھر بلوایئے اور آرام سے گولی مار دیجئے"۔

"کیا کہہ رہے ہو آفیسر؟"

"اپنے ملک کی جمہوریت کا فائدہ اٹھایئے۔ کہہ دیجئے گا کہ زیبا انوار کے میں ایک کروڑ دے چکا تھا۔ اب جبکہ عدالت سے کیس واپس لے لیا گیا تھا وہ ایک کروڑ مانگ رہا تھا۔ آپ نے اسے نکل جانے کو کہا اور گولی مارنے کی دھمکی د گولی چل گئی۔ قصہ ختم اور کہیں جمہوریت زندہ باد"۔ اتنا کہہ کر ڈوگر اٹھ کھڑا ہو

"تمہیں کتنا دینا پڑے گا؟"

"صرف آدھا کروڑ۔ خدا حافظ"۔

"مسٹر ڈوگر"۔

نواز ڈوگر جاتے جاتے پلٹا اور بولا۔

"سر ہم لوگوں کا یہی سسٹم ہے اور آپ بھی اسی سسٹم کا ایک حصہ خدا حافظ"۔ اتنا کہہ کر نواز ڈوگر نکلتا چلا گیا۔

"بہت لعنتی انسان ہے۔ پاور میرے پاس ہے اور ہم سے ہی آدھا کروڑ مانگ تھا۔ تمہارا بھی کچھ کرنا پڑے گا آفیسر"۔ وجاہت علی بڑبڑائے۔ پھر مزید بڑبڑا "جمہوریت کے بارے روشنی بستر ڈال گیا اور اسے تو ہمارے چالیس کروڑ کا ہے۔ خطرناک آدمی ہے۔ اسے ذرا باریک بینی سے دیکھیں گے"۔

گاڑی جب حویلی میں داخل ہوئی تو شام کے چھ بج رہے تھے اور اس گاڑی میں زیبا انوار کے ساتھ جیراں اتری تھی۔ دونوں نئے مکان کے فرنیچر کو سیٹ کر کے واپس لوٹی تھیں۔ آج ان کے حویلی میں آخری رات کا قیام تھا۔ دیکھا جائے تو آج رات الوداعی پارٹی تھی اور یہ پارٹی زیبا انوار کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔ دونوں تھکن کا شکار تھیں۔ جیراں کم اور زیبا انوار زیادہ تھکان محسوس کر رہی تھیں۔

"کیا تم میری ٹانگیں داب سکتی ہو جیراں"۔ زیبا بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں باجی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ٹانگوں کی مالش کر دوں۔ یہ خدمت کر کے بہت خوشی ہو گی"۔

"ارے نہیں بھئی۔ ایسا بھی کیا۔ بس صرف ٹانگیں داب دو۔ بہت زیادہ تھک گئی ہوں۔ مگر نہیں۔ میرے خیال ہے مجھے نیم گرم پانی سے غسل لینا چاہیے پھر گرم گرم چائے پینا چاہیے"۔

"پہلے تھوڑا سا وہ پی لیجئے۔ غسل بعد میں کر لیجئے گا"۔

"جیراں! ہم اندر آ رہے ہیں"۔ باہر سے اکبر آفریدی کی آواز ابھری اور اسی لمحہ وہ اندر چلے آئے۔ زیبا انوار احتیاط سے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اکبر آفریدی نے گہری نظروں سے جیراں اور پھر زیبا انوار کی طرف دیکھا اور بولے۔

"آج آپ دونوں نے بہت دیر کر دی۔ دوپہر کو کھانا کھانے بھی آپ نہیں لائیں"۔

"کام بہت زیادہ تھا اکبر صاحب۔ بٹھریف اپنے اختتام کو پہنچا اور یہ سارا کام جیراں کو جاتا ہے"۔

"یہ تو ہے ہی بڑی شاندار۔ حویلی والے ایسے ہی تو نہیں اس کے دیوانے" اکبر آفریدی مسکرائے۔

"تشریف رکھیں۔ ویسے اگر آپ اجازت دیں تو ذرا فریش ہو جاؤں۔ میں لینے والی تھی"۔ زیبا انوار نے گویا اکبر آفریدی کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"کیوں نہیں۔ آپ فریش ہو لیں۔ ہم تو آپ کی خیریت دریافت کرنے آ تھے"۔ اتنا کہہ کر اکبر آفریدی مسکرائے پھر مزید بولے۔

"جیراں! تم ہمارے ساتھ آؤ۔ کچن میں کچھ کام ہے"۔

"اگر چو چار منٹ کا کام ہے تو اسے لے جائیے۔ کیونکہ یہ میرے کپڑے تیار کے دینے والی ہے"۔ زیبا انوار مسکرا کر بولی۔

"اوہ! کوئی بات نہیں۔ یہ فارغ ہو کر آ جائے گی۔ ویسے زیبا انوار صاحبہ زمین ہم نے دی ہی تھی لیکن جیراں آپ نے ہم سے مفت مار لی"۔

"میں اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہو"۔ زیبا مسکرائی۔

"ہمارے ہاں انسانوں کی خرید و فروخت نہیں ہوتی"۔

"میں نے از راہ مذاق یہ بات کہہ دی تھی۔ ویسے جیراں کے لئے آپ کی منہ ہوں"۔

اکبر آفریدی نے سر ہلایا اور مسکرا کر باہر نکل گئے۔

"آپ نے کمال کر دیا باجی۔ پتا نہیں کیا کہنے والا تھا مجھے"۔ جیراں بولی۔

"چلو تم الماری سے میرا پیلا جوڑا نکال کر ازار بند ڈال کر مجھے باتھ میں دے دینا"۔ اتنا کہہ کر زیبا انوار باتھ روم میں چلی گئی۔

رات آٹھ بجے ڈنر دیوان خانے کی ٹیبل پر سجایا گیا تھا۔ اور اس ڈنر میں اکبر آفریدی کے ساتھ خان آفریدی بھی شامل تھے اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ٹیبل پر اسکاچ کی بوتل برف کے ٹکڑے اور پیپسی کی بڑی بوتل موجود تھی۔ زیبا انوار پیلا سوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنے جیراں کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہوئی تھی۔ خان آفریدی اور اکبر آفریدی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ اپنی سیٹ پر بیٹھتے وقت زیبا انوار نے ٹیبل پر شراب کی بوتل دیکھی تھی اور وہ چونک پڑی۔ اور شراب کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"یہ خرافات کھانے کی ٹیبل پر کیوں نظر آ رہی ہے؟"

"یہ خرافات نہیں زیبا انوار۔ یہ اسکاچ ہے۔ دس سال پرانی اور اس کی قیمت اٹھارہ ہزار روپیہ ہے اور یہ آپ کے لئے نہیں ہم باپ بیٹے کے لئے ہے کیونکہ جس دن حویلی میں مچھلی بنے یہ کھانے کی ٹیبل پر نظر آتی ہے"۔ یہ خان آفریدی تھے جو پہلے تیوروں کے درمیان بولے تھے۔

"سوری خان آفریدی صاحب۔ شاید میں آپ کے ساتھ ڈنر نہ لے سکوں"۔ وہ ایک دم اٹھی تھی اور جیراں کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔ ان کے اٹھ کر جیسے ہی جانے لگی اکبر آفریدی غرا اٹھے۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔ مچھلی پلیٹوں میں ڈال کر دو"۔

"جی بہتر سرکار"۔ جیراں بے بسی سے ہونٹ چبا کر بولی اور دو پلیٹوں میں مچھلی نکال کر اس نے خان آفریدی اور اکبر آفریدی کے سامنے رکھی۔

"وہ بوتل اور گلاس اٹھالاؤ اور برف بھی"۔ اکبر آفریدی پھر بولے۔

اور جیراں نے حکم کی تعمیل کر ڈالی۔

"اب دفع ہو جاؤ اور صورت گم کرو"۔

"جی سرکار"۔ اتنا کہہ کر جیراں تیزی سے باہر نکل گئی۔

"لعنت ہے اس زیبا انوار پر۔ حرامزادی ہماری توہین کر گئی"۔ خان آفریدی

"بابا سائیں ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ پر کلاپ دوں گا سالی کے۔ آپ اور اس لال پری کا مزہ خراب نہ کریں"۔

"یہ ہلا کو خان کیسا آدمی ہے؟"

"خطرناک..... بہت خطرناک..... لیکن بابا سائیں ہم سے زیادہ نہیں۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارے سے کٹوا دیں گے سالے کو"۔

"اس کی بات کرنے کا انداز بڑا برا لگتا ہے مجھے۔ ہمیں اسے اب حویلی میں نہیں آنے دینا"۔

"نہیں بابا سائیں آپ کو شاید معلوم نہیں کہ وہ پولیس انسپکٹر ہے۔ جدید دو کے حکومتی ٹولے نے ہر شہر میں دو چار رکھے ہوتے ہیں ناپسندیدہ افراد کو پولیس مقابلے میں مروانے کے لئے۔ پہلے اسے نکال دیا گیا تھا۔ اب پھر اسے واپس بلوا لیا گیا ہے۔ محکمہ بھی عجیب سسٹم کا شکار ہے"۔

"وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا۔ ہاں زیبا انوار۔ اسے بلواؤ۔ اسے بتائیں کہ اس نے ہماری توہین کی ہے"۔ خان آفریدی دو گلاس چڑھانے کے بعد غرایا تھا۔

"اسے اس کے کئے کی سزا مل جائے گی بابا سائیں۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں"۔

"توہین اس نے ہماری کی ہے تم اسے سزا دینے والے کون ہو۔ اسے بلواؤ ورنہ ہم اسے گھسیٹتے ہوئے دیوان خانے میں لے آئیں گے"۔ خان آفریدی انگارہ ہوتی آنکھوں کے درمیان بولے۔

"اچھا آپ ذرا تحمل سے کام لیں۔ مہمان ہے۔ ہم اسے لے آتے ہیں۔ لیکن آپ اسے آرام سے سمجھانے کی کوشش کریں کہ میزبان کا یوں مذاق نہیں اڑاتے"۔ اکبر آفریدی اتنا کہہ کر باہر نکل گئے۔ اس نے زیبا انوار کے دروازے پر دستک دی تھی پھر اونچی آواز میں جیراں کو آواز دیتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔

"معذرت چاہتے ہیں آپ کو ڈسٹرب کیا۔ دراصل آپ نے کھانا نہیں کھایا جس کا دکھ ہوا اگر آپ پسند فرمائیں تو کھانا آپ اپنے کمرے میں کھا لیں"۔

"شکریہ اکبر آفریدی صاحب بھوک مر گئی"۔ زیبا انوار نارمل انداز میں بولی۔

"ادھر بابا سائیں بہت ناراض ہو رہے ہیں وہ خود آ رہے تھے بڑی مشکل سے انہیں روکا ہے۔ انہوں نے آپ کے کھانا کھائے بغیر اٹھنے پر اپنی توہین محسوس کی ہے۔ پلیز آپ انہیں آ کر نارمل کریں ورنہ کچھ گڑبڑ کر بیٹھیں گے"۔

"مثلاً" کس قسم کی گڑبڑ؟" زیبا انوار کے تیور اچھے نہیں تھے۔

"پلیز آپ تشریف لائیں۔ وہ جو کہیں خاموشی سے سن کر واپس آ جائیں۔ میری آپ سے یہ درخواست ہے"۔

"چلئے"۔ زیبا انوار نے اپنے گرد چادر لپیٹی اور اکبر آفریدی کے ساتھ ہو لی۔

"آپ کچھ بولئے گا نہیں پلیز"۔ دیوان خانے کے دروازے پر پہنچ کر اکبر آفریدی نے سرگوشی کی۔ زیبا کچھ نہیں بولی تھی' جب وہ اندر داخل ہوئی تو خان آفریدی نے خونخوار انداز میں اسے گھورا پھر بولے۔

"کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپ کو؟ بولو!"

"جی کیا عرض کروں"۔

"کچھ بکواس کرو۔ کہہ دو کہ ہم حرام شے پی رہے ہیں"۔

"یہ آپ کا پرسنل مسئلہ ہے"۔

"ہم وڈیرے ہیں۔ وڈیرے۔ جب چاہتے ہیں کسی کو سر پر بٹھا لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ یہ حکومتیں ہمارے دم سے بنتی اور ٹوٹتی ہیں۔ اس ملک پر باون سال سے ہم جیسے لوگوں نے حکومتیں کی ہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے"۔

"مجھے اندازہ نہیں یقین ہے سرکار کہ آپ درست فرما رہے ہیں"۔ زیبا انوار کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اور جاہل گنوار لڑکی پھر بھی تم نے ہماری میزبانی کو ٹھکرایا"۔

"میں معافی چاہتی ہوں سرکار"۔

"معاف کیا۔ ہمیں ایسے افراد اچھے لگتے ہیں جو سر اٹھا کر نہ چلیں۔ ورنہ ہم سر اڑا بھی دیا کرتے ہیں"۔

"اب اجازت دیجئے۔ میں آج رات کی مہمان ہوں آپ کی"۔

"ٹھیک ہے جا سکتی ہو۔ ہمیں تمہارا یہ انداز پسند آیا"۔ وہ جام اٹھا کر بولے اور زیبا تیزی سے دیوان خانے سے نکل گئی۔

"سسری عاقبت نااندیش"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بابا سائیں! اب ختم کریں وہ معافی مانگ کر گئی ہے۔ اسے وڈیروں کے جا
جلال کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا اب ہو گیا ہو گا"۔

"ارے چھوٹی سی چھپکلی اور شراب کو خرافات کہے۔ نہیں۔ اسے پھر بلوا کر لا
ابھی ہمارا زہر نکلا نہیں"۔

"بابا سائیں وہ مہمان بھی تو ہے۔ ختم کریں آپ نے زیادہ پی لی ہے آیئے
آپ کو بیڈ روم تک چھوڑ آؤں"۔

"تم چھوڑ کر آؤ گے ہمیں یعنی کہ اپنے باپ کو۔ لعنت ہے تم پر بھی"۔ اتنا کہ
کر اٹھے اور لڑکھڑائے پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے دیوان خانے سے نکل گ
اور تب اکبر آفریدی نے ایک گہری سانس لی۔ وہ وہیں بیٹھ گیا تھا اس نے اپنے لا
تیسرا گلاس بنایا تھا جب وہ اس کے حلق سے اترا تو اس نے سوچا کہ یہ زیبا انوار آ
کس بات پر اترائی ہے۔ بابا سائیں نے اچھا کیا کہ اسے ڈانٹ دیا۔ ہم لوگ کب اس
قسم کی گفتگو برداشت کرتے ہیں۔ لیکن ہے بہت نمکین شے۔ اسے چھونا پڑے گا۔ چکھ
کر محسوس کرنا پڑے گا۔ یا پھر اسے خریدنا پڑے گا۔ یہ سالا ہلاکو خان ایک چھوٹا سا
انسپکٹر ہو کر ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے۔ اسے بھی دیکھنا پڑے گے"۔

نشہ تیز ہو رہا تھا اور اکبر آفریدی ترنگ میں آ رہا تھا۔ وہ جیراں اور زیبا انوار
موازنہ کرنے لگا۔ دونوں ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔ ایک موتے کا ہار تھی تو دوسر
وجود گلاب کی خوشبو سے ذہن کو معطر معطر کرتا تھا۔ لیکن دونوں خطرناک چیزیں تھیں
انہیں پانا ان کے بدن کا گھونگھٹ اٹھانا اتنا آسان نہیں تھا۔

نشہ مزید سوا ہوا تو اکبر آفریدی نے مزید سوچا۔

یہ زیبا انوار... جیراں کے لئے سائبان کیوں بن گئی ہے۔ اسے اس قدر اہمیت
اور تحفظ فراہم کیوں کر رہی ہے۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ کہیں جیراں نے چغلی تو نہیں
کھائی۔ اگر کھائی ہے تو اچھا نہیں ہوا۔ ورنہ زیبا انوار کو حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔
نہیں ہمیں جلدبازی سے کام نہیں لینا۔ آرام سے تحمل سے اسے حاصل کرنا چاہتے
ہیں۔ لیکن بات کرنے میں کیا نقصان ہے۔

وہ ایک دم اٹھا تھا' لڑکھڑایا پھر سنبھلا۔ اور دیوان خانے سے باہر آ گیا اس کا رخ
زیبا انوار کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ دروازے تک جا
پہنچا۔ لیکن اسے فوراً احساس ہو گیا کہ دروازہ اندر سے لاک ہے۔ وہ زہر خند کے
ساتھ مسکرایا تھا اور بند دروازے پر بڑے شریفانہ انداز میں دستک دے ڈالی اور ساتھ
ہی آواز لگائی۔

"ہم اپنے معزز مہمان سے بابا سائیں کی زیادتی کی معافی مانگنے آئے ہیں"۔ کچھ
لمحوں بعد لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور سامنے حیراں کھڑی تھی۔

"ارے تم تو ادھر ہٹو۔ راستہ روکے کھڑی ہو"۔ اکبر آفریدی نے سے ہاتھ سے
ایک طرف ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ زیبا انوار بیڈ پر سونے کی
بجائے صوفے پر بڑی سنگین خاموشی کے ساتھ بیٹھی اسے تک رہی تھی۔

"معافی چاہتے ہیں کہ آپ کو ڈسٹرب کیا اور پھر ابھی ساڑھے نو بجے ہیں رات
کے"۔ اتنا کہہ کر وہ دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بابا سائیں بڑے وڈیرے ہیں۔ ان کے خیالات بھی بڑے ہیں۔ توہین برداشت
نہیں کرتے۔ انہوں نے جو کچھ آپ سے کہا درست کہا۔ لیکن آپ کے لئے وہ غلط
ہے' اور غلط ہونا بھی چاہیے کیونکہ شہری زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔ مہمان کی بہت
عزت کرتے ہیں۔ ہمارا ماحول اپنا ہے اور رہن سہن اپنا ہے۔ ہمارے کچھ اپنے اصول
ہیں اس لئے آپ سے معذرت مانگنے آئے ہیں"۔

"میں نے ان کی باتوں کا برا نہیں مانا"۔

"کیوں برا نہیں مانا"۔

"انسان نشے میں اندھا ہوتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز کھو دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ میں نے ان سے معافی مانگ لی"۔

"اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا۔ ہمیں خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے وقت کی نزاکت کو
مدنظر رکھا۔ لیکن آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ بہت خوبصورت مچھلی بنوائی تھی"۔

"بھوک مر گئی ہے اکبر آفریدی صاحب۔ صبح ناشتے میں مچھلی ضرور لیں گے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واہ۔ شاندار۔ ناشتے میں مچھلی"۔ اکبر آفریدی مسکرایا پھر مزید بولا۔

"آخر مندی پور ہی کیوں۔ یہ ہلاکو خان نے آپ کی زمین کے لئے مندی پور کا انتخاب کیوں کیا؟"

"انہوں نے بہتر جانا ہو گا۔ میرا باپ ہے وہ۔ بلکہ باپ سے بھی بڑھ کر۔ میرا اپنا باپ تو چاہتا تھا کہ راضی نامہ کر لوں۔ لیکن ہلاکو خان اڑ گئے اور وہی ہوا جو وہ چاہتا تھا۔ چار پولیس والے مار ڈالے تھے اس نے۔ اخبارات تو پڑھتے ہوں گے اکبر آفریدی صاحب یا صرف اسمبلی میں ہی بیٹھے ہیں"۔

"اس بات کا علم ہوا تھا کہ دو مفرور مجرم مقابلہ کرتے ہوئے خود بھی زخمی ہوئے اور وسیم راجہ انسپکٹر اور اس کے تین ساتھیوں کو اپنی گولیوں سے بھون گئے"۔

"لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہلاکو خان نے مارے تھے اور اگر میری حفاظت کے لئے اسے مزید دس بارہ خون کرنے پڑے تو وہ کر ڈالے گا۔ اس کی پٹھان کی کھوپڑی ہے۔ کہتا ہے یہ کبھی کبھار چلتی ہے جب چل پڑتی ہے تو خوب چلتی ہے"۔

"آپ ہمیں.... یعنی کہ اکبر خان آفریدی کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی ہیں زیبا انوار؟"

"اکبر خان صاحب جو بات تھی آپ کو بتا دی۔ مقصد آپ کو مرعوب کرنا نہیں تھا"۔

"دیکھو۔ ہم بھی پٹھان لوگ ہیں۔ وڈیرے ہیں۔ دوستیاں برابر والوں سے کرتے ہیں چھوٹے لوگوں سے نہیں۔ ہلاکو خان ایک چھوٹا سا پولیس افسر ہے اور دیکھا جائے تو ہمارا ملازم ہے۔ وہ ایک ایسا کارتوس ہے جو ہم نے رکھ چھوڑا ہے پتہ نہیں کب ضرورت پڑ جائے اور اسے چلا لیں اور باقی رہا آدمیوں کو مارنا.... تو یہ ہمارا کھیل ہے"۔

"اب آپ مجھے مرعوب کر رہے ہیں"۔ نجانے زیبا انوار کیوں مسکرا پڑی اور اکبر خان چونک پڑا۔ پھر خود بھی مسکرایا اور بولا۔

"آپ کی مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے زیبا انوار"۔

"آپ خود بہت اچھے ہیں"۔

"یہ آپ کا حسن نظر ہے۔ ویسے بائی دی وے اگر ہم آپ کو شادی کے لئے پسند کر لیں تو آپ کا جواب کیا ہو گا"۔

"مجھے کم از کم آپ سے ایسی حماقت کی توقع نہیں"۔

"ارے شادی کرنی حماقت ہے کیا؟"

"شادی کرنا حماقت نہیں۔ مجھ جیسی لڑکی جس کے ساتھ گینگ ریپ ہوا ہو ایسے ہی ہے کہ جسے دودھ میں مکھی گری ہوئی ہو اور انسان جانتے بوجھتے اسے پینے کی کوشش کرے"۔

"واہ۔ شاندار۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ہم نے سب جانتے ہوئے آپ کو پیغام دیا ہے"۔

"پھر تو سوچنا پڑے گا"۔ زیبا انوار کے ہونٹوں پر اس بار بڑی تلخ مسکراہٹ تھی۔

"کب تک سوچنے گا آپ؟"

"ہلاکو خان آ جائے تو اسے بات کروں گی کیونکہ آخری فیصلہ انہیں ہی کرنا ہے۔ ویسے مجھے آپ پسند ہیں۔ وضع دار شخصیت' قد آور اور پھر سب سے بڑی بات کہ قومی اسمبلی کے آپ اہم رکن ہیں اور سونے پر سہاگہ کہ آپ بے پناہ دولت مند ہیں۔ کیونکہ دولت سے مجھے پیار ہے اس لئے ہلاکو خان سے درخواست کروں گی کہ انکار نہ کریں"۔

"واہ۔ شاندار۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کا منہ چوم لیں"۔

"یہ یورپ نہیں اور نہ ہی مشرقی قدروں کو اس قوم نے پامال کیا ہے۔ یہ کام شادی کے بعد کر لیجیے گا"۔

اکبر خان نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"تو پھر آپ ہماری امانت ہوئیں۔ ہم انتظار کریں گے۔ شب بخیر"۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

"باجی! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" حیراں حیرت سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حرامزادہ ہے۔ بس رات نکال لو"۔ زیبا انوار بڑبڑائی اور حیراں اس کا چہ
دیکھتی رہ گئی جس پر بہت تناؤ تھا۔

بیگم شاہ انیلا کی عجیب و غریب حکمت عملی سے بہت پریشان ہوئی تھیں۔ جب انیلا نے جانے کا فیصلہ کیا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں کہ چلو اس آگ سے جان بچی جس سے ان کا دامن جلنے والا تھا۔ لیکن اچانک اس نے تمام کھیل بگاڑ دیا اور اپنی کہانی کو ننگا کر کے مزید اپنے لئے ہمدردیاں پیدا کر لی تھیں۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ سونیا انیلا کی دیوانی ہو گئی تھی۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں انیلا کے لئے تھیں۔ وہ اسے دو تین بار بازار لے گئی تھی اور ضرورت سے زیادہ شاپنگ کروا ڈالی تھی۔ البتہ حق نواز کو چپ لگ گئی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اکثر گھر سے دور رہتا تھا۔ اور کیوں رہتا تھا یہ بات بیگم شاہ نہیں معلوم کر سکی تھیں۔ لہٰذا آج جب حق نواز واپس گھر لوٹا تو بیگم شاہ اس کی منتظر تھیں۔ وہ ماں کو سامنے پا کر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ ماں جان۔ تشریف رکھیں"۔

"بہت الجھے الجھے رہتے ہو۔ کیا پریشانی ہے تمہیں"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ اور حق نواز خود بھی ان کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا اور بولا۔

"سچ بات بڑی کڑوی ہوتی ہے ماں جان جو میں کہنا نہیں چاہتا"۔

"سچ اچھا ہو تو کڑوا نہیں لگتا۔ اگر برا ہو تو پھر زہر بن جاتا ہے۔ تم بولو کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"انیلا کی داستان سنی آپ نے"۔

"وہ پہلے بھی تمہارے بابا جان سے سن چکی تھی۔ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے اپنے بچوں کو اس کہانی سے باخبر کیوں نہیں کیا؟"

"اس بچی کی ذات کچلی جاتی جو تمہارے باباجان کو پسند نہیں تھی"۔

"اب میرا کیا ہو گا۔ میں تو برباد ہو گیا"۔

"کیا بکتے ہو۔ کیا ہوا تمہیں"۔ بیگم شاہ بری طرح چونکیں۔

"میں انیلا کو پسند کر بیٹھا تھا۔ بڑی شدت سے چاہا تھا اسے۔ اسے پانے کی آ
کی تھی میں نے۔ بہت سارے خواب دیکھ ڈالے تھے میں نے اور..." وہ مزید کچھ
سے قبل خاموش ہو گیا۔ بیگم شاہ تیکھے تیوروں کے درمیان اسے تک رہی تھیں
جب حق نواز مزید نہ بولا تو وہ خود بول پڑیں۔

"اور پھر کیا ہوا؟"

"جس شدت سے اسے چاہا تھا اس کی داستان سننے کے بعد اس شدت میں
نہیں ہوئی مزید شدت اور تندی آ گئی۔ اور یہی بات آپ کو پسند نہیں۔

"تمہیں واقعی کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے"۔ بیگم شاہ کا لہجہ تلوار ایسا تھا

"آپ ماں ہیں میرے کرب کو محسوس کر سکتی ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہے
آپ اجازت نہیں دیں گی اور مجھے یونہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہو گا"۔

"بکواس بند کرو لڑکے۔ یہ جذبے وقتی ابال ہوتے ہیں اور پھر یہ کیوں
جاتے ہو کہ ہم شریف لوگ ہیں۔ نہ تو کبھی جھوٹا کھایا ہے اور نہ کبھی کسی کی
پہنی ہے۔ اپنے ان گندے خیالات سے اپنے باپ کو آگاہ مت کرنا۔ میں نہیں چا
ایک پرسکون گھر میں کوئی چنگاری بھڑکے۔ تمہارا مسئلہ شادی کا ہے تو تمہاری
پیام بھیجتی ہوں کہ چاند بیٹی کو ہمارے آنگن میں اتار دے۔ اور پھر ہم دونوں
بات کی کر چکی ہیں۔ چاند کو تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ خوبصورت' سلیقہ م
پڑھی لکھی گھر کی لڑکی ہے"۔

"ماں جان! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ میرا مسئلہ
نہیں محبت ہے۔ ایسی محبت جو میرے سینے کی گہرائیوں سے اٹھی ہے۔ اس میں
قصور نہیں۔ میں محبت کی پہلی نظر کا شکار ہوا ہوں"۔

"عجیب بے تکے لڑکے ہو۔ کیا تمہیں ماں باپ اور خاندان کی عزت کا ذرہ بھر
خیال نہیں۔ خبردار! ایسی سوچیں نکالو ذہن سے۔ اب تمہاری شادی بہت جلد کر دینا
چاہیے مجھے"۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے اٹھیں اور بیٹے پر ایک قہر آلود نگاہ ڈال کر باہر
نکل گئیں۔ ان کے قدموں کی تیزی دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ سینکڑوں
الجھنوں کی سرسراہٹ تھی ان کی چال میں۔ وہ سیدھی انیلا کے کمرے میں آئی تھیں۔
وہ کے نوچ رہے تھے اور انیلا ہر قسم کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے بیڈ پر لیٹی کچھ
رہی تھیں۔ بیگم شاہ کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر بیڈ سے اٹھ گئی۔

"آپ.... فرمایئے؟"

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہمیں تم سے کچھ بہت ہی اہم باتیں کرنا ہیں"۔

"جی فرمایئے۔ میں ہمہ تن گوش ہوں"۔ انیلا بڑے ادب سے بولی تھی۔

"اس گھر میں ایک آگ بھڑک اٹھی ہے اور اس آگ سے ہم اپنا دامن جلانا
چاہتے۔ اگر تم مدد کرو تو ہم اس گھر کا سکون واپس لا سکتے ہیں"۔

"میں سمجھی نہیں۔ آپ کھل کر بات کریں"۔ انیلا کا چہرہ تن گیا تھا۔

"ہمارا بیٹا تمہارے عشق میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ یہ گھر بڑا پرسکون تھا بیٹی لیکن
آنے سے گو ہمیں بہت خوشی ہوئی تھی اور تمہیں اپنی محبت سے دل کھول کر
لیکن اس بات سے بے خبر تھے کہ تمہاری وجہ سے یہ پورا گھر جل جائے گا۔
اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بات ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ لہٰذا
ہم کیا کریں"۔

"آپ حکم دیں تو واپس چلی جاتی ہوں"۔

"اس مسئلے کا حل میں ہے۔ بیٹی"۔

"پھر حل بھی بتا دیجئے جبکہ میرا اس مسئلے سے کوئی واسطہ نہیں"۔

"واسطہ ہے بیٹی۔ اپنا دامن مت بچاؤ۔ تم ہی اس گھر کی بربادی کا محرک بنی

"یہ حکم دیجئے کہ مجھے کیا کرنا ہے"۔

"ہمارے بیٹے کے پاگل پن کو تم ختم کراؤ"۔

"بیٹا آپ کا ہے اور یہ کام میں کیسے کر سکتی ہوں"۔

"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ اپنی خالہ کی بیٹی چاند سے وابستہ ہے۔ اگر

ہوئی تو پورے خاندان میں ہم لوگ ایک تماشا بن جائیں گے۔ اور تماشا تمہاری

سے بنیں گے"۔

"آپ زیادتی فرما رہی ہیں بیگم صاحبہ۔ آپ زبردستی میری ذات کو ٹارگٹ

رہی ہیں جبکہ جرم وار آپ کا بیٹا ہے۔ یہ اس کی ذات کا قصور ہے۔ ہاں اگر میں

ان کی حوصلہ افزائی کی ہوتی تو پھر آپ مجھے گنہگار کہہ سکتی ہیں۔ اور پھر بیگم صاحبہ

نے کبھی بھی کوئی خواب نہیں دیکھا۔ شاید دیکھتی۔ کچھ خواب شاید بن لیتی۔

حالات نے ایسا زہر دیا کہ جینے کی ہر تمنا ہی مٹ گئی۔ ایک زندہ لاش کو کرنل

گھسیٹتے ہوئے اپنے آنگن میں لے آئے۔ آپ لوگوں نے کچھ ایسی محبت دی کہ

جسم میں جینے کی آرزو پیدا ہو گئی۔ لیکن بیگم صاحبہ میں ہے ہر ممکن کوشش

یہاں تک آپ کے بیٹے کو کہہ دیا کہ اگر دوبارہ انہوں نے اظہار محبت کی کوشش

یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی یا پھر اپنے محسنوں کو اس اذیت سے بچانے

خودکشی کر لوں گی۔ اب آپ بتائیں میرا کیا قصور ہے۔ مزید بھی آپ کے لئے

کر گزروں گی"۔

"تمہاری اس گھرانے پر بڑی مہربانی ہو گی۔ میں تمہیں دوش نہیں دیتی۔

ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ چھوٹی بہن کا گھر بھی متاثر ہو گا"۔

"میں ہر ممکن کوشش کروں گی اور پھر میں آپ کے بیٹے کے ساتھ شادی

کرنے لگی۔ اگر آپ کے بیٹے کے دماغ میں گرمی پیدا ہوئی ہے تو میں ہوش

اور میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اپنے محسنوں کو اذیت نہیں دوں گی۔ اب

سر پھوڑنے دیجئے۔ کچھ نہیں ہو گا"۔

یہ تھے وہ الفاظ جو انیلا نے ایک ماں کو تسلی دینے کے لئے ادا کئے تھے

شاہ کسی حد تک مطمئن ہو کر واپس لوٹ گئی تھیں۔ ادھر وہ نکلیں ادھر سونیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طوفان کی مانند کمرے میں داخل ہوئی۔

"ماں جان کیوں آئی تھیں۔ میں خود تمہاری طرف آنے والی تھی۔ ماں جان کو

تمہارے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔ ہاں بولو کیا بات ہوئی؟"

"میری بد نصیبی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی"۔ انیلا ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"ہوا کیا؟"

"آپ کے بھائی جان مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی ماں جان فرما رہی تھیں میں

ان کی مدد کروں۔ کیونکہ ان کا بیٹا بغاوت پر اتر آیا ہے"۔

"تم کیا مدد کرو گی؟" سونیا مسکرا کر بولی۔

"آپ کے بھائی جان کو منہ نہیں لگاؤں گی۔ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی

ہوں"۔

"ویسے انیلا جی میرے بھیا اتنے برے بھی نہیں کہ جناب انہیں منہ نہ

لگائیں"۔ سونیا مصنوعی غصے سے بولی۔

"کیا فرما رہی ہیں آپ؟" انیلا حیرت سے بولی۔

"آئی لو یو مائی انیلا جی۔ آئی لو یو"۔

"ویلکم سونیا۔ لیکن آپ کو اس قدر سنگین مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ یہ گھر میرا

محسن ہے اور پھر میں ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔ پلیز سونیا آئندہ ایسا مذاق مت

کرنا"۔

"انیلا"۔ سونیا ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ "بھائی جان اگر ماں جان سے ٹکرا گئے ہیں

تو اس گھر میں آگ ضرور بھڑکے گی۔ میں جانتی ہوں۔ ہاں میں اپنی ماں جان کو جانتی

ہوں کہ وہ ایک بہو کے روپ میں پسند نہیں کریں گی البتہ بابا جان شاید بھائی جان کا

ساتھ دے جائیں۔ بہتر ہے۔ تم نارمل رہو۔ بھائی جان سے کوئی ایسی بات مت کرنا

جس سے ان کی دل شکنی ہو اور وہ اپنی نظروں سے خود گر جائیں"۔

"مجھے ترغیب مت دو سونیا۔ یہ کسی حالت میں بھی ممکن نہیں۔ ایک داغ دار

زندگی میں نہ جانے کیسے سانس لے رہی ہوں اور ستم یہ کہ اس گھر کی بہو ہونا۔ سونیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دم گھٹ جائے گا میرا"۔

"کہا ہے نارمل رہا کرو۔ ہر بات کو نظرانداز کر دیا کرو"۔

"ہر بات سے تمہاری کیا مراد ہے سونیا؟"

"دیکھو انیلا گھر میں ابھی تو ایک خاموش جنگ شروع ہوئی ہے اور ایک دن یہ جنگ کھل کر سامنے آ جائے گی' لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم صرف تماشا دیکھو"۔

"مجھے احساس ہوا ہے کہ جیسے تم دونوں بہن بھائی ذہنی مریض ہو"۔

"لیکن تم سے پیار کرتے ہیں"۔

"صرف پیار کیجئے' گھر میں چنگاریاں مت اڑایئے۔ سنا تم نے سونیا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں"۔

"تم تو پگلی ہو۔ خوشیاں تمہارے دامن میں آنا چاہتی ہیں۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ"۔

"نہیں اپنی نظروں میں دنیا کوئی انسان نہیں جی سکتا۔ میں وہ اینٹ ہوں جو کرچی کرچی ہو چکی ہے جو کسی بھی دہلیز پر نہیں لگائی جا سکتی۔ ایسے خواب مت دکھاؤ جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں"۔

"پھر بات کریں گے۔ تم اس وقت ذہنی طور پر بہت الجھی ہوئی ہو"۔ اتنا کہہ کر سونیا اٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور انیلا کے ہونٹوں سے کراہ نکل گئی تھی۔ اسے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے۔ جب کرنل صاحب پہلی بار ان کے گھر آئے تھے اور وہ کمرے کی اوٹ میں کھڑی اپنے باپ کے الفاظ سن رہی تھی جو کہہ رہے تھے۔

"کرنل صاحب! بڑی ہمدردی ہے آپ کو اس برباد گھر سے تو لے جایئے اسے۔ اگر آپ کا کوئی بیٹا ہو تو..... ورنہ وہ بدنصیب تو صبح کا تارا ہے"۔ اور کرنل صاحب کا دوست کیپٹن فیاض اسے لے کر یہاں آ گیا تھا اور وہ صرف ماحول بدلنے کے لئے چلی آئی تھی۔ لیکن یہاں تو ہر طرف آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس گھر کی مالکن بہو کے روپ میں پسند تو کیا برداشت تک نہیں کر سکتی تھیں۔ بیٹے کو گولی مار دے گی یا اسے

دھکے مار کر گھر سے نکال دے گی۔ لیکن ایک انہونی بات کو قبول نہیں کریں گی۔ رات بھر وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ لیکن صبح وقت پر اٹھنا نہیں بھولی تھی۔ سب کو بیڈ ٹی دینے کے بعد جب وہ حق نواز کے کمرے کی طرف چائے کا مگ لے کر جانے لگی تو وجود میں ایک طوفان تھا۔ وہ اس گھر کو کسی ان دیکھے طوفان سے بچانا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ حق نواز کو اپنے کسی اچھے انداز سے سمجھا دے کہ طوفانوں میں دیئے نہیں جلا کرتے۔ ان ہی باتوں کو سوچتی ہوئی وہ حق نواز کے کمرے تک جا پہنچی وہ اوندھے منہ بیڈ پر بکھرا پڑا تھا۔

"چائے حاضر ہے۔ میں جانتی ہوں آپ جاگ رہے ہیں۔ کب تک اپنے آپ کو اور گھر کو فریب دیتے رہیں گے"۔ اتنا کہہ وہ جیسے ہی پلٹی حق نواز جیسے تڑپ اٹھا ہو۔

"سنو!" وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور وہ رک گئی۔

"میری طرف دیکھو"۔ حق نواز نے تڑپ کر کہا۔

"کچھ کہنا ہے تو کہہ دیجئے میرے کان تو عادی ہو گئے ہیں کچھ نہ کچھ سننے کے"۔ انیلا نے جیسے بیزاری کا انداز اپنایا ہو۔

"اس آگ میں۔ میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔

"کون سی آگ۔ کیسی آگ۔ آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں"۔

"انیلا میری دیوانگی' میرا جنون مجھے بہت آگے لے جا چکا ہے میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا"۔

"یہ جاننے کے باوجود کہ ایک چلتا پھرتا اشتہار ہوں۔ یہ سن کر بھی کہ مجھے دو انسانوں نے ایک عرصے تک اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ میری کہانی جان لینے کے بعد تو آپ کو میرے سائے سے بھی نفرت ہو جانا چاہیے تھی"۔

"تمہاری کہانی سن کر تو میری محبت میں میرے جنون اور دیوانگی میں اور شدت پیدا ہو گئی ہے"۔

"میں تاریک راہوں کی مسافر ہوں۔ آپ مجھے آواز نہ دیا کریں اور پھر وہ گیا وقت ہوں جو لوٹ کر نہیں آیا کرتا۔ مجھے آپ خواہ مخواہ پریشان کرتے رہتے ہیں"۔

"میرے قریب آؤ"۔ وہ جیسے سسک پڑا ہو۔

"دیکھئے مسٹر حق نواز! مجھے یہ محبتیں' عشق پیچیدے نہیں آتے یہ سب بکواس اور فضول چیزیں ہوتی ہیں اور پھر اس گھر نے مجھے بہت عزت دی ہے آپ چاہتے ہیں کہ اس گھر کی مالکن دھکے دے کر مجھے باہر پھینک دے۔ آپ اس گھر کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ آپ سے اس گھرانے کی نسل بڑھے گی اور آپ ہیں کہ مجھے میری ہی نظروں میں گرانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ خدا کے لئے میری عزت آبرو اور بھرم کا کچھ تو خیال کیجئے"۔ اتنا کہہ کر انیلا تیزی سے باہر نکل گئی اور سیدھی اپنے بیڈ روم میں آ کر بیڈ پر گر گئی تھی اسے پہلی بار حق نواز کو دیکھ کر احساس ہوا تھا کہ کوئی انسان اسے اس حد تک چاہ سکتا ہے کہ مرنے کی باتیں کرے اور یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ایک باسی پھول ہے' اس کی تر و تازگی اور خوشبو چرائی جا چکی ہے۔ انیلا کے اندر پہلی بار دھواں سا بھرا اور وہ سوچنے لگی کہ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ ایک پیار کرنے والے دل سے اس قدر دور رہتی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتی۔ آج ایک بار پھر اس نے اپنے آپ کو بے بس' مجبور اور لاچار پایا۔ ایک اس وقت جب وہ دو پولیس والوں کے ہاتھوں ایک کھلونے کی مانند ٹوٹتی بکھرتی رہی۔ ایک دوسری بار جب کوئی محبت کرنے والا پیدا ہو گیا۔ وہ عورت جس کا نام بیگم شاہ تھا اسے جینے نہیں دے گی۔ وہ یہ برداشت نہیں کرے گی کہ ایک غریب کسان کی بیٹی جسے دو کتے دن رات نچواتے رہے اس کی بہو بنے اور نہ ہی وہ خود کوئی ایسا خواب دیکھنا چاہتی تھی۔ قسمت نے اسے ایک عجیب دو راہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ گھر کی مالکن کی نظروں میں وہ گر چکی ہے۔ ایک مجبور اور ایک حادثے کی ستائی لڑکی جان کا انہوں نے اپنائیت دی تھی لیکن اب ان کی اپنی عزت پر بن آئی تھی وہ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ایک دم رو پڑی مدت ہوئی اس کی آنکھوں کی پتلیاں خشک ہو چکی تھیں وہ اپنے آپ پر لعنت بھیج کر بے حس ہو چکی تھی۔ لیکن اچانک اس پتھر پر چوٹیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں اور وہ چوٹیں کب تک برداشت کرتی۔ آخر کب تک؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل شاہنواز نے اخبار کو نفرت سے ایک طرف پھینک دیا ان کے ہونٹوں سے کراہٹ سی نکلی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ناممکن۔ قطعی ناممکن۔ ایسا ہو سکتا ہی نہیں"۔

"کیا ہوا کرنل صاحب۔ پھر کوئی بلڈ پریشر بڑھانے والی خبر پڑھ لی"۔

"انہونی ہو گئی بیگم۔ یہ ہونا چاہیے ہی نہیں تھا"۔ وہ جیسے چلا پڑے ہوں۔

"آخر ہوا کیا؟"

"یہ پوچھئے کیا نہیں ہوا؟" وہ جیسے کراہ پڑے ہوں۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"خدا خیر کرے' کچھ بتایئے تو سہی"۔

لیکن کرنل نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور بیڈ پر چت لیٹ گئے تھے۔ کچھ دیر قبل انیلا انہیں بیڈ ٹی دے کر گئی تھی اور وہ اس وقت اخبار پڑھ رہے تھے اور چائے وہیں پڑی ہوئی تھی اور وہ اسے چھوئے بغیر دراز ہو گئے تھے۔ بیگم شاہ نے شوہر کی بات سے جواب نہ پا کر انہوں نے چائے کا مگ ایک طرف رکھا اور اٹھ کر اخبار اٹھا لیا اور جیسے ہی ان کی نظریں ہیڈ لائن پر پڑیں وہ خود ساکت ہو گئیں۔

"کارگل سے فوری طور پر فوجوں اور مجاہدین کو واپسی کا حکم دے دیا گیا ہے"۔

بیگم شاہ جان گئی تھیں کہ ان کے شوہر کو کس خبر نے متاثر کیا تھا۔ انہوں نے شوہر کو مترحم نگاہوں سے دیکھا اور بولیں۔

"یہ حکومتی معاملات ہیں شاہ جی۔ آپ خواہ مخواہ اثر لے گئے ہیں۔ شاید کوئی مجبوری رہی ہو"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجبوری۔ کیسی مجبوری"۔ وہ پھر یک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور غرا کر بولے۔

"زندگی میں پہلی بار۔ پون سالہ دور میں پہلی بار ہم نے دشمن کے سر رکھا تھا اور میاں صاحب باغ جناح میں کرکٹ کھیلتے اچانک امریکہ چلے گئے اور آ دیکھے معاہدے پر دستخط کر آئے۔ یہ ہے ہماری قوم کی سب سے بڑی بد صی ایٹمی طاقت بن چکے ہیں۔ ہم لوگوں کو برابری کی سطح پر بات کرنا چاہیے۔ ایک طریقے سے سامنے والے کو مخاطب کرنا چاہیے۔ نہ کہ ایک جیتی ہوئی جنگ جم دشمن کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا تھا اور ہو رہی تھی۔ اچانک اپنی فتح کو میں بدل لینا یہ کہاں کی دانشمندی ہے"۔ کرنل شاہ کی آواز فرط جذبات سے کانپ تھی۔

"حکومت کرنے والے بے وقوف نہیں ہیں۔ کوئی مصلحت رہی ہو گی"۔

"مصلحت۔ کیسی مصلحت۔ نہیں بیگم ایسے فوج کا مورال گرتا ہے۔ صرا دن کی تو بات تھی۔ چالیس ہزار آدمی دشمن کا پھنس جانا تھا۔ برف باری شروع والی تھی۔ ان کی رسد کا راستہ کٹ جانا تھا اور ادھر کشمیر میں سات لاکھ فوجی ب سال سے کشمیری بھائیوں پر ظلم کر رہے ہیں اور قتل و غارت کا بازار ہی نہیں رکھا ہماری بہو بیٹیوں اور بہنوں کی عزتیں بھی غیر محفوظ ہیں ان کے تقدس کو پائمال کیا جا رہا ہے۔ نہیں بیگم یہی وقت تھا جب ہم ان کی گردن پر پاؤں رکھ پر بات کر سکتے تھے۔ برا ہوا۔ بہت برا ہوا۔ یہ وقت پھر لوٹ کر نہیں آئے گا بیگم۔ اب وہ وقت جو نکل گیا ہے ہاتھ نہیں آئے گا۔ بالکل نہیں آئے گا"۔

"ہو سکتا ہے ایٹمی جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا ہو؟" بیگم شاہ دور کی کوڑی لا

"کس بات کا ایٹمی خطرہ؟ ہم خود ساتویں ایٹمی قوت ہیں۔ دنیا میں کبھی ای ہوا کہ کسی ایٹمی قوت رکھنے والے نے دوسرے ایٹمی قوت رکھنے والے کو للکارا واجپائی منتخب وزیراعظم ہی کب ہے کہ وہ اس قسم کی حماقت کرتا۔ نہیں بیگ حکومت چلانے والے نے اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے غلطیاں قوم معاف کرنے کی عادی نہیں۔ اس خبر کے بعد کسی بہت بڑے طوفان

کرنا پڑے گا اس قوم کو"۔

"خدا نہ کرے۔ کیسا برا وقت اور کسی قسم کا برا وقت"۔ بیگم شاہ پریشان ہو گئیں۔

"آپ کیا سمجھتیں ہیں کہ پاک فوج صرف سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے۔ نہیں بیگم یہ قوم کی ماں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کی بھی رکھوالی کرتے ہیں۔ سرحدوں پر ہم گولہ بارود سے نہیں لڑتے۔ وہاں جذبے لڑتے ہیں اور جذبے ایمان والوں کے پاس ہوتے ہیں۔ یہ دنیا کی واحد فوج ہے جو کرائے کی نہیں خریدی جا سکتی۔ ایمان افروز جذبوں اور ملک کی سلامتی کے لئے لڑتی ہے۔ ایسے جذبوں والی فوج دنیا کے کسی ملک کے پاس نہیں ہے بیگم۔ پھر بھی ہم نے کیوں کارگل سے واپسی کا حکم دیا۔ یہ تو بدترین شکست کا اعتراف ہے"۔

"آپ اپنا خون کیوں جلا رہے ہیں۔ ختم کریں۔ پون سال سے ملک چل ہی رہا ہے نا"۔

"پہلے ہم رینگ رہے تھے۔ دوسروں کے محتاج تھے۔ ہر آنے والی حکومت قرضے لیتی تھی۔ اپنے ووٹ پکے کرنے کے لئے بطور رشوت کروڑوں روپیہ ہر ایک کو دیا جاتا تھا پھر بھی حکومتیں اتنی ناقص کارکردگی کی وجہ سے ناکام ہو جاتی تھیں۔ سپاہی تو صرف سپاہی ہوتا ہے۔ ملک کی سلامتی پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ جب ہم نے اپنی فتح کو خود شکست میں بدلا ہو گا تو کیا فوج کے اندر بے دلی نہیں ہوئی ہو گی۔ کیا سرکشی کے آثار نمودار نہیں ہوں گے۔ کیا بغاوت کے امکانات پیدا نہیں ہوں گے۔ اگر پھر جمہوریت کو ذبح کر دیا گیا تو اس ملک کا کیا بنے گا"۔

"آپ کا مطلب ہے فوج ملکی انتظام نہیں چلا سکتی"۔

"یہ بات ہم سب کر رہے ہیں۔ تین بار فوج نے ملکی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ پہلا دور طویل دور تھا۔ کچھ بھی تھا ملک نے ترقی کی تھی۔ انڈسٹریز ڈویلپمنٹ بہت زیا ہوئی تھی اسلام آباد وجود میں آیا تھا۔ دوسرا دور ناکام ترین دور تھا۔ ملک دو ٹکڑ گیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے اس ناکامی میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ بہت سے پہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے نقاب ہوتے ہیں۔ تیسرا دور حکمت عملی کا تھا۔ جنرل ضیاء نے امریکہ سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ لیکن ہوا کیا۔ جمہوریت جب بھی آئی فائدہ کن لوگوں نے اٹھایا؟

"کن لوگوں نے اٹھایا اور ہاں ذرا رکئے میں آپ کے لئے چائے کا کہہ دوں۔ بلکہ میں خود ہی لے آتی ہوں آپ کی چائے تو ٹھنڈی ہو گی۔ بیگم شاہ شوہر کو اس قدر پریشان دیکھ کر تیزی سے اٹھیں تھیں اور بیڈ روم سے باہر نکل گئیں تھیں۔ وہ ایک فوجی کی بیوی تھیں جان گئی تھیں کہ یہ لوگ ملکی مفاد کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہوتے ہیں۔ کارگل سے فوجوں کی واپسی کو ایک ریٹائر کرنل نے پسند کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ شاید بہت برا ہوا تھا۔ جب وہ چائے کا تازہ مگ لے کر واپس لوٹیں تو وہ بھی سنجیدہ تھیں۔

"شکریہ بیگم! اس وقت واقعی چائے کی اشد ضرورت تھی"۔ پھر انہوں نے گھونٹ لیا اور بولے۔

"ہاں تو آپ سے کہہ رہے تھے کہ جمہوریت سے فائدہ کون لوگ اٹھاتے ہیں اور یہ کن لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔ تو وہ چند ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہیں۔ مثلاً" ان لوگوں میں بیوروکریٹس' جاگیردار' سرمایہ دار ٹولہ' وڈیرے اور سیاست دان اور باقی وہ لوگ جو حکومتی ٹولے میں ہر دور میں شامل رہتے آئے ہیں۔ صرف چہرے بدلتے رہے لیکن خاندان وہی رہے اور وہی ان کا نظام حکومت رہا کہ قرضے لو اور ہڑپ کر جاؤ۔ قوم کا پیسہ دونوں ہاتھوں سے لوٹو۔ قرضوں کو ری شیڈول کروا لو اور پھر اپنے آپ کو دیوالیہ ثابت کر کے اپنی گردن ہی نہیں بچاتے بلکہ تمام قرضہ ہضم کر جاتے ہیں اور وہ پیسہ کوئی معمولی نہیں ہوتا کھربوں روپے ہوتا ہے۔ ہاں جمہوریت ان لوگوں کے لئے اور ہمارے ہاں جمہوریت میں اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ تھانے بکتے ہیں ڈاکے پڑتے ہیں۔ گینگ ریپ ہوتے ہیں۔ قتل ہوتے ہیں۔ رشوت خوری کرپشن انتہا ہو جاتی ہے۔ جس کے پاس جس قدر طاقت ہوتی ہے وہ اسے دس گنا بڑھا استعمال کرنا ہے اور سب سے بڑی بات اس ملک کی جمہوریت کی یہ ہے کہ محنت آزادی چھین لی جاتی ہے حالانکہ یہ سب کچھ جمہوریت کا حصہ نہیں۔ لیکن ہاں سا

سے ہمارے سروں پر حکومت کرنے والے صرف اپنا الو سیدھا کرتے ہیں اور چلتے بنتے ہیں"۔ اتنا کہہ کر انہوں نے پھر دوسرا گھونٹ لیا اور کراہ کر بولے۔

"سب سے زیادہ نقصان تیرہ چودہ کروڑ عوام کو پہنچتا ہے۔ وہ غریب جمہوریت کے خواب دیکھتے ہیں۔ انہیں ہاون سال ہو گئے آزاد ہوئے لیکن وہ ابھی بھی غلام ہیں۔ ہر آنے والی حکومت جمہوریت کے نام پر مہنگائی کا تحفہ دیتی ہے۔ بجلی کے بل پر اس قدر ایکسائز ڈیوٹی لگا دی جاتی ہے کہ چھوٹا سا بل بھی لمبا ہوتا چلا جاتا ہے اور خود اصل بل شرما جاتا ہے کہ کیا میں اس قدر ہی اہمیت کا حامل ہوں۔ لیکن بیگم یہ ملک جمہوریت کے نام پر چل سکتا ہی نہیں۔ ہمیشہ اس پر وڈیروں' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے حکومت کی۔ کوئی نیچے سے آدمی اوپر نہیں آ سکا۔ یہ سب لوگ مفاد پرست تھے اپنی اپنی بولیاں بولیں سرمایہ ہڑپ کیا اپنوں میں بانٹا اور چلتے بنے۔ یہ ملک زندہ کیسے ہے میری سمجھ میں نہیں آتا"۔

"آپ چائے پئیں پھر ٹھنڈی ہو رہی ہے"۔ بیگم شاہ نے انہیں سہارا دیا اور انہوں نے پھر ایک گھونٹ بھرا اور پھر بڑے تاسف سے بولے۔

"یہ ملک خدا کے سپرد ہے۔ ہم لوگوں نے ہماری مراد حکمران ٹولوں سے ہے' کم زیادتی نہیں کی اور اس وقت سب سے بڑی زیادتی کارگل سے فوجوں کی واپسی ہے جو لم از کم ہمارے علاوہ پوری قوم کو ہضم نہیں ہو رہی ہو گی۔ میاں صاحب زندگی کی بہت بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں۔ آج نہیں تو کل انہیں اس غلطی کی سزا بھگتنا پڑے گی اور ساتھ پوری قوم کو بھگتنا پڑے گی۔ وہ پھر چائے پر جھک گئے تھے۔ بڑے دکھی ہو رہے تھے"۔ اسی لمحے کیپٹن فیاض کا فون آ گیا اور پھر وہ پھر غرا اٹھے۔

"یار آ جاؤ۔ بہت پریشان ہیں ہم۔ بیگم سے یہی بات کر رہے تھے کارگل سے فوجوں کی واپسی کی ان دیکھے طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آ جاؤ دوپہر کا کھانا اکٹھے کھائیں گے۔ بہت سے کھانے تم ادھار کر چکے ہو۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ہم انتظار کریں گے"۔ انہوں نے رسیور رکھ دیا اور بقیہ چائے کا بڑا سا گھونٹ لے کر مگ انہوں نے خالی کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا کیپٹن فیاض آ رہے ہیں؟" بیگم شاہ ایک انداز سے بولیں۔

"ہاں! ذرا لگے ہاتھوں انیلا سے کہہ دو کڑاہی گوشت تیار کرے۔ وہ بہت ہے"۔

"جی بہتر میں تیار کروا دیتی ہوں"۔ بیگم شاہ اٹھ گئیں۔

پھر کیپٹن فیاض کی آمد ٹھیک دو بجے ہوئی تھی۔

"امید ہے میرے یار نے کڑاہی گوشت تیار کروایا ہو گا۔ لیکن یقین جا پر تکلف کھانا زہر لگے گا۔ ادھر میں نے اخبار پڑھا اور تمہیں فون کر دیا۔ معلو اس قدر فیصلہ کیا سوچ کر کیا گیا"۔ کیپٹن فیاض خود بھی بڑا دکھی ہو رہا تھا۔

"میاں صاحب تو ہمیں فرمائیں گے کہ قوم کے مفاد میں یہ بہترین فیصا ہے اور آنے والا وقت اس کے فائدے ظاہر کر دے گا"۔ کرنل شاہ کا چہرہ تمتما

"میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں دوست یہ فیصلہ ٹھونسا گیا ہے جو امر نے چاہا منوا لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی جبکہ ایٹمی قوت بن کوئی ہم سے زبردستی اپنی مرضی ٹھونس سکے"۔

"یار! دکھ بھی اسی بات کا ہے۔ چلو کھانا لگ چکا ہے۔ جیسے تیسے اسے ز لیں"۔ کرنل نے بات ختم کر دی۔

"انیلا بیٹی کیسی ہے؟

"خوب مزے میں ہے۔ اسے بیگم نے بتا دیا ہو گا کہ تمہارے انکل رہے ہیں"۔

"یار کیپٹن انکل فیاض کہتے تو زیادہ خوشی ہوتی۔ یہ رینک ہی تو ہماری جوانمردی اور خدمات کا اعزاز ہوتے ہیں"۔

"سوری کیپٹن فیاض۔ ویری سوری۔ اپنے دکھ میں تمہارے رینک کا خیا رکھا گیا"۔

اور کیپٹن فیاض دھیرے سے مسکرا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ کھانے کی ٹیبل دو افراد کا اضافہ ہوا تھا۔ انیلا اور سونیا کا۔ دونوں نے کیپٹن فیاض کو سلام کیا۔

"جیتی رہو۔ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟

"اے ون کیپٹن انکل"۔

"مزید جیتی رہو' اور تم انیلا خاتون"۔ کیپٹن فیاض کا انداز بڑا مربیانہ تھا۔

"آپ کی دعا سے اور اس گھر کے ہر فرد کی محبتوں' چاہتوں سے دامن بھرا ہوا ہے"۔

"جیتی رہو۔ سدا خوش رہو۔ خدا تمہیں ہر غم سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین"۔

اور پھر کھانا نہایت خاموشی سے ختم ہوا اور دونوں دوست ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ تب کیپٹن فیاض بولا۔

"اس ناگہانی فیصلہ پر دکھی تو پوری قوم ہو گی لیکن یار کرنل! ہم اس پوزیشن میں تھے کہ فوج کو واپسی کا حکم دیتے۔ اس طرح تو فوج کا مورال گرا"۔

"ہاں بہت برا گرا"۔

"اندازہ ہے کچھ کہ آنے والا وقت کیا ہو گا؟"

"بھاری مینڈیٹ کے بوجھ تلے پوری قوم دبی پڑی ہے۔ یہ فیصلہ میاں صاحب ان میں بہت برے نتائج لا سکتا ہے"۔

"یقیناً" ایسا ہو گا اور ہو سکتا ہے بہت جلد انہیں واپسی کا راستہ دکھا دے"۔

"مشکل ہے ابھی۔ سب ادارے کنٹرول میں ہیں۔ ان پر میاں صاحب کا کافی اثر و رسوخ ہے۔ شاید چیخ و پکار کم ہو۔ لیکن عوام اس فیصلے کو قبول نہیں کریں گے اور اگر وہ اٹھی تو لب خاموش فریادی ہوں گے"۔

"یقیناً ایسا ہی ہو گا ادھر دیکھو واجپائی صاحب کیسے چلا رہے ہیں جیسے انہوں نے معرکہ مارا ہو اور پھر سفارتی سطح پر ان لوگوں کا پروپیگنڈہ بڑا کامیاب جا رہا ہے۔ ہمارے سفارت کاروں کو اور حکومتی ٹولے کو سانپ سونگھا ہوا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے"۔

"کیپٹن فیاض ہم بلوں سال پھر پیچھے چلے گئے ہیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ مصلحت کوشی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی ہر کوئی خاموش احتجاج کر
گا"۔

"فائدہ کیا ہو گا۔ سارا کریڈٹ واجپائی صاحب لے جائیں گے اور شاید کوئی
نہیں وہ اسی کریڈٹ کی وجہ سے الیکشن جیت جائیں"۔

"ہوں! آپ درست فرماتے ہیں کرنل شاہ۔ عین ممکن ہے کہ یہ بات واضح
پر سامنے آجائے"۔

"اخبارات کے اداریے پڑھنے والے ہیں ہم نے روزنامہ جنگ نوائے وقت
دی نیشن کے اداریے پڑھے میاں صاحب کے اس فیصلے پر کوئی بھی خوش نہ
اپوزیشن تو پھر شور مچائے گی لیکن حکومتی ٹولہ بالکل خاموش ہے"۔

"میاں صاحب کی امریکہ سے واپسی پر ان سے گائیڈ لائن لے کر بولیں گے"

"دیکھو کیپٹن فیاض! قوم کب تک پستی رہے گی۔ مجھے کچھ دن قبل اپنے بھا
کے پولیس اسٹیشن جانے کا اتفاق ہوا' حق نواز بیٹے کو پرس مارنے کے جرم میں ا
نے پکڑا ہوا تھا اور حیرت انگیز بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ایک چھوٹے سے انسپکٹر کو
کرتے وقت یہ احساس ہی نہیں تھا کہ پاک آرمی کا ریٹائر کرنل اس سے بات کر ر
جیسے کہ اس کی نظروں میں ایک ریٹائر آفیسر کی کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ اس سے
بات جو ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ تھانہ کلچر اور ملک پولیس ا
بن چکا ہے اپنی مرضی کرتا ہے۔ بڑے چھوٹے کا ادب ہی نہیں۔ یار کیپٹن فیاض!
شرمندگی ہوئی یہ دیکھ کہ کہ ایک پولیس انسپکٹر جب کرنل رینک کے کسی آفیسر
مخاطب ہو رہا ہے تو اس کا لہجہ روایتی پولیس والے کا تھا"۔

"شاید اس ملک کی یہی جمہوریت ہے"۔

"اگر یہ ہے تو پھر لعنت ہے"۔ کرنل شاہ غرا اٹھے۔

"جمہوریت والے بیورو کریٹس زندہ باد"۔

"جمہوریت والے وڈیرے۔ زندہ باد"۔

"جمہوریت والے جاگیردار۔ زندہ باد"۔

"جمہوریت والے سرمایہ دار۔ زندہ باد"۔

"کیونکہ جمہوریت کا یہی شور مچاتے ہیں سیاست دان۔ اس لئے زیادہ شور مچاتے
ہیں کہ انہوں نے بھی لوٹ مار میں سے حصے دار بننا ہوتا ہے۔ ہر کوئی تو لوٹ رہا ہے
اس ملک کو۔ ہر طرف رشوت کے بازار گرم ہے۔ وزیراعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ
معلوم ہے تھانوں میں کیا ہوا ہے رشوت خوری اور بدیانتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی
ہے۔ غریب کو انصاف فراہم نہیں کیا جاتا۔ سب کو ٹھیک کر دوں گا لیکن ہوا کیا دو
اڑھائی سال میں سینکڑوں بار یہی بیان دیا لیکن عمل زیرو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولیس
مزید شیر ہو گئی ان کی ناانصافیوں سے اخبارات ہر روز بھرے ہوتے ہیں۔ آہ۔ یہ کیسی
جمہوریت ہے کہ انسان سے جینے کا حق اور شخصی آزادی چھین لی جائے"۔

"سچ کہتے ہوئے کیپٹن فیاض! اسی بات کا تو رونا ہے۔ قومی دولت میں ہر کوئی
حصے دار بنا ہوا ہے۔ قوم غریب سے غریب اور ہر دور کا حکمران ٹولہ امیر ترین ہوتا جا رہا
ہے"۔

"چائے منگوایئے کرنل شاہ۔ منہ بہت کڑوا ہو رہا ہے"۔

"بیگم کو وقت معلوم ہے اور انیلا بیٹی کو بھی علم ہے کہ چائے کتنے بجے دینا
ہے"۔ اتنا کہہ کر کرنل نے ایک آہ بھری اور دیوار پر آویزاں اپنی تصویر کو دیکھنے لگے
جہاں اپنی فوجی وردی میں بڑے کرو فر سے کھڑے تھے۔

زیبا انوار کو اپنے گھر شفٹ ہوئے دوسرا دن تھا وہ اپنے ساتھ جیراں کو لے آئی تھی اور جیراں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ حویلی والوں سے جان چھوٹی۔ چھوٹے میاں سو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ۔ عزت ہی محفوظ نہیں رہی تھی۔ ہلاکو خان کے چاروں آدمی زیبا انور کے مکان کے دوسرے حصے میں جو نیا بنایا گیا تھا ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ زیبا انور کے رکھو لے تھے جن کو ہلاکو خان نے سخت قسم کی ہدایات دے رکھی تھیں کہ زیبا انوار کو کسی حالت میں تنہا نہ چھوڑا جائے اور ان کی حفاظت کی جائے یہی وجہ تھی کہ چاروں کے لیڈر نے زیبا انوار کو بڑے ادب سے گزارش کی تھی کہ ان میں سے کسی کو لئے بغیر آپ گھر سے باہر کا سفر نہیں کریں گی۔ جب ایک گھوڑا گاڑی زیبا انوار کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تو وہ چاروں چوکنے ہو گئے لیکن پھر ایک خوبصورت دوشیزہ کو گھوڑا گاڑی سے نکلتے دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ آنے والی خان آفریدی کی بیٹی اور اکبر آفریدی کی بہن نازو تھی جو شہر سے لوٹ آئی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو جیراں برآمدے سے گزر رہی تھی۔ نازو کو دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ چھوٹی سرکار! آیئے تشریف لایئے"۔

"تمہاری نئی مالکن کو ملنے آئے ہیں۔ چاہتے تو انہیں حویلی میں بلوا لیتے لیکن اکبر بھائی نے بتایا کہ وہ انہیں پسند کر بیٹھے ہیں"۔ نازو کا انداز بڑے لئے دیئے ہوئے تھا جیسے اپنے بڑے پن کا غماز ہو۔

"آیئے تشریف لایئے وہ اپنے بیڈ روم میں ہیں"۔ جیراں ادب سے بولی۔

اور نازو بڑے ولیرانہ انداز میں جیراں کے ساتھ چلتے ہوئے زیبا انوار کے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں داخل ہوئی۔

"باجی! چھوٹی سرکار حویلی سے آئی ہیں"۔

"ویلکم نازو! حویلی میں رہائش کے دوران آپ کا انتظار رہا۔ آیئے تشریف رکھئے۔ زیبا انوار بڑی اپنائیت سے پر تکلف انداز سے بولی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ میزبانی کا شرف حاصل نہ کر سکے' آپ سے مل کر خوشی ہوئی"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی' پھر مزید کہنے لگی۔

"بھائی بتا رہے تھے کہ آپ یہاں کھیتی باڑی کا کام کرنا چاہتی ہیں اور بہت پڑھی لکھی بھی ہیں"۔

"اتنا زیادہ بھی نہیں نازو اور جہاں تک کھیتی باڑی کا تعلق ہے تو یہ میرا ایک شوق تھا کہ دیہاتی زندگی اپناؤں۔ خدا نے ایک موقع دیا اور میں یہاں آ گئی۔ آپ کے ابا حضور اور آپ کے بھائی اکبر کی مشکور ہوں کہ انہوں نے بہت تعاون کیا"۔

"تعاون کیوں نہ کرتے آپ جو بھائی اکبر کے دل پر دستک دے بیٹھی ہیں"۔

"نہیں ان کی پسند ہوں میں نے ابھی انہیں پسند نہیں کیا"۔

"واہ۔ شاندار۔ خوب کہا آپ نے"۔ نازو ہنس پڑی۔

"یہ انداز آپ نے شاید اپنے بھائی سے سیکھا ہے"۔

"شاید انہوں نے ہم سے سیکھا ہے"۔ وہ پھر ہنس پڑی۔

"کیا پئیں گے آپ"۔

"کچھ نہیں صرف آپ سے باتیں کریں گے۔ ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بھائی اکبر کو پسند نہیں کرتیں"۔

"میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہی البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ انہوں نے مجھے پسند کیا اور میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا"۔

"بات تو وہی ہوئی جو ہم نے کہی۔ بہرکیف کیا ارادے ہیں؟"

"اچھے ارادے میں میرے سرپرست آ جائیں تو ان سے بات کروں گی۔ اکبر بہت اور شخصیت کے مالک ہیں اگر ایسا ہو گیا تو خوش نصیب کہلاؤں گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت خوبصورت الفاظ ہیں آپ کے حویلی میں اگر آپ آ گئیں تو رونق جائے گی وہاں"۔

اور تب زیبا انوار مسکرا دی۔

"اور وہ جو حادثہ آپ کے ساتھ پیش آیا۔ بھائی اکبر بتا رہے تھے کہ آپ کا کزور ملا۔ جس سے آپ نے یہاں آ کر گھر بنایا اور زمین خریدی"۔

"جی"۔ زیبا کے لہجے میں زہر بھر گیا تھا۔

"چلو اچھا ہوا آپ کو معاوضہ ملا۔ کم از کم زندگی تو بہتر گذر جائے گی"۔

"زندگی تو گزر جاتی ہے ان عورتوں کی بھی جو مفت میں عزت گنوا دیتی ہیں آپ کے بھائی نے نصیبو نامی دوشیزہ کی عزت پر ہاتھ ڈال دیا تھا اور سنا ہے اس غر ننگا کر کے کھیتوں میں دوڑایا گیا"۔

"کس سے سنا؟" نازو کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"پورا ندی پور جانتا ہے یہ تماشا کسی حویلی کے بند کمرے میں تو نہیں محترمہ عزت مآب نازو صاحبہ"۔

"اوہ! ہم بھول گئے تھے کہ ایک پڑھی لکھی تعلیم یافتہ خاتون سے محو گفتگ ویسے زیبا انوار صاحبہ یہ بڑے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے کھیل ہوتے ہیں اور دہرانے والا یا یاد کروانے والا بدنصیب ہوتا ہے۔ یہاں یہ رواج نہیں ہے۔ یہاں اپنا قانون ہے اور اس خاندان کے تابع پورا ندی پور ہے کیونکہ آپ ہم وڈیرہ رسم و رواج سے واقف نہیں ہیں اس لئے از راہ ہمدردی آپ کو خبردار کر رہ کہ حویلی والوں کے لئے اچھی بری بات اتنے چھوٹے منہ سے نہیں نکالتے"۔

"شکریہ نازو۔ آپ نے ہمیں خبردار کر دیا۔ میں واقف نہیں تھی"۔

"جیسے کہ نصیبو"۔ زیبا انوار مسکرائی۔

"آپ کے سر پر نصیبو کیوں سوار ہے زیبا انوار"۔

"عزت غریب کی ہو یا کسی وڈیرے کی برابر ہوتی ہے۔ محترمہ عزت صاحبہ"۔

"آپ بہت اچھا بولتی ہیں' لیکن میرے مشورہ ہے کہ کم بولا کریں"۔

"میں یہ بھی یاد رکھوں گی"۔ زیبا انوار پھر مسکرائی۔

"آپ کی مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے محترمہ زیبا انوار"۔

"شکریہ"۔

"ہاں تو جیراں تم ہمارے ساتھ چلو گی"۔ اچانک نازو نے جیراں کو مخاطب کر لیا ور جیراں کا رنگ زرد پڑ گیا اور زیبا انوار اسی وقت بول پڑی۔

"شاید آپ کے علم میں یہ بات نہیں کہ آپ کے بھائی اکبر خان آفریدی' جیراں کو ہمیں بطور بخشش دے چکے ہیں اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ بخشش کے طور پر دینے والی شے کو دوبارہ لینے کی کوشش کی گئی ہو"۔

"اوہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہماری ذات سے وابستہ شے کو بھائی نے بخشش کر دیا ہو۔ ویسے یہ ان کو حق حاصل نہیں تھا اس لئے...."

"پلیز عزت مآب نازو صاحبہ آپ پہلے حویلی جا کر اپنے بھائی اکبر خان آفریدی سے بات کر لیں تو بہتر ہو گا"۔

"ہمیں حق حاصل ہے کہ اپنی چیز واپس لے جائیں"۔ نازو شاہانہ انداز میں بولی

"طاقت سے چیزیں ٹوٹتی ہیں یہ تو آپ کو معلوم ہو گا"۔

"معلوم تو بہت کچھ ہے لیکن بھائی نے اجازت نہیں دی کہ آپ سے دوسرے انداز سے گفتگو کی جائے۔ آپ یہاں ہماری ایک چپہ زمین کی مالک ہیں جبکہ پورا ندی پور ہمارا ہے۔ چلتے ہیں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ اور ہاں نصیبو جیسی سینکڑوں لڑکیاں دوسروں کے دل بہلانے کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور یونہی مر جاتی ہیں۔ عزت والوں کی ہوتی ہے جو طاقتور ہوں' قدآور ہوں اور ہم جیسے وڈیرے ہوں۔ اللہ حافظ۔ آپ کے لئے دعاگو ہوں"۔ اتنا کہہ کر وہ بڑی تیزی سے اٹھی تھی اور بیڈ روم سے نکل گئی۔

"یہ کیا گفتگو کر رہی تھی باجی"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک کر رہی تھی کیونکہ جمہوریت ان جیسے لوگوں کو پاؤں تلے بند ھی ہے۔ لیکن تم کیوں فکرمند ہوتی ہو۔ میں ہوں نا"۔

"آپ تو مجھ سے زیادہ خطرے میں ہیں"۔

"مجھے احساس ہے کہ ہلاکو خان نے غلط لوگوں پر اعتماد کیا۔ اب چنگیز کو کوشش کروں گی کہ جلد از جلد اس وڈیروں سے جان چھڑا لوں"۔

"مم.... میرا کیا بنے گا؟"

"جو کچھ میرا بنے گا۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گی"۔ زیبا انوار پر تفکر میں بولی پھر چونک کر بولی۔

"یہاں پولیس اسٹیشن تو ہو گا"۔

"پولیس اسٹیشن تو ہے لیکن آپ نے کیوں پوچھا؟"

"ایسے ہی۔ ویسے وہاں کا انچارج حویلی میں آتا جاتا ہو گا"۔

"ہر آنے والا نیا انچارج پہلے حویلی آ کر خان آفریدی کو سلام پیش کرتا، اپنی کرسی پر بیٹھتا ہے"۔

"یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔ پولیس تو ان جیسے لوگوں کے گھر لونڈی ہوتی ہے۔ پھر انصاف کہاں سے ملے گا۔ ہونہہ"۔

"کیا شہر میں انصاف ملتا ہے باجی؟"

"وہاں بھی بیوروکریٹس، سرمایہ دار، سیاست دان اور حکومت کے عہدے لوگوں کا قانون ہے"۔

"یہ کیسی جمہوریت ہے باجی"۔

"بس ایسی ہی ہے ہماری گونگی، بہری اور اندھی ہے۔ اپاہج ہے۔ رینگ کر چلتی ہے۔ جہاں تھک جائے دم لینے رک جاتی ہے۔ لیکن منزل کی طرف رواں ہے۔ بلون سال سے محو سفر ہے۔ پتہ نہیں کب منزل تک پہنچے۔ نصف صدی بیت گئی۔ نصف شاید اور بیت جائے اگر یہی حال رہا تو شاید ہماری آنے والی نسل اسے یونہی رینگتا پائے"۔

"باجی سنا ہے کہ شہر میں بھی گینگ ریپ ہوتے ہیں، ڈاکے پڑتے ہیں، عزتوں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ ہر کام میں رشوت لی جاتی ہے کوئی کام پیسے کے بغیر نہیں ہوتا۔ غریب کو وہاں بھی انصاف نہیں ملتا۔ چور بازاری اور کرپشن زوروں پر ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں"۔

"یہی تو ہمارے ملک کو چلانے والوں کی جمہوریت ہے"۔

"باجی آپ کے اندر بہت زہر بھرا ہوا ہے"۔

"کمزور کو ہر جگہ توڑا جاتا ہے۔ خریدا جاتا ہے بس یوں سمجھ لو کہ سارا ملک زمینداروں کا ہے جس کے پاس روپیہ اور طاقت ہے وہی وڈیرہ بنا ہوا ہے"۔

"تو باجی لوگ کیسے جیتے ہوں گے"۔

"بلون سال سے جیتے آ رہے ہیں بس ایسے ہی جیتے رہیں گے اور مرتے رہیں گے"۔

اچانک باہر سے ایک مردانہ آواز ابھری۔

"باجی! اکبر خان آفریدی ملنے آ رہے ہیں"۔ یہ ہلاکو خان کے آدمی نصرو کی آواز تھی۔

"لو پہ گیا نواں سیاپا"۔ حیراں ہڑبڑا کر بولی۔

"آنے دو نصرو! مہمان ہیں لیکن تم محتاط رہنا"۔ زیبا انوار بولی تھی پھر اس نے حیراں کو دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل آئی۔ اس نے دیکھا نصرو اپنا اسلحہ لئے دروازے کے اندر کھڑے تھے اور کھلے دروازے کے باہر اکبر خان آفریدی شعلہ برساتی آنکھوں سے نصرو کو گھور رہا تھا اور نصرو کہہ رہا تھا۔

"ہم معافی چاہتے ہیں سرکار۔ مالکن نے کہہ رکھا ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو نہ آنے دیا جائے۔ ہم تو نوکر ہیں"۔

"کیا بات ہے نصرو۔ مہمان کو اندر آنے دو"۔ زیبا انوار تیز ہو کر بولی تھی کیونکہ اکبر خان آفریدی کے تیور دیکھ رہی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ لعنت ہے تم لوگوں پر"۔ وہ جھلا کر اندر داخل ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ویلکم۔ آیئے تشریف لایئے اکبر خان آفریدی صاحب"۔

یہ سب کیا ہے؟" وہ تیز ہو کر بولے۔

"میں عورت ذات ہوں۔ اپنے آدمیوں کو کہہ رکھا ہے کہ مجھے مہمان
بارے میں اطلاع دیا کریں تاکہ بہتر طور پر استقبال کر سکوں"۔

"بہرکیف اپنے لئے پسند نہیں کرتے"۔

"معافی چاہتی ہوں۔ آیئے نا اندر تشریف لائیں"۔

"اور ہم جیراں کو لینے آئے ہیں"۔

"آپ کی چیز ہے لے جایئے گا۔ اگر آپ تشریف لے ہی آئے ہیں اور
بخش دی ہے تو کچھ کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی"۔

اور اکبر خان آفریدی غصے میں ہونے کے باوجود زیبا انوار کے رویے پر
گئے۔

واہ شاندار۔ آپ کو نوازنا آتا ہے۔ آپ کی یہی ادائیں تو پسند ہیں۔ وہ بیٹھ
میں داخل ہوتے ہوا بولا اور زیبا انوار نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے۔ کیا چلے گا"۔

"ارے کچھ نہیں۔ نازو آ گئی ہے۔ کیونکہ جیراں اس کی خاص ملازمہ ہے
لئے وہ شور مچا رہی ہے کہ اسے واپس لایا جائے"۔

"سرکار آپ کیسے بڑے آدمی ہیں۔ بخش دی جانے والی شے کو بھی آپ و
لینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ لے جایئے آپ مالک ہیں۔ آپ واقعی وڈیرے ہیں۔
نہیں معلوم تھا کہ بڑے آدمی اپنے وعدوں کا پاس نہیں رکھتے اور پھر کل کو کیا
آپ کا مجھ غریب سے بھی دل بھر جائے اور مجھے چلتا کریں اور کہہ دیں کہ بس
وقت دل آ گیا ہے اب ہم نیا چاند چاہتے ہیں اپنے آنگن میں لے آئے ہیں"۔

"واہ۔ شاندار۔ نہیں لے جاتے جیراں کو ایک ہزار جیراں آپ پر قربان وہ
سر ہو رہی تھی کہ جیراں میری ذاتی ملازمہ ہے۔ بس چلے آئے یہ سوچ کر کہ دو
ملازمہ بھجوا دیں گے"۔

"شکریہ اکبر خان آفریدی صاحب۔ عزت مآب نازو صاحبہ کو میرا سلام عرض کر
ہئے کہ زیبا انوار عرض کر رہی تھی کہ ہم غریبوں نے آپ کی زمین پر پناہ لی ہے۔
ت کے بھوکے ہیں۔ ہماری جھولی خالی مت کیجئے گا"۔

"واہ۔ شاندار۔ ہم یہاں آ کر شرمندہ ہوئے۔ اجازت دیجئے اور ہاں اپنے
یداروں کو کہہ دیا جائے کہ دوسری بار راستہ کاٹا تو گولی مار دیں گے"۔

"عرض کیا ہے کہ عورت ذات ہوں۔ گھر میں تنہا ہوں ذرا آزادانہ ماحول میں
ہے پردہ بھی بیٹھ سکتی ہوں۔ وہ مجھے آواز دے کر بتا دیتے ہیں کہ کون آ رہا ہے۔ آپ
ے دیکھا کہ میں خود باہر لینے آئی تھی کیونکہ اپ اس قابل ہیں کہ باہر آ کر آپ کا
استقبال کیا جائے"۔

"واہ۔ شاندار۔ باتیں کیا کرتی ہیں آپ۔ جوتوں سمیت دل میں گھس جاتی
ہیں"۔ اتنا کہہ وہ باہر نکل گئے۔ چاروں دروازے پر موجود تھے۔ اور چاروں نے اکبر
ان آفریدی کو سلام کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے"۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا اور مین دروازہ عبور کر گیا۔

"آ جاؤ جیراں دفع ہو گیا ہے"۔ زیبا انوار نے جیراں کو آواز دی اور جیراں متعاقبہ
رے سے فوراً باہر آ گئی۔

"آپ نے تو کمال کر دیا باجی۔ ورنہ میں تو پوری طرح مر گئی تھی"۔

"جیسے لوگ ہیں ویسی ہی حکمت عملی کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ بہرکیف اب یہ
ہیں نہیں لینے آئیں گے"۔ زیبا انور نے اسے تسلی دی اور بڑھنے والی بات ختم
ہو گئی۔ پھر رات آٹھ بجے ہلاکو خان آ گیا وہ پولیس جیپ میں آیا تھا اور اپنی مکمل
وردی میں تھا۔

"او تمہارا بہت فکر تھا۔ آدمیوں نے بولا سب ٹھیک ہے"۔ زیبا انوار کو دیکھتے
ان پہلا جملہ اس نے بولا تھا۔

"لیکن خان لالہ آپ سے غلطی ہوئی۔ آپ نے اکبر خان اور آفریدی خان پر
ورما اعتماد کیا۔ میں یہاں بالکل محفوظ نہیں ہوں"۔

"پورا بات بولو"

"اکبر خان نے مجھے شادی کی آفر کی ہے اور اس کے طور طریقے خطرناک ہیں میں نے شادی کی بات آپ پر ڈال دی کہ آپ میرے سرپرست ہیں۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں آپ کی وجہ سے ہوں"۔

"کوئی بات نہیں۔ کیا بولا۔ کوئی بات نہیں۔ فکر نہیں کرنا۔ ہم اپنی سیٹ دوبارہ بیٹھ چکے ہیں اور وہ بہت ہی بڑا خطرناک ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم صبح بات کرے گا۔ سفر لمبا تھا تھکن ہو گیا ہے۔ اتنا کہہ کر ہلاکو خان واپس چلا گیا۔ اور اپنے آدمیوں کے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ لیکن اس رات کی ہونے والی صبح بڑی ہنگامہ خیز تھی ہلاکو خان' زیبا انوار کو لئے حویلی میں داخل ہوا تھا اور ان دونوں کو اکبر خان آفریدی نے رسیو کیا تھا۔ اور وہ تینوں دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو ناپ تول رہے تھے۔

"کیا بات ہے تمہارے تیور کچھ اچھے نہیں ہیں"۔

"اچھا بولا۔ ٹھیک بولا۔ ہمارا تیور خراب ہے کیونکہ آپ لوگ زبان والا آدمی نہیں۔

"ہوا کیا؟ اکبر خان پریشان ہو کر بولا۔

"اگر آپ کو یاد نہیں تو ہم بولا تھا' زیبا انوار ہمارا بیٹی ہے اور تمہارا بہن ہے اسے تمہاری زمین پر تحفظ اور پناہ چاہیے۔ اور آپ بولا تھا کہ ملے گا۔ پھر آپ لوگ نے شادی کا پیغام دیا۔ کیوں دیا؟"

"شادی کا پیغام دینا کوئی بری بات کیا ہلاکو خان؟"

"دیکھو ہم پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھار کام کرتا ہے اور جب یہ کرتا ہے تو خوب کرتا ہے۔ اس لئے ہم نے آپ کی کھوپڑی میں ایک بات کو ڈالا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ کھوپڑی میں نہیں آیا یا تو آپ کو ہمارے بارے پوری معلومات نہیں' ورنہ ایسا گڑبڑ نہیں ہوتا"۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جب ہم نے بولا کہ زیبا ہمارا بیٹی اور تمہارا بہن ہے تو پھر بہن سے شادی کا بات کیوں کیا؟"

"تم شاید ہوش میں نہیں ہو ہلاکو خان۔ تم جیسے سینکڑوں پولیس آفیسر ہمیں سلیوٹ مارتے ہیں اور....."

"آگے مت بولنا۔ ہمارا کھوپڑی چل گیا تو اچھا نہیں ہو گا"۔

"تمہاری حیثیت کیا ہے ہلاکو خان؟

"یہی تو پہچان کروانا مانگتا مسٹر اکبر خان آفریدی۔ جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کیا بولا؟"

"کچھ نہیں بولا۔ بس اب ہم بولے گا جو تم نے بولنا تھا بہت زیادہ بول لیا"۔

اکبر خان آفریدی کا لہجہ یک دم بدل گیا اور زیبا انوار پریشان ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اکبر خان کا مغز پھر گیا ہے لہٰذا اس نے بڑی نرمی سے ہلاکو خان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

"خان لالہ! اگر اپ میری شادی پسند نہیں کرتے تو بات بیٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ختم کریں اور چلیں"۔

"چلیں۔ کہاں چلیں۔ تم خاموش بیٹھو۔ اس وڈیرے کو جو سانپ نکالنا ہے نکال لے۔ کیونکہ ابھی یہ بچہ ہے ہم سے درخواست کرے گا کہ ہلاکو خان ہمارا بہن مندی ہم سے غائب ہو گیا ہے اسے تلاش کرنے میں ہماری مدد کرو"۔

"کیا بکتے ہو؟ اکبر خان آفریدی غرا کر کھڑا ہو گیا اس کا چہرہ غصے سے اپنی رنگت لہ گیا تھا۔

"بہت طاقت ور سمجھتے ہو اپنے آپ کو تم لوگ۔ ہم نے تم پر اعتماد کیا۔ بولا یہ عورت ہمارا بیٹی اور تمہارا بہن ہے۔ لیکن تم نے اپنے وڈیرے پن کو اندر سے نہ نکالا۔ تمہارا بہن کو صبح چار بجے شہر روانہ کر دیا۔ ہمارا رقم واپس کر دینا اور اپنا بہن والوں بلوا لینا۔ ادھر مستی کرنے کا کوئی ضرورت نہیں۔ ہم کو معلوم تھا کہ تم حرامزدگی کرے گا ہم کو آتے ہی پورا رپورٹ آدمیوں نے دے دیا تھا۔ اب اس کا حل یہی تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اس مندی پور سے خیریت سے واپسی اور رقم واپس کیسے ملے گا۔ تو یہی بات پٹھان کی کھوپڑی میں آیا کہ تمہاری بہن اٹھالیا جائے۔ آؤ زیبا انوار چلیں"۔

"ٹھہرو ہلاکو خان"۔ اکبر خان تلملا کر بولا۔

"بس پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھی چلتا ہے اور چل پڑتا ہے تو پھر خوب چلتا ہے یہ ملک پولیس اسٹیٹ ہے اکبر خان۔ بس یاد رکھنا۔ کیا بولا۔ یاد رکھنا"۔

"نہیں ہلاکو خان۔ تم اب مندی پور سے نہیں جا سکتے پہلے بہن نازو کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہے"۔

"وہ تمہارا بہن نہیں ہمارا بھی بہن ہے۔ کیا بولا۔ ہمارا بھی بہن ہے۔ بس یاد رکھنا"۔ اتنا کہہ کر اس نے زیبا انوار کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد پولیس جیپ میں وہ شہر کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ زیبا انوار بہت مطمئن تھی۔

نازو کا

خان آ

نے کر

خان آفریدی یوں چنگھاڑ رہا تھا جیسے اس کی شہ رگ پر تیزاب ڈال دیا گیا ہو۔

"کیا بات ہے اکبر خان۔ کیا بکواس کر رہے ہو۔ پھر سے بولو"۔

"بابا سائیں نازو بہن کو کچھ نہیں ہو گا۔ صرف اس نے اپنے لئے اور زمین والی رقم کا تحفظ مانگا"۔

"او مانگنے کے پتر۔ وہ مندی پور سے نکل کیسے گیا۔ تم نے اسے گولی کیوں نہ مار دی"۔

"بابا سائیں نازو بہن کا سن کر سن ہو گیا تھا۔ عقل نے کام نہیں کیا۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ اپنے چچی بند بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گا"۔

"بکواس بند کرو۔ ہمیں نازو بیٹی چاہیے۔ اف میرے خدا اس قدر اس کی جرات کہ ایک وڈیرے خان آفریدی کی بیٹی کو اس کے گھر سے اغوا کر لے جائے۔ ہم سب کو ڈوب مرنا چاہیے"۔

"بابا سائیں آپ فکر نہ کریں۔ کچھ نہیں ہو گا نازو بہن کو"۔

"ہماری بیٹی اس احساس سے مر جائے گی کہ خان آفریدی کی بیٹی کو ایک چیونٹی اغوا کر کے لے گی۔ واقعی دل چاہتا ہے کہ ہم تمہیں گولی مار دیں"۔

"میں شہر جا رہا ہوں بابا سائیں اور رقم اس کے حوالے کر دوں گا اور نازو بہن کو عزت سے لے آؤں گا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ نازو اس کی بھی بہن ہے"۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ اور دس بارہ اپنے آدمی ساتھ رکھو۔ جہاں نظر آئے اسے گولی مار دو نازو بیٹی خود بخود آ جائے گی"۔

"ایسا ہی ہو گا بابا سائیں"۔ اکبر خان تیزی سے باہر نکل گیا کچھ دیر بعد وہ آدمیوں کے ساتھ شہر کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

"دوسری طرف ایک عالی شان چار کنال کے بنگلے میں نازو کو رکھا گیا خان نے زیبا انوار کو پوری بات سمجھا کر بنگلے پر چھوڑ دیا اور جب زیبا انوار کمرے میں پہنچی تو وہ اسے دیکھ کر اچھل پڑی۔

"تم... یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے؟

"آرام سے بیٹھو۔ تم کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہو کہ تمہارے سامنے رکھا جائے"۔

"تم لوگوں نے مجھے اغوا کیا۔ تم چھوٹے لوگ۔ کیا اوقات ہے تمہاری"۔

"میں نے عرض کیا ہے کہ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تم لوگوں سے کچھ حساب لینا ہے۔ زمین کے پیسے لینے ہیں اور ہم لوگوں کی عزت سے واپسی بھی۔ تم میری بہن ہو۔ ہلا کو خان کی بیٹی ہو اس کی بہن۔ یہاں عزت سے رہو۔ شاید ایک رات یا پھر دو راتیں۔ آزاد کر دی جاؤ گی"۔

"بڑا مان ہے تم کو ہلاکو خان پر کیوں۔ جانتی ہو کہ وہ کتنا بڑا جرم کر بیٹھا ہے۔ بابا سائیں اس کا پورا خاندان مروا ڈالے گا"۔

"گھبراؤ نہیں۔ جرم کرنے والے کو تمہارے بابا سائیں کے قد کا پتہ ہے اور اب تمہارے بھائی اور بابا سائیں کو ہلاکو خان کے قد کا بھی علم ہو گیا ہو گا۔ خطرناک آدمی ہے۔ سر پھرا ہے۔ برسر اقتدار ٹولے کا چہیتا ہے اور ایسے آدمی حکومت کو بہت پیارے ہوتے ہیں"۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ ہوش میں ہو"۔ نازو غرا کر بولی۔

"ہوش میں رہو ورنہ تھپڑ مار دوں گی"۔ اچانک زیبا انوار نے اسے تیز نظروں سے گھور کر دیکھا۔

"کیا بکتی ہو؟" نازو چلائی۔

تڑاخ!!! بڑے زور کا تھپڑ تھا جو اچانک زیبا انوار نے اس پر ہاتھ چھوڑ دیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نازو کا چہرہ چقند ہو کر رہ گیا۔

"یہ تمہارے باپ کی جاگیر نہیں ہے تمہیں کہا تھا کہ اس شہر پر حکومت ہلاکو خان کی ہے اگر دوستوں کی مانند رہو گی تو عزت پاؤ گی ورنہ جو حشر میرا تین حرامزادوں نے کیا تھا اس سے زیادہ تیرا کر دیا جائے گا"۔

"نن... نہیں... نہیں"۔ نازو خوف سے لرز اٹھی۔

"اب معلوم ہوا کہ عزت غریب کی ہو یا دولت مند کی ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس وقت تم طنز کر رہی تھی۔ لو یہ پاگل اپنے باپ سے بات کرو اور انہیں کہو کہ دو کروڑ میں تیری واپسی ہے"۔ زیبا انوار نے پاگل نازو کی طرف پھینک دیا۔ جو نازو نے کیچ کر لیا۔

"فون کرو"۔ زیبا انوار اسے گھور کر بولی۔ اس کا لہجہ پاگل کر دینے والا تھا تب نازو نے چند لمحوں تک زیبا انوار کو گھورا پھر اس نے حویلی کا نمبر ملایا تھا۔

"بابا سائیں" کہہ کر نازو ایک دم رو پڑی۔ پھر وہ ہچکیاں لیتی چلی گئی اور زیبا انوار نے اسے سے فون چھین لیا اور خود کان سے لگا کر بولی۔

"میں ہوں زیبا انوار اپنی زمین کو تمہارے لئے چھوڑ آئی۔ مجھے وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ دراصل مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ بادن سال گزر جانے کے باوجود وڈیرے ہی ہو۔ تم اور تمہارا بیٹا خبیث روحیں ہیں۔ لہٰذا اپنی زمین کی قیمت دو کروڑ مانگتی ہوں۔ یہ رقم تم بینک میں میرے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کرا دو۔ کل صبح گیارہ بجے تک رقم جمع کروا دینا۔ الائیڈ بنک لوئر مال اکاؤنٹ نمبر ٹو تھری ایٹ زیرو۔ اور نازو صرف موجودہ صورت حال سے نروس ہے۔ نہیں اس سے بات نہیں کروا سکتی اگر رقم مل جائے گی تو یہ خیریت سے حویلی پہنچ جائے گی۔ او کے خدا حافظ"۔ زیبا انوار نے فون بند کر دیا۔ اب وہ ایک مظلوم زیبا انوار نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ = وہ سر سے پاؤں تک بدل چکی تھی۔ جب اس نے نازو کی طرف دیکھا تو وہ خود اسے گھور رہی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہہ ڈالو بس صرف کوئی دھمکی نہ دینا"۔

"تم میرے سائیں بابا کو نہیں جانتی۔ تمہارے ساتھ بہت برا ہو گا جس کا تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تصور بھی نہیں کر سکتی"۔

"کچھ کھانا پینا ہے؟

"نہیں۔ لیکن میں ہوں کہاں؟

"بے وقوف بھی ہو۔ ورنہ یہ سوال نہ کرتیں۔ بہرکیف تمہیں بتا دیتی ہوں، ایک ایسے بنگلے میں ہو جس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ کرائے کے لئے خالی ہے اور باہر مین گیٹ پر تالہ لگا ہوا ہے اور کچھ پوچھنا ہے"۔

"نہیں۔ تمہیں تھپڑ ضرور واپس دوں گی"۔

"تم لوگ کمزور چیزوں کو توڑنے کے عادی ہو۔ لڑکیوں کی عزتیں لوٹتے ہو۔ اگر وہ انکار کردیں تو اس غریب کو بے لباس کر کے کھیتوں میں دوڑیں لگواتے ہو۔ لعنت ہے تم جیسے لوگوں پر"۔

"بکواس کر لو۔ رقم لے کر جی نہ پاؤ گی۔ دنیا کے جس کونے میں چھپ جا تمہیں تلاش کر کے نندی پور کے کتوں کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ بس میری اس بات کو یاد رکھنا"۔

"گھبراؤ نہیں۔ نندی پور کے لئے کتے شاید کچھ باحیا ہوں۔ تم لوگوں سے تو بہتر ہوں گے ویسے مائی ڈیر نازو ذرا سوچو کہ تم لوگ ہو کون؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب!!" زیبا انوار نے اسے بڑی نفرت سے گھورا اور بولی۔

"یاد کرو جب تم جیراں کو لینے آئی تھی تو میں نے تمہیں کہا تھا کہ بخش دو جانے والی چیزوں کو ذلیل سے ذلیل انسان بھی واپس لینے کے بارے میں نہیں سوچتا یہ ایک وارننگ تھی تم دونوں بہن بھائیوں کے لئے۔ پہلے تیرے بھائی نے جیراں کو اپنے ہوس کا نشانہ بنانا چاہا پھر اس نے مجھے اپنا ٹارگٹ بنا لیا اور میں ایک مہمان تھی۔ آخر تم لوگ خود ہی کیوں جیتے ہو۔ دوسروں کو کیوں نہیں جینے دیتے۔ بادن سال سے تم لوگ ہر حکومتی ٹولے میں شامل رہے۔ دولت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عزتوں کو بھی لوٹتے رہے جیراں نے تیرے باپ سے اس کے بیٹے کی جب شکایت کی تو وہ بڑا

رعونت سے بولے۔ کوئی بات نہیں وہ تمہیں عزت بخشنا چاہا ہے۔ واہ۔ کیا شاندار لوگ ہو تم۔ گھبراؤ نہیں کبھی تو کوئی ایسا لیڈر آئے گا جو اس نظام کو بدلے گا پھر تصور کرو کہ تم لوگوں کا کیا ہو گا۔ جیسا باپ ویسا بیٹا اور فرض کرو اگر تھوڑی سی عزت تمہیں بخش دی جائے تو وڈیروں کا پورا خاندان شرم سے ڈوب مرے گا"۔

"تت..... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"صرف اتنا کہ عزت تمہاری بھی اتنی ہے جتنی میری"۔

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ تم پاگل لگتی ہو۔ عزت گنوا کر ذہنی توازن کھو چکی ہو۔ تم آنے والے وقت کے بارے میں کیوں نہیں سوچتی کہ وہ کس قدر برا ہو گا"۔

"یہی بات اپنے بارے میں سوچو۔ تمہارے پاس تو ذہن ہے اگر تیرے باپ نے کوئی غلط حرکت کی اور اپنی طاقت کے زعم میں رہے تو تیرا کیا حشر ہو گا"۔

"تت..... تم ایسا نہیں کر سکتیں"۔

"مجھے کون روکے گا۔ مجھے تو ویسے ہی تم جیسے وڈیروں' جاگیرداروں' سرمایہ داروں سے نفرت ہے۔ ایک وزیر کے بیٹے نے باپ کی طاقت کے بل بوتے پر میری عزت کو شیرینی کی طرح دوستوں میں بانٹ دیا"۔

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ بابا سائیں کے لئے یہ چھوٹی سی رقم کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کل گیارہ بجے تک انتظار کرو"۔

"اور ہاں جیراں کو بھیج رہی ہوں کچھ کھانے پینے کے بارے میں اسے کہہ دینا تمہاری وہ خاص ملازمہ رہ چکی ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"بہت بھیانک موت ہو گی تمہاری زیبا انوار۔ بہت ہی زیادہ بھیانک"۔

"نہیں چھوٹی سرکار! بڑی بات نہیں بولتے"۔ جیراں اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"تم حرامزادی! ہمار نمک کھاتی رہی ہو اور ہمیں ہی میاؤں کہتی ہوں"۔

"آپ کا بھائی میری عزت لوٹنا چاہتا تھا چھوٹی سرکار۔ ایسے ہی جیسے چھوٹے خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے نصیبو کی عزت لوٹی تھی"۔

"ہمارا بھائی نہیں چھوٹے سرکار کہو۔ بھول گئی ہو حویلی والوں کو۔ ارے جرائم پیشہ لوگ ہیں اور ایسے لوگ زیادہ دیر زندہ نہیں رہتے۔ ان کا ساتھ مت دو کچھ دنوں تک مارے جائیں گے اور...."

"اور مجھے بھی ان کے ساتھ مار دینا کیونکہ میں نندی پور پر لعنت بھیجتی ہوں"

"بہت پر لگ گئے ہیں تمہیں۔ تمہارا حال تو نصیبو سے بھی بدتر ہو گا"۔

"کچھ کھانا پینا ہے تو بتایئے۔ حاضر کر دیتی ہوں۔ آپ مہمان ہیں یہاں"۔

"اچھا ایک بات بتاؤ اگر بابا سائیں نے انہیں رقم نہ دی تو یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے"۔

"معلوم نہیں"۔

"ہماری مدد کرو۔ ہم تمہاری چھوٹی سرکار ہیں تمہیں اپنے قیمتی اور خوبصورت ملبوسات دیتے رہے ہیں اور بہت ساری چیزوں سے بھی نوازتے رہے ہیں کیا یہ سب بھول گئیں"۔

"اترنیں پہنتی رہی اور جھوٹا کھاتی رہی ہوں"۔ جیراں طنزیہ بولی۔

"کیا کہہ رہی ہو احسان فراموش"۔

"پتہ نہیں آپ لوگ سچ برداشت کیوں نہیں کرتے۔ میں دن بھر حویلی کا کام کرتی رہتی تھی اور اس کے عوض جو لباس آپ کی نظروں میں اتر جاتا تھا وہ مجھے دے دیا کرتی تھیں۔ یہ احسان والی بات تو نہ ہوئی۔ اپنا حق لیتی تھی۔ وہ بھی اترن نہیں جھوٹ"۔

"نکل جاؤ یہاں سے۔ دفع ہو جاؤ۔ یہ منحوس صورت گم کرو اپنی لعنتی لڑکی"۔

"میں اگر چلی گئی تو آپ کھانے پینے کو ترس جائیں گی۔ بہتر ہے کچھ کھا لیں"۔

"ہم کہتے ہیں دفع ہو جاؤ"۔ نازو جیسے چیخ پڑی ہو اور جیراں پر تنفرانہ انداز ہونٹ سکیڑ کر باہر نکل گئی اور نازو پریشانی کی حالت میں بیڈ روم میں ٹہلنے لگی۔ ا

اپنے بیڈ روم میں سوئی تھی کہ دستک کی آواز پر چونک پڑی۔ اس نے دیوار گھڑی کی طرف دیکھا جہاں چار بج رہے تھے۔

"میں ہوں ہلاکو خان۔ جلدی کرو بڑے سرکار کو دل کا دورہ پڑا ہے یہاں سے [redacted] نے انہیں فوری طور پر شہر شفٹ ہونے کو کہا ہے اکبر خان انہیں شہر لے [redacted] آپ جلدی کریں شہر چلیں"۔

اور نازو پریشان سی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"جلدی کرو بابا جلدی کرو۔ کیا بولا۔ جلدی کرو"۔

"چلاؤ جلدی چلو"۔ اور نازو بلا سوچے سمجھے بولی اور ہلاکو خان نے ایک رومال کر اس کی ناک پر رکھ دیا۔ ہلاکو خان کی گرفت بہت مضبوط تھی اور نازو بے ہوش ہلاکو خان کی بانہوں میں جھول گئی۔ آنکھ کھلی تو اس جگہ موجود تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے دروازہ کیوں کھولا۔ کیوں اس نے اعتماد کیا۔ پتہ نہیں اب کیا ہو لوگ کیسا سلوک کریں گے ہمارے ساتھ۔ وہ سوچتی رہی اور پریشان ہوتی رہی۔ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ اپنے بابا سائیں سے بات کرنا چاہتی لیکن کیسے؟ اس نے جیراں کو بھی ناراض کر دیا تھا۔ ورنہ اسے فون کے لئے اس خیال کا آنا تھا کہ وہ دروازے پر آئی۔ اور اس نے پوری قوت سے جیراں کو دی۔ اور سامنے کمرے سے بھاگتی ہوئی آئی۔ عجیب سا گھر تھا پتہ نہیں کتنا بڑا تھا۔ میں رکھا گیا تھا جس کے سامنے ایک چھوٹا سا لان تھا اور اس کے پرے تین جن میں سے ایک کمرے سے جیراں بھاگتے ہوئے باہر نکلی تھی اور سیدھی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔ وہ آرام سے اندر کمرے میں چلی آئی۔

"چھوٹی سرکار! آپ کیوں چلائی تھیں؟"

"میں فون کرنا ہے بابا سائیں کو"۔

"آپ کسی ہوٹل میں نہیں بلکہ آپ کو اغوا کر کے یہاں بند کیا گیا ہے"۔

"بابا میں فون نہیں کر سکتی"۔

"میں معلوم کرتی ہوں آخر آپ میری چھوٹی سرکار ہیں"۔ اتنا کہہ کر جیراں باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکل گئی۔

"لعنتی لڑکی تمہیں بھی ان کے ساتھ دفن کیا جائے گا"۔ نازو بڑبڑائی۔

بعد جیراں واپس لوٹ آئی۔

"کیا ہوا؟ نازو تیزی سے بولی۔

"انکار کر دیا گیا ہے مجبوری ہے۔ اگر آپ کھانے کے لئے فرمائیں تو"۔

"نہیں تم جاؤ"۔ نازو اسے گھور کر بولی۔

"جب ضرورت پڑے تو پھر آواز دے لیجئے گا"۔ جیراں واپس لوٹ گئی پریشان ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ یہ لوگ اس قدر پراعتماد کیوں اتنے طاقت ور ہیں۔ لیکن کتنے۔ ہم سے بھی زیادہ کیونکہ برسوں سے ہم حکومتیں کرتے آ رہے ہیں۔ کبھی کسی طاقت کے محکوم نہیں رہے صرف ہ جانتے ہیں۔ لیکن ہوا کیا ایک چوہا بلی کو اغوا کر لایا۔ ہمیں بابا سائیں سے پھر یا گی۔ ہر حالت میں۔ ورنہ تو ہمارا دم گھٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ پھر دروازہ اور جیراں کو آواز دینے کی بجائے وہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ داخل ہوئی تو زیبا انوار بھی جیراں کے ساتھ موجود تھی۔

"فرمائیے چھوٹی سرکار"۔ جیراں بول پڑی۔

"ہمیں ہر حالت میں بابا سائیں کو فون کرنا ہے"۔

"کیا یہ درخواست ہے؟ زیبا انوار بولی تھی۔

"چلو یہی سمجھ لو"۔ وہ بے بسی سے بولی تھی۔

اور تب زیبا انوار نے موبائل پر خود نمبر ملایا اور جیسے ہی دوسری طرف بجی اسے نازو کی طرف بڑھا دیا گیا۔

"شکریہ"۔ نازو نے برا سا منہ بنا کر جیسے موبائل کو جھپٹ لیا ہو۔

"ہیلو بابا سائیں۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ہم بہت....." پھر مزید ہو سکتے گئی۔ دوسری طرف سے شاید اسے کچھ کہا جا رہا تھا جسے وہ بغور سن رہی تھی لمحوں بعد بولی تھی۔

"ہم ٹھیک ہیں۔ اگر وقت پر رقم نہ ملی تو شاید وہ کچھ کر گزریں۔ نہیں کسی قسم کا تشدد نہیں کیا گیا۔ جی بہتر۔ ہمیں اپنا بابا سائیں پر اعتماد ہے۔ شکریہ بابا جانی آپ نے بہت حوصلہ دیا"۔ اتنا کہہ کر اس نے موبائل زیبا انوار کی طرف بڑھا دیا۔

"بابا سائیں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں"۔

زیبا انوار نے موبائل لے کر بند کر دیا اور مسکرا کر بولی۔

"کل گیارہ بجے بات کریں گے۔ اب تم جاؤ"۔

"تم ذہنی مریضہ تو نہیں ہو۔ کیوں زبردستی احساس برتری میں مبتلا ہو رہی ہو۔ کبھی کوئی بیوروکریٹس سے متھا لگا کر بچ پایا ہے"۔

"بی بی یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ ہمارا ملک پولیس اسٹیٹ ہے"۔ ملک کے صدر اور وزیراعظم کے حکم کو یہ لوگ خاطر میں نہیں لاتے۔ بہانے بنا کر راز کر دیتے ہیں۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس محکمے کو ہائی کورٹ نے بار بار وارننگ دی کہ پولیس مقابلے میں انسانوں کو مارنا بند کرو۔ لیکن کیا ہوا۔ کیا پولیس مقابلے بند ہو گئے"۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"صرف اتنا کہ تمہارا بھائی اور تمہارا باپ پولیس مقابلے میں مارا جا سکتا ہے۔ اس ملک میں ہر کام جائز ہے سیدھے سادے عدالتی انتظام کو اس قدر پیچیدہ بنا ڈالا گیا ہے کہ صدیوں تک انصاف کے تقاضے ہی پورے نہیں ہو پاتے۔ اس لئے صبر کرو ہر انسان جو کچھ بوتا ہے آسمانی عدالت والا اسے وہی کاٹنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ ملک تو خدا کے سپرد ہے وہی اس کو بچائے ہوئے ہے اور کراہ کر کہتا رہتا ہے کہ۔

جشن آدمی مناؤ یارو میں ابھی زندہ ہوں
نوچ نوچ کھاؤ ماس میرا کہ میں ابھی زندہ ہوں

"واہ۔ شاندار۔ تمہیں تو انقلابی لیڈ ہونا چاہیے"۔ نازو کے انداز میں بے پناہ طنز تھی۔

"جاؤ آرام کرو۔ ہم درویشوں کو مت چھیڑو۔ ہم اپنے ملک کی جمہوریت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں ستائے ہوئے ہیں"۔

اور نازو اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"یہ آپ پر باجی جمہوریت کیوں سوار ہے"۔

"کیونکہ یہ چودہ کروڑ انسانوں کو ڈستی رہتی ہے۔ یہ ہر حکمران ٹولے نے جمہوریت کو اپنے پاؤں پر کھڑا رہنے دیا بلکہ اسے سر کے بل رکھا ہوا ہے۔ اس غریب جمہوریت کا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہیں"۔

"میں تو آٹھ جماعتیں پاس ہوں اس قدر باریک باتیں نہیں سمجھ سکتی"۔

"یہ تو جانتی ہو کہ نصیبو کو وڈیروں نے بے لباس کھیتوں میں بھگایا تھا"۔

"ہاں کیوں نہیں میں نے ہی تو آپ کو بتایا تھا"۔

"یہی لوگ جمہوریت مانگتے ہیں کہ اپنی من مانی کر سکیں"۔

"ملک میں آخر کوئی قانون قاعدہ بھی تو ہے"۔

"قانون قاعدے بھی یہی لوگ بناتے ہیں۔ اپنی مرضی کا کہ اگر کبھی پھنس جائیں تو نکلنے کا راستہ بھی موجود ہو۔ ہمارے ملک میں طاقت اور سرمائے کا راج ہے۔ جیراں قانون اور قاعدے صرف غریبوں کے لئے ہیں۔ کورٹ کچہری میں متوسط طبقہ آتا ہے دولت مند تھانوں میں مک مکا کر لیتے ہیں"۔

"آپ تو بہت دکھی ہیں باجی"۔

"میں نے ایک منسٹر کے بیٹے سے محبت کی تھی لیکن اپنی چادر کا ناپ بھول گئی تھی کہ پاؤں ننگے ہو جائیں گے۔ لیکن وہ چادر ہی پھٹ گئی۔ پاؤں ہی ننگے نہ ہوئے بے لباس بھی ہو گئی۔ اور میرا جرم کیا تھا محبت۔ جس پر ہر ذی روح کا حق ہے۔ لیکن وہ حق بھی جمہوریت کے متوالوں نے چھین لیا وہ تو ایک سرپھرا پولیس والا ٹکرا گیا جس کا مغز گھوم گیا اور وہ میرے لئے طوفانوں سے ٹکرا گیا۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے مجھے تو جیسے کہتا ہے کئے جا رہی ہوں۔ اپنے انجام سے بے خبر۔ کہتا ہے اس پشمان کھوپڑی کبھی کبھی کام کرتی ہے۔ اب معلوم نہیں اس کی کھوپڑی میں کیا گھس گیا کہ پاگل ہوا پھرتا ہے"۔ اتنا کہہ کر زیبا انوار نے ایک گہری سانس لی تھی اور جیراں

حیرت سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی وہ ایک دم جوش سے بھرے جا رہی تھی۔

"میرا حشر وہاں نصیبو جیسا ہونا تھا میں نے اکبر آفریدی کی آنکھوں میں ایسے بھیڑیئے کی چمک دیکھی تھی جو شکار پر جھپٹنے وقت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے مجھے بچا لیا۔ آپ کے لئے جان بھی دینا پڑی تو یہ جیراں دے ڈالے گی"۔

"ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ مجھے جینے کا کوئی شوق نہیں۔ عزت گنوا دینے کے بعد میں مر چکی ہوں اس لئے جو کچھ ہو رہا ہے مجھے اس سے خوف نہیں آتا۔ کیوں کہ میں نے اس وقت موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا جب تین بھیڑیئے میرے وجود کے ایک ایک حصے کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ ہاں جیراں! میں اسی دن مر گئی تھی"۔

جیراں نے خود تڑپ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کی نظروں میں اس کی باجی زیبا انوار بہت عظیم تھی۔

ایس پی نواز ڈوگر پریشان کن نظروں سے ہلاکو خان کو گھور رہا تھا کیونکہ ہلاکو خا
کی بات ان کے حلق سے نیچے نہیں اتری تھی

"ہم کیا بولا سر۔ بات سمجھ میں نہیں آئی کیا؟"

"ناممکن بات کر رہے ہو ہلاکو خان"۔

"ہمارے ہاں ہر بات ممکن ہوتا ہے سر۔ کیا بولا۔ ہر بات ممکن ہوتا ہے۔ اور
خان آفریدی اور ان کا بیٹا نندی پور چھوڑ کر شہر کا رخ کر چکے ہیں ان کے تمام آدمی
خونخوار کتوں کی مانند ہیں ہماری بو سونگھ کر ہمیں گولی مار دے گا اور پٹھان کی کھوپڑ
میں یہی بات آیا کہ حویلی خالی ہے اور صرف ادھر بیگم خان آفریدی ہے۔ ہمارا آدم
ہیروئن اور اسلحہ بارود لے کر جا چکا ہے اور یہی کیس ان پر بنا کر گرفتار کرے گا"۔

"آخر قیامت کیا آ گئی ہے جو تم انتہا پسند ہوتے جا رہے ہو"۔

"انتہا پسندی کی بات نہیں ہے سر۔ اگر ہم ان کو چھوڑتا ہے تو وہ ہم کو مار
ڈالے گا ان کا بچی لوگ ہمارے پاس ہے اور پھر ہم نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ اوپر سے
کس نے حکم دیا کہ پولیس مقابلے میں فلاں آدمی کو مار ڈالو۔ کیا وہ انتہائی قدم آپ کو
نظر نہیں آتا تھا۔ بڑا بڑا کام لیا ہے آپ نے یا آپ کے اوپر والوں نے ہم سے اب ہم
اتنا فالتو آدمی بھی نہیں کہ کتے کی موت مر جائے"۔

"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہاں سے اسلحہ بارود اور ہیروئن برآمد کرنے کا
مطلب یہ ہوتا ہے کہ پوری مشنری نیچے سے اوپر تک ہل کر رہ جائے گی اور بڑوں نے
ہمارا جینا حرام کر دینا ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم کو گرفتاری کے وارنٹ چاہیے سر۔ پٹھان کا کھوپڑی خراب مت کریں"۔

"ادھر وجاہت علی تمہارے پیچھے ہے اب تم نے یہ نیا پنگا لے لیا ہے۔ ہلاکو خان
اور سوچو۔ جس سے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے"۔

"لاٹھی ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جائے لیکن سانپ کا سر ضرور کچلے گا"۔ ہلاکو خان اڑا ہوا
اس کے تیور بڑے خراب تھے اور ایس پی نواز ڈوگر بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ چار
لاش والے مروا چکا تھا۔ اور ان کے نزدیک ہلاکو خان بہت خطرناک انسان تھا۔ وہ
اس کو بلیک میل کرنے پر تل گیا تھا۔

"دیکھو ہلاکو خان! اوپر والوں کو اعتماد میں لینا پڑے گا"۔

"وقت بہت کم ہے سر۔ اور پھر اوپر والے کیوں مانیں گے ان کا اپنا سر تھوڑا
کھلا ہوا ہے۔ نہیں سر۔ ہماری کھوپڑی میں صرف ایک ہی بات ہے کہ اگر ہم نے
پلان پر عمل نہ کیا تو وہ لوگ ہلاکو خان کا دھڑن تختہ کر ڈالے گا۔ کیونکہ ان لوگوں
کا واسطہ آپ کے اوپر والوں سے ہے۔ لہٰذا ہمارا بات سمجھنے کی کوشش کرو سر۔ ہم
کو پتا آپ کے بڑوں کا معمولی آدمی نہیں ہے کہ آپ کے بیورو کریٹس کی نذر ہو
جائیں۔ ہم چلتا ہے۔ آپ جانو اور آپ کے بڑے جانیں۔ وقت کم ہے"۔

"ہم کوشش کرتا ہے ہلاکو خان لیکن اس کے بعد کوئی کام نہیں ہو گا"۔

"بالکل ٹھیک بولا۔ اس کام کے بعد بے شک ہم کو گولی مار دینا یا پھر ہم کو فارغ
دینا ہم خود بھی تھک گیا ہے۔ آرام کرے گا"۔ اتنا کہہ کر ہلاکو خان اٹھا سلوٹ مارا
اور باہر نکل گیا۔ صبح کے اخبارات نے قومی اسمبلی کے ممبر اکبر خان آفریدی کے آبائی
علاقے نندی پور کی حویلی سے اربوں روپے کی ہیروئن اور اسلحہ بارود برآمد ہونے کی
خبر کو پہلے صفحے پر نمایاں جگہ دی تھی اور کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی۔ خان
آفریدی، اکبر خان آفریدی اور ان کے خاص آدمی مفرور ہو چکے تھے۔ خبر کیا تھی جیسے
پورے شہر میں آگ لگ گئی ہو۔ ہوم منسٹر سے کالیں ہوتی ہوئی ایس پی نواز ڈوگر تک
پہنچ گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا خبر سنی ہے۔ کس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوا"۔ یہ ڈی

آئی جی صاحب تھے فون پر چیخ رہے تھے اور نواز ڈوگر کہہ رہا تھا۔

"یہ سب ہلاکو خان کا کیا دھرا ہے"۔

"لیکن کس کے حکم سے؟

"اس نے مجھ سے بات کی تھی میں نے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اوپر سے بات کر لوں تو پھر کچھ بتا سکوں گا۔ لیکن وہ وہی کچھ کر گزرا جس کا کہہ کر گیا"۔

"اسے لے کر آئی جی صاحب کے ہاں پہنچو۔ ہم تمہیں وہیں ملیں گے"۔

"وہ خان آفریدی' ان کے بیٹے اکبر خان آفریدی کو گرفتار کرنے ٹیم سے نکل چکا ہے"۔

"اسے روکو مسٹر ایس پی ورنہ دس مس"۔ یہ تھے ڈی آئی جی صاحب نے دھمکی دی تھی۔ اور نواز ڈوگر کے ہونٹوں پر زہر خند دوڑ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہلاکو خان سے رابطہ کرتا گاڑی لے کر آئی جی کی طرف روانہ ہو گیا وہاں پہنچا تو ڈی آئی جی سب سے پہلے وہاں موجود تھے۔ سلوٹ کرنے کے بعد وہ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ آئی جی سرفراز ملک صاحب نے ڈوگر کو بہت تیز نظروں گھورا اور بولے۔

"یہ سب کچھ کیا ہے اسے روکا یا نہیں"۔

"اس کا موبائل بند ہے۔ ملازم برابر کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے رابطہ جائے۔ جہاں تک اس عمل کا تعلق ہے جو اس نے کیا اس میں میرا ہاتھ نہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ اب بلیک میل کرنے لگا ہے جو دل میں آتا ہے کر گزرتا ہے وجاہت علی صاحب کا کیس آپ کے سامنے ہے۔ اب وہ خان آفریدی اور اکبر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ اور اسے روکا نہ گیا تو شاید ناقابل تلافی نقصان ہو آئی جی صاحب نے اپنے ماتحت ڈی آئی جی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"یہ آپ کے ایس پی صاحب کیا فرما رہے ہیں؟

"میرا خیال ہے یہ درست فرما رہے ہیں"۔

"تو پھر اس کا علاج کیا ہے۔ ہم اپنے اوپر والوں کو جواب دہ ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب نے بڑی سختی سے معلوم کیا ہے کہ یہ سب کیا ہے"۔

"سر انتہائی قدم اٹھانا پڑے گا"۔ ڈی آئی جی صاحب اپنے الفاظ پر زور دے کر بولے۔

"عقل سے کام لیجئے جناب ڈی آئی صاحب کیسے انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں اگر اسے معطل کیا یا کوئی دوسرا قدم اٹھایا تو اخبارات والے جینے نہیں دیں گے کہ ہم لوگوں نے اپنے آدمی بچانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔ فی الحال اسے روکو۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ خان آفریدی اور ان کا بیٹا اکبر آفریدی وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ہیں"۔

"تو پھر پریس کانفرنس بلا ڈالئے اور فرما دیجئے کہ ایک انسپکٹر نے ذاتی انتقام کے لئے اس وقت حویلی میں سب کچھ رکھ دیا جب حویلی خالی تھی"۔ ڈی آئی جی صاحب دور کی کوڑی لائے۔

"ہلاکو خان کا منہ کون بند کرے گا۔ اس انداز سے بھی کچھ سوچ لیجئے"۔ آئی جی صاحب کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔

"سوری سر جذبات میں یہ بات نکل گی"۔ وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

"اصل کہانی کیا ہے جو وہ ان لوگوں کے پیچھے پڑ گیا ہے"۔

"معلوم نہیں سر"۔ نواز ڈوگر بڑے ادب سے بولے۔

"آپ تو بہت اچھے آفیسر ہیں ڈوگر صاحب پھر آپ کو بھی کچھ معلوم نہیں؟"

"سوری سر۔ واقعی میں کچھ نہیں جانتا"۔

"تو کیا ہم استعفیٰ دے دیں اور یہ کہہ دیں کہ ہمارے آفیسر نالائق ہیں۔ اب آپ لوگ بتائیں وزیر اعلیٰ کو کیا جواب دیں"۔

"ہلاکو خان کی یہاں موجودگی بہت ضروری ہے سر"۔ نواز ڈوگر بول پڑے۔

"تو پھر لاؤ اس سر پھرے حرامزادے کو۔ اس قدر ڈھیل کیوں دے رکھی ہے اسے۔ آخر ڈسپلن بھی کوئی چیز ہے ہم اس محکمے کے سربراہ ہیں۔ کس کس کا منہ بند کریں گے۔ کس کس کو جواب دیں گے۔ ہم آخری آدمی تو نہیں کہ یہاں کہانی ختم ہو جائے گی۔ صرف ہلاکو خان کو پکڑو اور جب یہ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے۔ تو.... خود آپ

لوگ عقل مند ہیں"۔

"یس سر۔ میں کیس ٹرانسفر کرا دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی حل نہیں"۔ نواز ڈوگر بول پڑا۔

"او کے۔ بہتر طور ہینڈل کرو یہ مسئلہ ایس پی صاحب ورنہ یہ محکمہ زیر عتاب آ جائے گا"۔

"یس سر اس وقت یہی بہتر ہے"۔ نواز ڈوگر ادب سے بولا۔

"اور یوں میٹنگ ختم ہو گئی۔ نواز ڈوگر کو اس بات کا بڑا شدت سے احساس ہوا کہ خان آفریدی کا وزیر اعلیٰ ہاؤس پہنچ جانا خطرے کی علامت تھی۔ ہلاکو خان نے جذباتی انداز میں کھیل کھیلا تھا۔ جب ہلاکو خان سے رابطہ کر کے نواز ڈوگر نے نئی صورت حال سے اسے باخبر کیا تو وہ غرا اٹھا تھا۔

"پٹھان کا کھوپڑی کبھی کبھی کام کرتا ہے سر۔ اپنے آئی جی صاحب کو بولنا تھا کہ میرے ہاں سے کیس لینے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم خلاص۔ کیا بولا۔ خلاص"۔

"نہیں ہلاکو خان۔ ایسی کوئی بات نہیں"۔

اور ہلاکو خان نے بڑے زور سے قہقہ لگایا اور سلسلہ منقطع کر دیا اور اس لمحے نواز ڈوگر نے ڈی آئی جی سے فون پر رابطہ کی اور کہا کہ ہلاکو خان سرنڈر نہیں ہو رہا۔ ہوشیار ہو گیا ہے اس پر ہاتھ ڈالنا ذرا مشکل ہو جائے گا"۔

"اخبارات سے بچو۔ بظاہر کیس اس کے پاس رہنے دو۔ لیکن کاغذات میں ارشد خان کو متعین کر دو"۔

"سر کہنا اور کرنا بہت مشکل ہے چار پولیس والے قربان کر چکے ہیں"۔

"پھر اسے گولی مار دو جو ہو گا دیکھا جائے گا اور کیس کو دہشت گردی کا نام دے ڈالو"۔

"یس سر ایسا ہی ہو گا"۔ نواز ڈوگر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"دوسرے دن اخبارات ایس پی نواز ڈوگر کے قتل سے بھرے ہوئے تھے جنہیں گھر سے نکلتے وقت دو موٹر سواروں نے گولیوں کا برسٹ مار کر ہلاک کر ڈالا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخبارات کھلم کھلا اس واردات کو دہشت گردی قرار دے رہے تھے۔ ڈی آئی جی اور آئی جی بوکھلائے ہوئے تھے کیونکہ انہیں شبہ تھا کہ کہیں ہلاکو خان کی طرف سے ان دو ہوں کے لئے وارننگ نہ ہو۔ اس وقت دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بڑی بے ی سے اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔

"کیا یہ واقعی دہشت گردی تھی یا....." آئی جی صاحب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس آدمی سے کچھ بعید نہیں سر اگر ایس پی صاحب دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں اور بات ہے اور اگر یہ کارنامہ ہلاکو خان نے ہمیں وارننگ کے طور پر دیا ہے تو ان کے بارے میں ایک بار نئے سرے سے سوچنا پڑے گا"۔

"نئے ایس پی اسرار احمد کا تقرر کر دیا جائے اور کیس ہلاکو خان کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور جس قدر جلدی ممکن ہو سکے اندر خانے ہلاکو خان کو سی آئی اسٹاف میں ڈال دیا جائے۔ اس پر بڑے لوگوں کو بلیک میل کرنے اور علاقوں میں ڈکیتیاں کرانے کے کیس تیار کراؤ اور جہاں ملے یا اسے میٹنگ کے دوران گولی مار دی جائے۔ لیکن سب کام نہایت خاموشی سے ہونے پائے"۔

"یس سر"۔ ڈی آئی جی نے چہرے سے پسینہ خشک کیا اور اٹھ کر سلوٹ مارا اور باہر نکل گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر نئے ایس پی اسرار احمد نے ہلاکو خان کے لئے سخت قسم کے آ
دیئے۔ لیکن وہ جس کا نام ہلاکو خان تھا گدھے کے سینگ کی مانند غائب تھا۔ پورے
کی پولیس کو یہ حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملے اسے گولی مار دی جائے۔

دوسری طرف ہلاکو خان اپنے چاروں ساتھیوں سمیت غائب ہو چکا تھا۔ اس
زیبا انوار کو ضروری ہدایات دیں تھیں اور ایک جنگم سختی سے یہ دیا تھا کہ بنگلے سے
نہیں نکلنا۔ حالانکہ بنگلے کے گیٹ پر تالا تھا۔ جب کہ دو کروڑ روپیہ صبح دس بجے
زیبا انوار کے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کے لئے مینیجر کو ادا کیا گیا تو وہاں ہلاکو خان کا
موجود تھا۔ وہ روپیہ دستی لے گیا تھا اور یہ سب کچھ خان آفریدی کے سامنے ہوا تھا
وہ بے بس تھے۔ واپسی پر اکبر خان آفریدی نے انہیں اخبارات دیئے تھے جس میں
کی حویلی سے اسلحہ بارود اور ہیروئن برآمدگی کی خبریں تھیں اور پھر دونوں باپ
وزیراعلیٰ ہاؤس کی طرف بھاگ نکلے تھے اور اس بات کو اب دوسرا دن تھا۔ لیکن
واپس نہیں لوٹی تھی۔ خان آفریدی اور اکبر خان آفریدی نے اپنے اثر و رسوخ کی
سے حکام بالا کے لئے عذاب ڈال رکھا تھا۔ دوسری طرف زیبا انوار اپنی گیم کھیل
تھی۔ بڑی خطرناک گیم۔ جس میں جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ زیبا انوار خود نازو کو
کے کھانے کا کہہ کر گئی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں"۔ نازو غرائی تھی۔

"صبح ناشتہ بھی تم نے بہت کم کیا تھا؟"

"جب بھوک لگے گی تیراں کو کہہ دوں گی اور پھر تم اس قدر مہربان کیوں

رہی ہو۔ کیا رقم مل گئی؟"

"پتہ نہیں؟" زیبا انوار مسکرائی۔

"پتہ کراؤ اور مجھے چھوڑ دو"۔

"پتہ کس سے کراؤں۔ میں تمہاری طرح خود بھی یہاں نظربند ہوں۔ مجھے جو وہ
الٹی کھوپڑی والا پٹھان کہتا ہے کرتی جاتی ہوں"۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھی"۔ اس بار نازو بری طرح چونکی تھی۔

اور زیبا انوار مسکرا پڑی تھی۔

"تم اپنی بات کی وضاحت کرو۔ زیبا انوار کیا کہنا چاہتی ہو"۔

"وہی جو تم سمجھی ہو۔ آؤ اٹھو کھانا کھالو"۔

"کھل کر بات کرو۔ تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے"۔

"سیدھی بات ہے کہ ہلاکو خان مجھے استعمال کر رہا ہے اور میں اس کی انگلیوں پر
ناچ رہی ہوں۔ جو بات خان آفریدی سے کرنے کو کہی کہہ دی تم کو تھپڑ اس لئے مارا
کہ کہانی میں زور پیدا ہو جائے اور تم اپنے باپ سے بات کرتے وقت رو پڑو تاکہ وہ
جلد از جلد رقم ادا کر سکے"۔

"تم اس کے ہاتھوں میں کیوں کھیل رہی ہو"۔

"مجھے اس نے ایک کروڑ روپے کا لالچ دیا تھا۔ جو میں نے زمین خریدنے اور
لینے پر تقریباً" نوے لاکھ خرچ کر ڈالا۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے جو خاص طور
تمہارے بھائی اکبر خان آفریدی نے پیدا کئے ہمیں واپس لوٹنا پڑا بہرکیف مجھے تو اپنی
ادا نہیں چاہتی ہوں کہ یہ لوگ تمہیں آزاد کر دیں۔ اب پتہ نہیں کہ تمہارے باپ
نے رقم ادا کی ہے کہ نہیں اگر ادا کی ہے تو ان لوگوں نے تمہیں کیوں نہیں چھوڑا۔
معاہدے کے مطابق انہیں آزاد کر دینا چاہیے"۔

"کیا تمہارا رابطہ ہلاکو خان سے نہیں؟"

"وہ خود ہی رابطہ کرتا ہے"۔

"یہاں اور کون کون ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چار خونخوار انسان جسن کے پاس جدید ترین اسلحہ ہے۔ ہم لوگ اس حصے دوسرے حصے کی طرف نہیں جا سکتے"۔

"یہ سب کیا ہے۔ اب کیوں بتا رہی ہو؟"

"کیونکہ پریشان ہوں کہ سب کام لیٹ کیوں ہو رہا ہے"۔

"فرض کرو یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑتے تو پھر کیا ہو گا"۔

"پھر کچھ سوچیں گے۔ آؤ کھانا کھاؤ"۔

اور نازو تیار ہو گئی۔ کھانا زیبا انوار کے بیڈ روم میں لگایا گیا تھا اور یہ کھانا جیراں نے تیار کیا تھا۔

"مجھے اگر تم یہاں سے نکال سکتی ہو تو نکال دو"۔

"چار خونخوار کتے چھوڑ رکھے ہیں ہلاکو خان ہے یہاں"۔

"اگر تم ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ تو میں کوشش کر دیکھتی ہوں"۔

"مثلاً" کیا کوشش کرو گی"۔

"رات تین بجے جب ہر طرف خاموشی ہو گی وہ چاروں بھی مطمئن انداز بے خبر سو رہے ہوں گے نکلنے کی کوشش کی جا سکتی ہے"۔

"باجی! چھوٹی سرکار درست کہتی ہیں۔ ہم دونوں جو کردار ادا کرنا تھا کر دیا کم کم انہیں موقع دو یہ خود نکل جائیں"۔ جیراں بول پڑی۔

"ہلاکو خان ہم دونوں کو گولی مار دے گا"۔ زیبا انوار پر تفکر انداز میں بولی۔

"ہم تو بے خبر سو رہی تھیں ہم کو کیا پتہ کب نازو بی بی فرار ہو گئیں"۔

"بات تو تمہاری درست ہے"۔ زیبا انوار بولی۔

"میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ زیبا انوار پلیز! میری مدد کرو" نازو جیسے رو ہی پڑی ہو۔

"او کے آج رات کوشش کرتی ہوں اگر قدرت نے مدد کی تو یہ نکل جائے اور یوں بات ختم ہو گی۔ پھر رات دو بجے بنگلے کے گیٹ سے جو بند تھا اوپر چڑھا دوسری طرف اتار دیا گیا۔ اس عمل سے پہلے زیبا انوار نے نازو کو ایک بات کہی تھی

"دیکھو نازو بہن! ایک بات یاد رکھنا کہ عزت غریب کی ہو یا امیر کی اس کی حیثیت برابر ہوتی ہے کم حیثیت کے لوگوں سے پیار کرنا سیکھو۔ اور آخر میں یہ عرض کروں گی کہ اس بنگلے کے بارے میں نشاندہی مت کرنا۔ میں نے صرف تمہیں اس لئے نکلنے میں مدد دی ہے کہ مجھے ان چاروں آدمیوں پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ شراب پیتے تھے اور تمہارے بارے باتیں کرتے تھے۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میری وجہ سے اپنی عزت نہ گنوا بیٹھو"۔

یہ تھے وہ الفاظ جو زیبا انوار نے نازو سے کہے تھے اور وہ ہر بات بھول کر زیبا انوار کے سینے سے لگ گئی تھی۔

"چلو باجی یہ تو گئی"۔ جیراں ہنس کر بولی۔

"ہلاکو خان بھی یہی چاہتا تھا کہ میں ان لوگوں پر ایک احسان کر ڈالوں کیونکہ ہلاکو خان کا وقت ختم ہو گیا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مفرور ہو چکا ہے۔ اب مجھے خود جینا ہے وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح خان آفریدی کی میں ہمدردیاں حاصل کر لوں۔ یہی وجہ ہے کہ نازو کو مفرور کرایا یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اب صبح پولیس یہاں ریڈ کرے گی اور ہم دونوں کو برآمد کر لے گی پھر کیا ہو گا؟ وقت بتائے گا"۔

"باجی روپیہ کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا نہیں تھا"۔ زیبا انوار سونے کے لئے لیٹ گئی۔

صبح چھ بجے بڑے زور سے دروازے پر دستک ہوئی۔

زیبا انوار اور جیراں کچی نیند سے اٹھ گئیں۔

"کون ہے؟" جیراں زور سے بولی۔

"پولیس"۔ باہر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو جیراں"۔ زیبا انوار نے اپنے گرد چادر لپیٹ لی اور دروازہ کھلا تو اندر داخل ہونے والے ایس پی اسرار احمد تھے۔

"آپ دونوں میں سے زیبا انوار کون ہیں؟"

"جی میں ہوں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہاں اور کون کون ہے؟"

"دوسرے حصے میں پولیس انسپکٹر ہلاکو خان کے چار آدمی ہوں گے"۔

"لیکن پورا بنگلہ خالی پڑا ہے اور آپ دونوں خواتین کے سوا کوئی نہیں"۔

"انہیں یہیں پر ہونا چاہیے۔ اگر نہیں ہیں تو میں کیا عرض کر سکتی ہوں"۔

"کیا آپ یہاں نظربند تھیں؟"

"صرف بنگلے تک محدود تھی۔ باہر جانے کی اجازت نہیں تھی"۔

"ہلاکو خان کے بارے میں کچھ بتائیے؟"

"وہ خود رابطہ کرتے ہیں۔ میرے پاس ان کا نمبر نہیں"۔

"آپ کے پاس موبائل ہے؟"

"یس سر"۔

"آپ کو معلوم ہے کہ یہ بنگلہ کس کا ہے کیونکہ گیٹ پر تالہ لگا ہوا تھا جسے ہ نے توڑا ہے"۔

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ بنگلہ کس کا ہے"۔

"آپ انڈر اریسٹ ہیں۔ آیئے"۔

"کس جرم میں؟"

"ہلاکو خان کی معاون کی حیثیت سے"۔

"حالانکہ میں اس کے کسی جرم میں شریک نہیں ہوں"۔

"اس کا فیصلہ بعد میں ہو جائے گا۔ ویسے آپ کافی زخمی تھیں جب آپ ہوٹل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی"۔

"بہت پرانی بات ہے۔ میں اب ٹھیک ہوں"۔

"او کے۔ تشریف لایئے"۔ ایس پی صاحب کا لہجہ بڑا نرم تھا۔ جب دونوں باہر نکلیں تو دس پولیس والے مزید وہاں موجود تھے جن کے پاس جدید ترین اسلحہ موجود تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ایک پولیس اسٹیشن کے لاک اپ میں موجود تھیں۔

"یہ کیا ہوا باجی؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ گھبراؤ مت۔ آؤ سو جاتی ہیں"۔

"یہاں زمین پر نیند نہیں آئے گی"۔

"یہ جو میلی چادر موجود ہے اور سو سالہ پرانا تکیہ بھی رکھا ہوا ہے لیٹ جاتی ہا"۔

اور پھر واقعی دونوں لیٹ گئیں یہ ایک الگ بات تھی کہ نیند ان کی آنکھوں سے اہوں دور تھی۔ وہ ایک گھنٹے تک لیٹی رہیں۔ پھر اچانک دروازہ کھلا اور لیڈی پولیس ور آئی۔

"امید ہے نیند پوری کر لی ہو گی۔ آیئے آفیسر آپ کو بلوا رہے ہیں"۔

دونوں اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیں۔ جب وہ ایس پی کے آفس میں پہنچیں تو ہاں نازو اور اکبر خان آفریدی بھی موجود تھا۔

"واہ۔ شاندار۔ آیئے تشریف لایئے اور بیٹھئے"۔

دونوں خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ تب اکبر خان بولا۔

"پلیز ایس پی صاحب جیسا کہ ہماری بہن نازو نے ہمیں بتایا آپ کو بتا چکے ہیں۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ ان دونوں کو ہماری ضمانت پر رہا کر دیا جائے"۔

"نہیں مجھے تمہاری ضمانت کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ہاتھوں اگر خدا جنت ... کا وعدہ کرے تو تب اس جنت کو لینے سے انکار کر دوں گی"۔

"واہ۔ شاندار"۔

"تمہاری بہن تمہیں مل گئی۔ تمہیں مبارک ہو۔ لیکن تمہاری بہن نے اچھا نہیں کیا"۔

"نہیں ایسا بولتے زیبا انوار"۔ نازو جلدی سے بولی۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ تم ہارے خان کے لئے مزید کام کرو۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ مزید دلدل میں پھنسو۔ اگر ہماری جان کی ضمانت پر رہائی نہیں چاہتیں تو میں ضمانت دیتی ہوں تم میری بہن ہو تم نے ... بہت بڑے عذاب سے میری جان بچائی ہے"۔

"بڑے لوگ احسان مند نہیں ہوا کرتے۔ یہ نئی بات ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے خود ہی درس دیا تھا کہ درگزر کرنا چاہیے۔ عزت سب کی برابر ہے۔ صرف اپنے لئے ہی نہیں دوسروں کے لئے بھی جینا چاہیے سچ پوچھو تو مجھے نئی زندگی دی ہے"۔

"شکریہ نازو"۔

"کیا کاغذات تیار ہیں؟" نازو نے ایس پی اسرار احمد کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں۔ یہاں دستخط کر دیجئے۔ اور ہاں زیبا انوار صاحبہ شہر سے باہر نہ جا سکیں گی۔ اگر کوئی ایمرجنسی پڑ جائے تو اجازت لینا پڑے گی"۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ پسند کریں گے ویسا ہی ہو گا۔ نازو مسکرا کر بولی۔

اور یوں دونوں رہا کر دی گئیں۔ نازو دونوں کو اپنے شہر والے گھر لے جانا تھی لیکن زیبا انوار نے اپنا ایڈریس دے دیا اور جیراں کو لے کر اپنے گھر آ گئی چھوٹا سا پانچ مرلہ کا گھر تھا۔ انوار حسین بیٹی کو سامنے پر کا جیسے خوشی سے دیوانہ ہو۔ اس نے بیٹی کو سینے سے لگایا اور بولا۔

"یہ کون ہے بیٹی؟"

"آپ کی دوسری بیٹی۔ جیراں"۔

انوار حسین نے اسے بھی سینے سے لگایا۔ اور دونوں کو اندر لے آیا دونوں بانہیں پھیلائے زیبا انوار کی ماں کھڑی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ زیبا انوار ماں سے لپٹ گئی۔

"اکیلی کیا کیا دکھ اٹھاتی رہی ہو۔ کیوں دور چلی گئی تھیں؟"

"تقدیر۔ ماں۔ اب آ گئی ہوں کہیں نہیں جاؤں گی۔ لیکن یہ مکان بدلنا ہیں اس علاقے کے کس کس انسان سے منہ چھپاتی رہوں گی"۔

"تم جیسا کہو گی بیٹی وہی ہو گا"۔

"یہ جیراں ہے تمہاری دوسری بیٹی"۔

"آؤ بیٹی! سینے سے لگو"۔ ایک ماں نے بانہیں پھیلا دیں اور یوں جیرا نئے گھرانے میں منتقل ہو گئی۔ پھر ایک پراپرٹی ڈیلر کے ذریعے رات دس بجے

ٹاؤن شفٹ ہو گئے تھے۔ دس مرلے کا بنگلہ جو انہوں نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ جس کا کرایہ پانچ ہزار روپیہ تھا۔ کیونکہ اس کے بینک اکاؤنٹ میں پورا ایک کروڑ روپیہ موجود تھا۔ یہ ہلاکو خان تھا جو اس انداز میں دیکھا گیا تھا۔ زیبا انوار اب نئی زندگی گزارنا چاہتی تھی اس کا ایک بھائی تھا جو کراچی میں ہوتا تھا اس غریب کو قطعی علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی بہن کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ اگر اخبارات کے ذریعے اسے علم ہو جاتا تو یقینی بات تھی کہ فوراً" واپس لوٹ آتا۔ دوسری صبح اس نے ایس پی کو فون کر دیا تھا اور اسے اپنا نیا ایڈریس دے دیا تھا۔ پھر سارا دن سامان سیٹ کرتی رہی۔ جیراں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ چار بجے کی چائے کے وقت وہ فارغ ہو گئی تھیں۔ لیکن نجانے کیوں انوار حسین اس اچانک تبدیلی کو قبول نہیں کر پا رہے تھے۔ اس طرح بزدلوں کی مانند اپنا گھر چھوڑ دینا مناسب نہیں تھا۔ وہ ایک رات بڑی مشکل سے نکال پائے تھے۔ یہی حالت بیگم انوار کی تھی۔ پھر میاں بیوی نے حتمی طور پر واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ تھوڑی بہت بحث کے بعد زیبا انوار نے انہیں اجازت دے دی۔ کیونکہ ان کا ایک خاندان تھا۔ رشتے دار تھے۔ بستے گھروں میں لوگ آتے جاتے تھے۔ یہ وعدہ کر کے کہ وہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ واپس لوٹ گئے تھے۔ تب جیراں بولی تھی۔

"میرا خیال ہے میاں جی کا یہاں دم گھٹنے لگا ہو گا۔ نئی جگہ نیند کہاں آتی ہے؟"

"پرانے وقتوں کے لوگ ہیں انہوں نے بہتر سمجھا ہو گا۔ مگر میں ہوں نا آپ کے پاس"۔ جیراں بڑی اپنائیت سے بولی۔

"زندگی کبھی کبھار دھوکا دے جاتی ہے جیراں اور پھر انسان کو حالات و واقعات اور اپنے آپ سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہلاکو خان ایک بُرا کھیل گیا اور ہم عزت سے یہاں موجود ہیں۔ دشمنوں نے ضمانت دی لیکن میں اکبر خان کی طرف سے فکرمند ہوں"۔

"میرا خیال ہے کہ نازو کی وجہ سے شاید کوئی غلط قدم نہ اٹھائے"۔

"ایسے لوگ احسان فراموش ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار ظالم ہوتا ہے۔ بھیڑیا ہوتا ہے۔ میں اعتبار نہیں کر سکتی۔ میرا محبوب سرمایہ دار تھا۔ ایک ایسے باپ کا بیٹا تھا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منسٹر تھا۔ اس نے خود بھی منہ کالا کیا اور اپنے دوستوں کو بھی نوازا۔ یہ انسان کے اندر جو عفریت چنگاڑ رہا ہوتا ہے نا یہ اسے چین نہیں لینے دیتا۔ کرسی اور دولت دو ایسی چیزیں اگر انسان کے ہاتھ میں آ جائیں تو وہ انسان نہیں رہتا۔ عفریت بن جاتا ہے۔ میں آج اپنے محبوب کو ملنے جا رہی ہوں۔ کچھ حساب کتاب چکانا ہے"۔

"لیکن باجی.... آپ اب ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گی۔ کیونکہ سر پر کوئی سہارا نہیں"۔ حیران پریشان ہو کر بولی۔

"دولت تو ہے۔ سہارے خود بخود مل جاتے ہیں"۔ ایک کروڑ روپیہ خواب میں بھی نہیں دیکھا میں نے"۔ زیبا انوار کے ہونٹوں پر زہرخند دوڑ گیا۔

پھر واقعی تیار ہو کر ہلاکو خان کے بتائے ہوئے ہسپتال میں جا پہنچی۔ پھر معلومات ونڈو سے اس نے کمرہ نمبر معلوم کیا۔ اور حسن تک جا پہنچی۔ اس کی ٹانگ اور بازو پلستر چڑھا ہوا تھا۔

"تت" تم"۔ حسن زیبا انوار کو اپنے سامنے پا کر حیران رہ گیا۔

"کیوں.... میں اپنے محبوب سے نہیں مل سکتی"۔ زیبا انوار کے ہونٹوں پر تاسف بھری مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ خود ہی کرسی قریب کر کے بیٹھ گئی اور بولی۔

"ہاں تو کیسے ہو؟"

"تم کیسی ہو؟" وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"تمہارے سامنے ہوں۔ اس قدر اوپر سے کودنے کے باوجود بچ گئی"۔

"یہاں کیا لینے آئی ہو؟"

"تمہیں دیکھنے، تمہیں ملنے اور یہ دیکھنے کہ کیا تمہیں اس گھناؤنے فعل پر پچھتاوا تو نہیں ہوا"۔

حسن نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

"ہلاکو خان نے کہا تھا کہ جب چلنے پھرنے لگو تو تمہیں گولی مار دی جائے۔ اور خارش زدہ کتے کی طرح جو کسی کام کا نہیں رہتا۔ لیکن میں نے کہا تھا کہ نہیں۔ دشمن سامنے رہے اور خوف کے سائے تلے زندہ رہے اور تھوڑا تھوڑا کر کے مرتا رہے!

مزہ آتا رہتا ہے۔ ایک دم مر گیا تو لطف جاتا رہے گا۔ میں تمہیں جینے نہیں دوں گی حسن تم ایسے مجرم ہو جس نے اعتماد کے نام پر دھوکا دیا۔ جس نے میری محبت کی توہین کی۔ جس نے غریب جان کر مجھے توڑ دیا۔ لیکن اب میں غریب نہیں رہی ایک کروڑ کی مالک ہوں۔ کرائے کے آدمی مل جاتے ہیں۔ ویسے تو میرا باپ ہلاکو خان ہی کافی ہے"۔

"کیا تم مجھے دھمکی دینے آئی ہو؟"

"اگر یہ جرم ہے تو کون سی فرد جرم عائد ہو سکتی ہے؟"

"جاؤ نکل جاؤ یہاں سے میرا باپ ایک منسٹر ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بار ہلاکو خان تمہارے کام آ سکے اور ویسے بھی اس کا کام تمام ہونے والا ہے"۔

"یہی بات نندی پور کے خان آفریدی اور ان کے بیٹے اکبر خان آفریدی نے بھی کہی تھی وہ لوگ وڈیرے ہیں۔ خانہ خراب کر کے رکھ دیا ہلاکو خان نے ان کا۔ پورا ایک کروڑ صرف اس بات کا ان سے وصول کیا کہ اکبر خان نے مجھ پر بری نگاہ ڈالی تھی"۔

"بہت اونچا اڑ رہی ہو چڑیا"۔ حسن ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"یہ پر تمہارے عنایت کردہ ہیں۔ پرواز بھی تم نے دی ہے اور دفن بھی تمہیں میں کروں گی۔ یہ میرا دعویٰ ہے کہ تمہیں جینے نہیں دوں گی"۔

"تم نے اپنی عزت کا پورا ایک کروڑ وصول کر لیا۔ اب میری جان چھوڑ دو"۔

"مجھے برباد کرنے کے بعد۔ مجھ سے جینے کا حق چھین کر کہتے ہو کہ جان چھوڑ دوں۔ نہیں حسن تمہیں مجھ سے شادی کرنا پڑے گی"۔

"کیا؟" وہ حیرت سے چیخ پڑا تھا۔

"شادی۔ اس اجڑی ہوئی عورت کے ساتھ ورنہ جینا حرام کر دوں گی۔ میرے جسم میں کوئی گڑبڑ ہے مجھے پتہ نہیں تم تینوں حرامیوں میں سے کس کا پھل ہے۔ لیکن اس حرامی بچے کا باپ تم ہی کہلاؤ گے"۔

"لعنت ہے تم پر۔ نکل جاؤ یہاں سے"۔

"پھر آؤں گی۔ یاد رکھنا"۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھ گئی اور تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر کر مٹ گئی۔ جب گھر پہنچی تو ایک پولیس والے کو اپنا منتظر پایا وہ سفید لباس میں تھا۔

"پیغام دے کر چلے جاتے۔ رکنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"پیغام دے کر جا رہا تھا کہ آپ تشریف لے آئیں"۔

"چلو"۔ زیبا انوار تلخی سے بولی۔ وہ رکشے کے ذریعے ایس پی کے آفس گئی تھی۔ پولیس ملازم سکوٹر پر آیا تھا۔ جب وہ آفس کے اندر پہنچی تو وہاں خان آفریدی موجود تھے۔ جسے دیکھ کر زیبا انوار چونکی تھی۔

"آؤ زیبا انوار۔ بیٹھو"۔ ایس پی اسرار احمد مربیانہ انداز میں بولے۔

زیبا انوار کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گئی کیونکہ خان آفریدی کی موجودگی اس بات کی غماز تھی کہ کوئی نیا طوفان اٹھنے والا ہے۔

"خان آفریدی صاحب آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں"۔ اسرار احمد بولے

"لیکن میں ان کے کسی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں"۔ زیبا انوار لہجہ تنا ہوا تھا۔

"کیا بکتی ہو لڑکی"۔ خان آفریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اور زیبا انوار ایک دم مسکرا پڑی اور بولی۔

"بس میں نے یہی دیکھنا تھا کہ آپ کو بات کرنے کی تمیز آئی ہے کہ نہیں"۔

اسی لمحے ایس پی اسرار احمد نے خان آفریدی کو کچھ اشارہ کیا اور خود بول پڑے۔

"آپ واقعی پابند نہیں کہ انہیں کسی بات کا جواب دیں کیونکہ یہاں جو گفتگو ہونے والی ہے اس کا تعلق تمہارے کیس سے ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ جوابات دیں"۔

"چلئے اب جبکہ آپ نے ایک جواز بنا لیا ہے تو تیار ہوں۔ جی خان آفریدی صاحب آپ سوالات کر سکتے ہیں"۔

"بقول تمہارے اس بنگلے پر چار آدمی تھے لیکن پولیس کو نہیں ملے جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے نازو بیٹی کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ڈرامہ رچایا اور یہ سب کچھ ہلاکو خان کا کھیل تھا۔ روپیہ وصول کرنے کے بعد اس کا مفرور ہونا لازمی امر تھا۔ اب تمہیں ساتھ کہاں کہاں لئے پھرتا۔ لہٰذا یہ ڈرامہ اسٹیج کیا گیا"۔

میں اس قدر باریک باتیں نہیں سوچتی۔ شاید آپ درست فرماتے ہوں۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔ جب آپ کو ہلاکو خان مل جائے اس خود ساختہ ڈرامے کے بارے میں معلوم کیجئے گا۔ اگر اس نے مجھے گولی نہ ماری تو..... کیونکہ اس کے اعتماد کو میں نے صرف آپ کی بیٹی کو بچانے کے لئے دھوکا دیا۔ نازو کو ہلاکو خان سے کوئی خطرہ نہیں تھا ایک غیرت مند پٹھان ہے۔ خطرہ ان چاروں بھیڑیوں سے تھا جو شراب کے نشے میں بار بار نازو کا نام لے رہے تھے۔ مسئلہ کیا تھا مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میری چھٹی حس خبردار کر رہی تھی کہ اس لڑکی کو بچا لو ورنہ تمہاری طرح یہ بھی برباد ہو جائے گی۔ بس میرے پاس یہی ایک چھوٹی سی کہانی ہے اسے جس انداز میں آپ چاہیں بنا لیں"۔

"ہمیں یقین نہیں آیا"۔ خان آفریدی' زیبا انوار کو گھورتے ہوئے بولے۔

"آپ بالکل یقین نہ کریں۔ البتہ ابھی تک کوئی آلہ ایسا ایجاد نہیں ہوا جو جھوٹ سچ کی پہچان کر سکے"۔

"ہلاکو خان کو گولی کا آرڈر ہے زیبا انوار صاحبہ! اپنے ذہن سے خناس نکال دو۔ اب تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا"۔

"آپ ایک پولیس آفیسر کے سامنے مجھے دھمکی دے رہے ہیں جناب عزت مآب خان آفریدی صاحب"۔

"اسے چھوڑو یہ غریب تو بہت چھوٹا افسر ہے ہم ان کے بڑوں کے سامنے بھی تمہیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں"۔

اور زیبا انوار مسکرا پڑی اور بولی۔

"میرے پاس آپ لوگوں کا علاج ہے"۔

"مثلاً؟" خان آفریدی غرائے۔

"پریس کانفرنس"۔ زیبا انوار ہونٹ بھینچ کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا مطلب؟"

"انہیں بتاؤں گی کہ میں نندی پور سے کیوں بھاگ کر آئی۔ میں انہیں بتاؤں کہ غریب عورتوں کی عزتوں سے آپ باپ بیٹا کیسے کھیلتے ہیں؟ ہاں میں انہیں بتاؤں کہ یہ وڈیرے جو ملک کے اندر ایک ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں دوسروں کی بہو بیٹی کو بے لباس کر کے کھیتوں میں بھگاتے ہیں اور میں انہیں بتاؤں گی کہ ایک روپیہ اس وڈیرے نے ایک پولیس آفیسر کو رشوت کیوں دی اور میں انہیں بتاؤں کہ....."

"خاموش!!!" خان آفریدی اس قدر زور سے چلائے کہ ان کی آواز پھٹ گئی۔ وہ بڑی تیزی سے اٹھے اور آفس سے باہر نکلتے چلے گئے۔

ہونہہ چیونٹی کے کاٹنے کا اتنا دکھ۔ زیبا انوار زہر خند کے ساتھ بڑبڑائی۔ پھر چونک کر اس نے ایس پی اسرار احمد کی طرف دیکھا اور بولی۔

"سر! آپ ریٹ درج کیجئے۔ مجھے خان آفریدی اور ان کے بیٹے سے جان کا خطرہ ہے۔ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے یا میں مار دی جاؤں تو میری موت کی ذمے دار ان دونوں باپ بیٹے پر ہو گی۔"

"یہ بہت بڑے لوگ ہیں کیوں ان کے ساتھ الجھ رہی ہو۔ نقصان ہو گا۔"

"جان سے مار دیں گے اس سے زیادہ کیا نقصان کر سکتے ہیں؟" زیبا انوار نے بھینچ کر بولی۔

"خان آفریدی نے جو کہانی سنائی تھی کہاں تک درست ہے؟"

"خطرناک آدمی ہے۔ دور تک سوچتا ہے۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں تھا۔"

"کیا آپ میری کہانی سے مطمئن ہیں۔"

"نہیں۔" اسرار احمد مسکرائے اور جواباً زیبا انوار بھی مسکرا پڑی اور بولی۔

"اجازت ہے اور ہاں ریٹ تیار کر دیجئے گا میں کسی وقت آ کر دستخط کر دوں

اور اس ریٹ کا دونوں باپ بیٹے کو علم ہونا چاہیے۔"

"او کے اپنا خیال رکھنا۔"

"شکریہ سر۔ آپ اچھے پولیس آفیسر ہیں۔ میں آپ کو سلام کرتی ہوں۔"

"اچھے برے انسان ہر محکمے میں ہوتے ہیں۔"

"پولیس کے محکمے میں بہت کم لوگ اچھے ہوتے ہیں اور یہ بات مجھے ایک پولیس آفیسر ہلاکو خان نے بتائی تھی۔"

"کیا وہ تم سے رابطہ رکھتا ہے؟"

"نہیں۔ البتہ میرا ایمان ہے کہ وہ حالات سے باخبر ہو گا۔"

"اسے گولی کا آرڈر ہے۔"

"وہ بہت باخبر انسان ہے سر۔"

"او کے خدا حافظ۔ کل کسی وقت دستخط کر جانا۔"

"خدا حافظ سر۔" زیبا انوار آفس سے باہر نکل گئی۔

جب گھر پہنچی تو حیراں مسکرا کر بولی۔

"آپ بہت زیادہ مصروف ہو گئی ہیں۔"

"کل گاڑی خریدیں گے۔ رکشے ٹیکسی پر اب سفر نہیں ہوتا۔ ویسے حیراں خان آفریدی کو خوفزدہ کر آئی ہوں۔ لیکن یہ ہیں سانپ۔ محتاط رہنا پڑے گا ایک باڈی گارڈ اور اچھی ڈرائیونگ کر لیتا ہوں رکھنا پڑے گا۔"

"آپ یقین جانیں یہ بات آپ کو کہنے والی تھی اور یہ کام پھر کل صبح کریں گے۔"

اور پھر واقعی زیبا انوار نے گاڑی خرید لی اور ایک نوجوان باڈی گارڈ رکھ لیا۔ بڑا خوبصورت نوجوان تھا۔ بی اے کر رکھا تھا اور عرصہ تین سال سے بے کار تھا۔ زیبا انوار نے اسے ایک موٹر خرید کر دیا تھا اور ایس پی اسرار احمد نے اسے لائسنس بنوا دیا تھا اور پھر دو ماہ چپکے سے بیت گئے۔ دوسرے تیسرے دن انوار حسین بیوی کو ساتھ لے کر بی کو مل جایا کرتے تھے۔ اکثر رات کھانے پر آتے کیونکہ زیبا انوار کا اصرار ہوتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باڈی گارڈ کا نام فراز تھا۔ جو بنگلے پر رہتا تھا۔ بڑا جی دار نوجوان تھا۔ جب زیبا انوار نے اس کا انٹرویو لیا تو اس نے ایک بات کھل کر کہہ دی تھی کہ مجھے نہیں معلوم آپ مجھے کیوں رکھنا چاہتی ہیں لیکن میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس پر ضمیر ملامت کرے"۔

"تمہیں صرف میری حفاظت کرنا ہے۔ کر سکو گے"۔

"آپ کو کن لوگوں سے خطرہ ہے"۔

"مجھے اپنے حسین ہونے پر خطرہ ہے"۔

اور فراز چپ ہو گیا تھا اور دو ماہ دبے پاؤں بیت گئے تھے۔ پھر ایک رات تین بجے رات کی تاریکی میں بنگلے کی بیل بجی تھی اور زیبا انوار نے اسی لمحے میں گیٹ کھول دیا تھا جیسے آنے والے کی منتظر رہی ہو۔ فراز تیزی سے موٹر لے کر اپنے کمرے سے نکلا تھا لیکن اپنی مالکن کو کسی اجنبی کے لئے گیٹ کھولتے دیکھ کر وہ ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ زیبا انوار اندر آنے والے کو لئے اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ حیراں کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

"کیسی ہو حیراں بی بی؟"

"سب ٹھیک خان صاحب۔ آپ کا فون ملتے ہی باجی نے سونے کا پروگرام ترک کر دیا تھا۔ پوری فلم دیکھی ہے وی سی آر پر"۔

اور آنے والا ہاکو خان مسکرایا پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ بولو جو تم فون پر نہیں بولنا چاہتا تھا"۔

"خان آفریدی کی خاموشی ڈس رہی ہے۔ وہ آدمی خاموش رہنے والا نہیں۔ اور پھر اکبر خان تو مجھے پسند کرتا تھا یہ لوگ ایسے غائب ہو گئے ہیں جیسے تھے ہی نہیں"۔

"تم نہیں سمجھتا بیٹی لوگ جب تک وہ ہاکو خان کو نہیں مار لیتے تم پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ یہ پٹھان انہیں نظر نہیں آ رہا وہ باپ بیٹا اندھیرے میں کھڑے ہیں۔ میں نے ملک کو چھوڑنے کا سوچا لیکن تمہارا خیال آ جاتا تھا کہ دشمن تم پر وار نہ کر دے۔ اس پٹھان کی کھوپڑی کام نہیں کر رہا۔ ہمارا بڑا لوگ نے ہم سے بہت ناجائز کام لیا اب وہ ہم کو بھی گولی مارنے کا آرڈر دے رہا ہے۔ اب بات سمجھ میں آیا کہ ان لوگوں کا حکم

ماننے رہو تو سب اچھا ورنہ خلاص۔ کیا بولا۔ خلاص"۔

"میرا خیال ہے خان تم باہر نکل جاؤ میں نے اپنے لئے انتظام کر رکھا ہے سب سنبھال لوں گی"۔

"جو باڈی گارڈ بنگلے کی گھنٹی بجانے پر نہ جاگے وہ تمہارا حفاظت کیا کرے گا"۔

"میں باہر موجود ہو ملادام اور میرے ہاتھ میں موذر بھی ہے آپ کو گیٹ کھولتے دیکھ کر اپنے آپ کو روک لیا تھا"۔ باہر سے فراز کی آواز ابھری۔ وہ اندر داخل نہیں ہوا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو یہاں رکنے کی ضرورت نہیں"۔ زیبا انوار بولی۔

"اچھا ہوشیار آدمی ہے۔ کیا وفادار بھی ہے؟"

زیبا انوار مسکرا پڑی پھر بات بدل کر بولی۔

"خان میری بات مانو اور اس ملک سے نکل جاؤ۔ میں اپنی حفاظت کر لوں گی۔ میرے لئے آپ نے بہت کچھ کیا۔ اب آپ کی جان کو خطرہ ہے"۔

"ہم تمہیں فون پر بولے گا اور تم صبح ایس پی کو بتا دینا کہ ہم تم سے ملا تھا"۔

"اس سے کیا ہو گا خان"

"اس سے یہ ہو گا کہ وہ یہ خبر خان آفریدی کو دے گا اور خان آفریدی اور محتاط ہو جائے گا تمہاری طرف نہیں آئے وہ سمجھ لے گا کہ ہم ملک سے باہر نہیں گیا ادھر ہی روپوش ہے اور اسی شہر میں ہے"۔

"اگر ایس پی نے بنگلے پر خفیہ پہرہ بٹھا دیا تو پھر کیا ہو گا"۔

"اچھا ہو گا۔ پولیس تمہارا بھی حفاظت کرے گا اور اکبر خان آفریدی ادھر آنے کا جرات نہیں کرے گا۔ بابا ڈبل گیم کھیلو"۔

"تاپ نے جینا سکھا دیا خان ورنہ تو زندگی عذاب تھی"۔

"بس تم خود پنگا مت لینا۔ پھر جیسا حالات ہو گا دیکھ لوں گا"۔

"خان مجھے دکھ ہے کہ آپ کی شفقت سے دور ہو رہی ہوں"۔

"وقت کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ تم فکر مت کرو تم سے زیادہ دور نہیں رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ اب چلتا ہے"۔ اتنا کہہ کر ہلاکو خان اٹھ گیا۔ پھر جیسے ہی زیبا انوار نے اسے پر الوداع کہا۔ سناٹے میں ایک زوردار آواز اپنی گونج چھوڑ گئی۔

"ہلاکو خان تم گھیرے جا چکے ہو۔ پولیس مقابلے میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی گرفتاری دے دو"۔

"او تم خانہ خراب کا بچہ کدھر سے آ گیا"۔ ہلاکو خان نے ہاتھ کھڑے کر دیے زیبا انوار اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گئی اور دیوانہ گیٹ سے باہر نکل کر ہلاکو خان سے لپٹ گئی۔

"خان یہ کیا ہوا؟"

"بیٹا تیرا اللہ نگہبان۔ اپنا خیال رکھنا۔ زندہ رہا تو آن ملے گا۔ یہ سسلا اپنا ہے۔ کیا بولا۔ اپنا لوگ۔ جاؤ اندر جاؤ۔ ورنہ یہ لوگ تنگ کرے گا"۔ ہلاکو خان زبردستی زیبا انوار کو گیٹ کی طرف دھکیل دیا۔ پھر گلی میں وزنی بوٹوں کی آوازیں ابھریں تھیں اور ہلاکو خان کو گرفتار کر لیا گیا۔

زیبا انوار کے سامنے موذر لئے فراز کھڑا تھا۔

"یہ میرا باپ تھا فراز"۔

"پوری کہانی جانتا ہوں۔ اب میں ہوں نا' آیئے اندر"۔ اتنا کہہ کر فراز نے گیٹ بند کر دیا۔

"بہت برا ہوا۔ یہ انسان' میری وجہ سے برباد ہو گیا"۔ وہ رو پڑی تھی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اپنے بیڈ روم تک چلی آئی تھی۔

"تم آرام کرو فراز۔ اب تمہیں واقعی میری حفاظت کرنا ہو گی"۔

"جان دے سکتا ہوں مادام! آپ آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتی ہیں"۔

"شکریہ فراز! مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو"۔ وہ روہانسے لہجے میں بولی اور فراز اسے تنہا چھوڑ کر واپس لوٹ گیا۔

"جیراں مجھے پانی دو"۔

اور جیراں تیزی سے حرکت میں آئی۔ زیبا انوار نے پورا گلاس حلق میں انڈیل

لیا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"برا ہوا۔ بہت ہی برا۔ ایک باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا"۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹیک دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک ملکی ریڈیو' ٹی وی کی نشریات بند ہو گئیں اور پروگراموں کی جگہ قومی ترانوں نے لے لی۔ پورا ملک پریشان ہو گیا۔ لوگ سڑکوں' گلیوں اور محلوں میں کا اے۔ ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے اپنے اپنے خیالات' وسوسوں' اندیشوں کا ذکر رہے تھے یادن سالہ تاریخ میں ایسا نہیں ہوا تھا۔ حتیٰ کہ موبائل سسٹم جام ہو گیا۔ پروازیں بند گئیں اور ایئرپورٹ بند کر دیئے گئے۔ یہ سب کیا تھا کسی کی عقل میں نہیں آ رہا لیکن ایسا غیر محسوس انداز کا شور اور سناٹا روح کو گھائل کر رہا تھا۔ ہر فرد پریشان پھر تقریباً" تین گھنٹے بعد ٹی وی پر ایک فیتہ نمودار ہوا۔ جس پر آرمی چیف آف اسٹا پرویز مشرف کا قوم سے خطاب تھا۔ پھر لوگوں نے ایک گہری سانس لی۔ چوتھے مار لاء کی طرف ذہنوں نے دوڑ لگا دی۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ اور کیوں ہوا تھا؟ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن پورے ملک میں صرف ایک بات تو پکی ہو گئی تھی فوجی حکومت آ گئی۔ رات پونے تین بجے چند ایک منٹ کا قوم سے خطاب۔ لیکن تھا۔

صبح کے اخبارات ایک نئی صبح لے کر ابھرے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا پوری قوم کو حکومت ختم ہونے پر بدمزگی کا احساس پیدا نہ ہوا ہو۔ جیسے مطمئن ہو ہوں۔ یا اس موجودہ جمہوریت کو پسند نہ کرتے رہے ہوں۔ یا پھر حکمرانوں سے مطا نہ ہوں۔ کہیں سے بھی تو کوئی آواز نہیں ابھری تھی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ شاید وجہ پاک آرمی کے چیف آف اسٹاف کو کراچی اترنے نہ دینا۔ وہ سری لنکا کے سرکا دورے پر تھے۔ چیف آف آرمی کے علاوہ تقریباً" دو سو افراد جہاز پر سوار تھے۔

اپنے موجودہ ایندھن کے ساتھ کراچی ایئرپورٹ کے چکر لگا رہا تھا لیکن اسے اترنے نہیں دیا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟

اس کا ایندھن ختم ہونے کو تھا۔ پائلٹ بار بار بتا رہا تھا کہ جہاز کریش ہو سکتا ہے۔ دو سو زندہ مسافر مر جائیں گے۔ لیکن نیچے سے پائلٹ کو حکم نامہ جاری ہو رہا تھا کہ جہاز کو اپنے قریب ترین ملک لے جاؤ۔ لیکن قریب ترین ملک تو انڈیا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ انڈیا لے جاؤ۔ اور اس جہاز میں پوری قوم کا ایک بہت ہی قیمتی سرمایہ پاک آرمی کے چیف سوار تھے۔

ایسا کیوں ہوا؟ دو سو انسانوں کے قتل کے منصوبے کے پیچھے کون تھا؟ کس کا دماغ لڑ رہا تھا؟ کبھی ایسا ہوا اور نہ کہیں سنا؟ ہماری قوم ہی نہیں پوری دنیا میں پاک آرمی چیف آف سٹاف کی تقریر کو سنا گیا تھا۔ اخبارات نے جہاز کے نہ اترنے دینے سے لے کر ملک کا کنٹرول سنبھالنے تک کو کوریج دی تھی۔ ہر گزرنے والے لمحے کی کہانی تھی۔ قوم کا ہر فرد پریشان تھا کہ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے تھا گو کہ ملک میں مارشل لاء نافذ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن ملک کی قسمت اور بھاگ دوڑ ایک فوجی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ چوتھی بار ہوا تھا۔ ملک کے پہلے وزیراعظم شہید ملت لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں بھرے جلسہ عام میں گولی مار دی گئی۔ ان کے بعد وزیراعظم آتے اور جاتے رہے اور یہ سلسلہ صدر ایوب خان نے تمام کیا اور دس سال تک وزیراعظم کے بغیر حکومت کرتے رہے۔ پھر وزیراعظم کا اختیار یحییٰ خان کو سونپ کر چلے گئے۔ جنرل یحییٰ خان نے اس ملک کو ایک کی بجائے دو وزیراعظم دیئے اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ بنگلہ دیش کے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن کی فوج نے ان کے گھر میں خاندان سمیت ختم کر دیا۔ پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹنے بعد جنرل ضیاء الحق نے انہیں پھانسی دے دی۔ غیر جماعتی الیکشن کرانے کے بعد انہوں نے محمد خان جونیجو کو وزیراعظم بنایا لیکن جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ ملک کو وزیراعظم کا عہدہ راس نہیں آتا۔ محمد خان جونیجو کی حکومت برطرف کرنے کے بعد انہوں نے وزیراعظم کے بغیر ہی کام چلایا۔ طیارے کے حادثے میں جنرل ضیاء الحق کی جان بحق ہونے پر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت کے چیف آف آرمی اسٹاف ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ اور صدر اسحاق نے وزیراعظم
والی جمہوریت کو موقع دینے کا فیصلہ کیا۔ انتخابات کے بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم بنا
گیا' لیکن پنجاب میں میاں نواز شریف کو حکومت بنانے میں مدد دی اور میاں صاحب
نے وفاقی حکومت سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ غلام اسحاق خان نے کرپشن کے
الزامات پر بے نظیر حکومت توڑ دی۔ انتخابات میں میاں نواز شریف کو بھاری اکثریت مل
اور وزیراعظم بن گئے۔ لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنا بدلہ چکانے کے لئے
نواز شریف حکومت کے خلاف جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر غلام اسحاق خان کی مدد سے
نواز شریف حکومت کو رخصت کرانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اس دوران دو عبوری
وزرائے اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی اور بلخ شیر مزاری کو بھی کرسی کا مزہ چکھنے کا موقع ملا
تیسرے عبوری وزیراعظم معین قریشی کے زیر اہتمام بے نظیر ایک بار پھر کامیاب ہ
گئیں اور وزیراعظم بن گئیں۔ انہوں نے اپنی ہی پارٹی کے رکن فاروق لغاری کو صد
منتخب کرایا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ محفوظ ہو گئی ہیں اور بدقسمتی سے انہیں اپنے ہی صد
کے ہاتھوں برطرف ہونا پڑا۔ اب ان پر ایک درجن سے زائد مقدمات ہیں۔ خاوند جیل
میں اور وہ ملک سے باہر۔ بچوں سمیت دربدر پھر رہی ہیں۔ پھر تین ماہ کے لئے ڈگڈگی
نپاؤ وزیراعظم ملک معراج خالد بھی آئے ان کے یا جوج ماجوج تو چاہتے تھے کہ ۹۰ دن
۹۰ ماہ بنا دیا جائے لیکن وہ ۹۰ دن میں شرافت سے چلے گئے۔ ۱۹۸۸ء میں شروع ہو
والے جمہوری دور کے آخری وزیراعظم میاں نواز شریف تھے۔ انہیں قائداعظم سے
مینڈیٹ ملا۔ جو سنبھالا نہ جا سکتا اور میاں صاحب آج کل فوج کی حفاظتی تحویل
ہیں۔ انہیں اپنے مفادات سے بھی زیادہ امریکی ایجنڈے پر عمل کرنے کا شوق تھا۔
کے اندر وعدہ معاف گواہوں کی ایک فوج کے سپہ سالار تھے جو ہمیشہ انہیں سب اچھ
اطلاع دیتی رہتی تھی۔ بے نظیر کی طرح میاں نواز شریف کو بھی امریکہ اور مغربی
کی دوستی پر ناز تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ یار کلنٹن ذاتی دوست ہے انہیں کوئی نقصان
سکتا۔ انہیں یہ بھی سمجھ نہ آ سکی کہ ملکوں کے مفادات ملکوں سے وابستہ ہوتے ہیں
حکمرانوں کی دوستیاں حکمرانوں سے ہوتی ہیں۔

زیبا انوار نے پورا اخبار پڑھ ڈالا اور ایک گہری سانس لے کر سوچنے لگی کہ اس
بلون سالہ جمہوریت سے تو شاید فوج ہی بہتر رہے گی۔ جمہوریت ہوتی کیا ہے اس کی
شکل کیسی ہوتی ہے کم از کم چودہ کروڑ عوام میں سے تو کسی نے نہیں دیکھی۔ جس
انداز سے اس ملک نے اپنے حکمران بدلے ہیں اتنے عرصے میں کوئی شریف گھرانہ ملازم
بھی نہیں بدلتا' یہ کیسا ملک تھا جو اس قدر بدنصیب تھا کہ اسے بلون سال میں کوئی مرد
مجاہد ہی نہیں مل سکا جو جمہوریت کی اصل صورت دکھا سکتا۔ وہ سوچتی رہی اور پریشان
ہوتی رہی۔ وہ بی اے کر رہی تھی جب اس کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا اور وہ بکھر کر رہ
گئی۔ اب وہ ہر روز اخبار پڑھ رہی تھی۔ روز نت نئی باتوں کا اسے علم ہو رہا تھا پھر وہ
دن بھی آ پہنچا جب چیف آف آرمی سٹاف کو چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھال کر قوم سے
خطاب کرنا تھا اور پھر خطاب بھی ایسا کہ پوری دنیا حیران رہ گئی۔ سب نے دیکھتی
آنکھوں اور سنتے کانوں سے سنا اور اگر ان کے الفاظ کو سچ جان لیا جائے تو شاید وہ سپاہی
آ گیا تھا جو بلون سالہ احتساب کا ڈانڈا پکڑ کر ان تین سو بیس عفریتوں کو بے لباس کر
دے جنہوں نے ہر دور حکومت میں پانچ پانچ بنکوں سے قرض لیا اور ہڑپ کر گئے اور
قوم کے اس پیسے کو باپ کا مال سمجھ لیا تھا۔ بدقسمتی ہے قوم کی کہ صرف چہرے بدلتے
رہے لیکن خاندان وہی رہے۔ زیبا انوار ہلاکو خان کی وجہ سے پریشان تھی۔ اسے ایک
بات کی خوشی ہوئی تھی کہ کم از کم فوجی آنے سے وڈیرے اسے تنگ نہیں کریں گے۔
لیکن اس کے باوجود اس نے فراز کو بلوا لیا۔

"جی ماڈام حکم"۔

"اس حکومت میرا مطلب چیف ایگزیکٹو صاحب سے تھا جو کچھ یہ فرما رہے ہیں
کیا ایسا ممکن ہے؟ میں تم سے اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم نے اس جمہوریت کے دور
میں ہی بی اے کرنے کے بعد بہت دھکے کھائے ہیں"۔

"ماڈام جنرل مشرف پرویز کی آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ جو کچھ انہوں نے
کہا ہے کر دکھائیں گے"۔

"تین بار پہلے بھی تو ایسا ہوا تھا۔ فوجی آئے اور اقتدار کو اس قدر لمبا کیا کہ ان

کی واپسی ناممکن ہو گئی"۔

"شاید ایسا نہ ہو۔ اس بار تیور کچھ اور نظر آ رہے ہیں"۔ فراز نے بڑے و
سے کہا۔

"میں بھی یہ سمجھ رہی ہوں۔ دل کہہ رہا ہے کہ کچھ ہو گا"۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیسے ہو گا۔ بادن سال کی بگڑی ہوئی جمہوریت
کا حلیہ مسخ کر دیا گیا ہے اب ہمیں یاد ہی نہیں کہ یہ ہوتی کیسی ہے۔ اس کی شکل
ہوتی ہے۔ اب اگر کچھ نہ کیا گیا تو پھر اس ملک کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں"۔

"یہ پہلے بھی خدا ہی کے سپرد تھا۔ ہر حکمران ٹولے نے اس کا بیڑا غرق کرنے
کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ ملک سانس لے رہا ہے تو کیسے؟"

"آپ کافی فکرمند ہیں مادام۔ شاید آپ بادن سالہ پاکستانی تاریخ سے متنفر ہیں"

"ہاں بہت زیادہ۔ ایک جنرل نے تو آدھا ملک کٹوا دیا اور ہمارا وہ دور تاریخ
بدترین دور تھا۔ گو کہ وہ دور میں نے اپنے جذبات و احساسات کے حوالے سے نہیں
دیکھا صرف سنا اور پڑھا اس وقت میں بہت چھوٹی تھی لیکن بحیثیت پاکستانی اس المیے
المیے کا بڑا دکھ ہے۔ ایسے ہی جیسے پاکستان کے ہر فرد کو ہوا ہو گا۔ کیا مجبور اور بے
رہی ہو گی جب اس بات کا اعلان ہوا ہو گا کہ ہم آدھے ملک سے محروم ہو چکے ہیں"

"ہاں پوری قوم آج تک ماتم کناں ہے اور وہ المیہ تاریخ کا بدنما داغ ہے جو ق
کے ہر فرد کے سینے میں جلن پیدا کرتا ہے"۔

"کیا تمہیں بھی اپنے ملک سے بہت پیار ہے جبکہ تمہیں ملک نے اس قدر تعلی
حاصل کرنے کے باوجود بے روزگاری اور دھکے دیئے"۔

"ملک نے نہیں دیئے۔ ملک کو چلانے والوں نے دیئے کیونکہ یہاں میرٹ کی
بنیاد پر ملازمتیں نہیں ملتیں۔ ہر دور حکومت میں اپنی اپنی پارٹی کے افراد کو نوازا گیا۔ اور
میرے علاوہ لاکھوں افراد حکمران ٹولے کی بے رحمی کا شکار ہوئے ہیں۔ کوئی رکشہ چلا
رہا ہے اور کوئی چھوٹی موٹی ملازمتوں کے لئے ترس رہا ہے۔ یہ جو مارشل لاء ہے اور یہ
جو مارشل لاء نہیں۔ پتہ نہیں اپنے دامن میں کیا لے کر آیا ہے؟" فراز بڑا دکھی ہو ب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جمہوریت پسند ہو کیا؟"

"شخصی آزادی کا قائل ہوں اگر جمہوریت میں تھانے نہ بکتے ہوں' تھانے
ایس ایچ اوز نہ بنتے ہوں۔ داد فریاد سنی جاتی ہو۔ انصاف ملتا ہو۔ میرٹ کی بنیاد پر
ہر کسی کو ناپا تولا جاتا ہو۔ تو مجھے یہ جمہوریت پسند ہے جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئی اور
مادام آپ نے سنا نہیں کہ چیف ایگزیکٹو نے کہا ہے کہ میں سب سے زیادہ جمہوریت
پسند ہوں اور جو کرنے آیا ہوں کر کے لوٹ جاؤں گا"۔

"کیا کریں گے؟"

"اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا۔ تیور خطرناک ہیں"۔

"تم نے بتایا تھا کہ تمہاری دو بہنیں ہیں اور دونوں شادی کے قابل ہیں"۔

"جی ہاں! والد کی وفات کے بعد تمام ذمے داری میرے کندھوں پر ہے"۔

"میں نے سوچا ہے کہ تمہیں کچھ رقم ایڈوانس دے دوں اور تم اس رقم سے
اپنی بہنوں کی شادیاں کر دو۔ تمہاری تنخواہ سے ہر ماہ ایک ہزار روپیہ کاٹ لیا کروں
گا"۔

فراز مسکرا پڑا اور بولا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو واقعی بہت اچھا ہو گا مادام"۔

"کس قدر چاہتے ہو؟"

"یہ تو آپ پر منحصر ہے؟"

"تین لاکھ"۔

"تین زیادہ ہے"۔ فراز مسکرایا۔

"دو لاکھ۔ کیوں ٹھیک ہے"۔

"دو لاکھ پچیس ہزار کا چیک دے رہی ہوں۔ پچیس پچیس ہزار روپیہ دونوں
اطراف کی طرف سے دے دینا"۔

"یہ تو شاید آپ زیادتی پر اتر آئی ہیں مادام"۔ فراز پریشان ہو کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور زیبا انوار اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ بڑی مدت بعد اس کے
مسکراہٹ ابھری تھی۔

کرنل شاہنواز تو پریشانی کی حالت میں ٹہل رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں
ہوئی تھیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ حق نواز نے انہیں کھلے الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ یا
فوج میں بھیج دیجئے یا پھر میری انیلا سے شادی کر دیجئے۔

بات پریشان ہونے والی تھی۔ مسئلہ انیلا سے حق نواز کی شادی کا نہیں تھا بلکہ
مسئلہ بیگم کا تھا جنہوں نے اس شادی کو قبول کرنے سے بہتر خودکشی کو ترجیح دینا
دیکھا جائے تو وہ خود چاہتے تھے کہ انیلا اس گھر کی بہو بنے لیکن یہ ممکن نہیں تھا
دیکھا جائے تو حق نواز نے بغاوت کر دی تھی۔ اس وقت بیگم شاہ گھر میں نہیں
۔ اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی تھیں اور کرنل کو یقین تھا کہ وہ حق نواز کی شادی کی
فی کرنے گئی ہوں گی۔ گھر میں ایک طوفان اٹھنے والا تھا۔ اچانک انہیں چائے کی
ی سے طلب ہوئی اور وہ بیڈ روم سے باہر نکل آئے انہیں انیلا اپنی طرف آتی نظر
۔ وہ وہیں ٹھہر گئے۔ انیلا قریب پہنچ کر بولی۔

"انکل کیپٹن فیاض تشریف لائے ہیں میں انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا آئی
۔"

"چائے بنا دو"۔ کرنل بولا اور جب انیلا پلٹی تو انہوں نے بغور اس کی طرف
۔ ایک خوبصورت قد اور چہرہ رکھنے والی لڑکی تھی۔ بہو بننے کے قابل تھی۔ پتہ
اس عورت کو کیا ہو گیا ہے جو انیلا کو پسند نہیں کر رہی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے تیز تیز
ے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ کیپٹن فیاض انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا
اور کرنل شاہ چلاتے ہوئے بولے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دس روز پہلے فون کیا تھا کہ آ جاؤ کچھ تبادلہ خیالات کر لیں۔ لیکن تمہیں فرصت ملی ہے"۔

"میں چاہتا تھا کہ دیکھوں اس بار فوج کیا چاہتی ہے"۔ کیپٹن فیاض مسکرا بولے۔

"فوج کو اقتدار میں نہیں رہنا چاہیے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں۔ جائے تو تیسری بار' چوتھی بار اس لئے نہیں کہیں گے کہ ایک جنرل نے دوسرے کو اقتدار منتقل کر دیا تھا۔ ہاں تو تیسری بار اس ملک کو فوج نے سنبھالا ہے اور اقتدار کو طویل تر کر دیا۔ اور ایک بات آن دی ریکارڈ ہے کہ جرائم ختم ہو چوریاں' ڈاکے' گینگ ریپ اور مرڈر کا صفایا ہو گیا حتیٰ کہ بینک محفوظ ہو گئے جاگیرداروں' سرمایہ داروں' وڈیروں اور بیوروکریٹس نے بینکوں کو نہیں لوٹا اور ق سرمایہ محفوظ رہا"۔

"ہاں یہ تو ہے کرنل صاحب۔ بلکہ آپ یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ جنرل ایوب کے دور میں انڈسٹریز کی بہت زیادہ ڈویلپمنٹ ہوئی۔ البتہ ضیاء الحق کے دور میں امن رہا۔ لیکن جمہوریت تو چاہیے۔ کیونکہ اس طرح پوری دنیا سے کٹ کر رہ جا ہیں اور اس کے باوجود امریکی ایجنڈے پر کام ہوا۔ تینوں جنرل بس سر کہہ کر اپنا چلاتے رہے"۔

کرنل جو ذاتی وجوہات کی وجہ سے پریشان تھے۔ سنجیدہ ہو کر بولے۔

"یار کیپٹن فیاض! فیروزالدین احمد فریدی کو میں نے پڑھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حکمران بڑی دلچسپ مخلوق ہوتے ہیں۔ ان کی پہلو دار نفسیات کا ایک دلچسپ پہلو یہ رہا ہے کہ ہر حکمران بسا اوقات پورے خلوص نیت سے سمجھتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے' ملک اور قوم کے مفاد میں ہے اور اس کے مخالف جو بھی کہہ یا کر رہے ہیں' وہ بدنیتی اور دشمنی پر مبنی ہے۔ ہر قوم کی زندگی میں بعض ایسے موڑ آتے ہیں جہاں چپ رہنا قومی غفلت کی اعانت مجرمانہ کے مترادف ہوتا ہے۔ آج ہماری قوم جس موڑ پر کھڑی ہے' یا کھڑی کر دی گئی ہے' اس کے پیش نظر ہر دردمند پاکستانی پر لازم ہے

کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے بلا جھجک اور بلا تاخیر کہہ ڈالے۔ مبادا' ہمیشہ کی طرح' بعد میں کہنے کو بہت کچھ اور کرنے کو کچھ نہ ہو۔ آج کی اس مجلس میں پاکستان کی تاریخ کا ایک ورق پیش خدمت ہے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء سے جولائی ۱۹۷۷ء تک ساڑھے پانچ سال' اس قوم کے مقدر میں ذوالفقار علی بھٹو کی غلامی لکھی تھی۔ وہ دنیا کے پہلے سویلین تھے جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی بنے۔ پاکستان کے وہ تیسرے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ ساتھ ساتھ وہ ملک کے صدر بھی بن گئے۔ کوئی اور عہدہ ان کی سمجھ میں نہ آیا ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ وہ بھی سنبھال لیتے۔ کوئی وزیراعظم ان کے اقتدارِ اعلیٰ میں شریک نہ تھا۔ اقتدار کا منبع' مرکز' گذرگاہ اور منتہا صدر ہمہ مقتدر اور سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ذات والا صفات تھی۔ پھر ایک شب ان کے جی میں آئی تو صدارت کی کرسی سے اتر کر وزیراعظم کی کرسی پر جا بیٹھے اور کرسی صدارت کے پائے اتار کر اس پر ضلع گجرات کے ایک بوڑھے چودھری کو بٹھا دیا جہاں اسکے اختیارات وزیراعظم کے سیکرٹری سے کم تھے۔ گو نام کو فوجی آمریت کی جگہ نام نہاد جمہوریت آ گئی تھی لیکن نقشہ وہی فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کا تھا۔ صدر مملکت اپنے وزیراعظم سے اتنا ڈرے تھے کہ جب بھی وزیراعظم کسی غیر ملکی دورے سے واپس دارالحکومت راولپنڈی تشریف لاتے تو صدر مملکت راولپنڈی کے کمشنر' ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے کندھوں سے کندھا ملائے وزیراعظم کے استقبال کے لئے چک لالہ کے ہوائی اڈے پر بہ نفس نفیس کھڑے ہوتے۔ پہلے لوگ ہنسے لیکن بھلا ان کی کون پروا کرتا ہے۔ پھر لوگ معترض ہوئے لیکن اس کی پرواہ آج تک کسی نے کی ہے؟ پھر غیر ملکی سفارت خانوں میں بھی اس پر صدر صاحب کے ساتھ ساتھ وزیراعظم کا بھی مذاق اڑا تو وزیراعظم نے صدر فضل الٰہی کو ڈانٹا کہ آئندہ کسی ہوائی اڈے پر نظر نہ آئیں۔ اب یک دم اعلیٰ سرکاری افسروں کو بھی پروٹوکول کے سارے ضابطے یاد آ گئے اور انہوں نے بھی صدر صاحب کو سمجھایا کہ عالی جناب! دنیا بھر میں وزیراعظم تو صدر مملکت کا استقبال ہوائی اڈوں پر کیا کرتے تھے لیکن یہ کہیں نہیں ہوتا کہ صدر مملکت' وزیراعظم کا استقبال کرے' ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹانگ پر ہوائی اڈے پر کھڑا ہو۔ صدر مملکت بمشکل تمام راضی ہو گئے لیکن روایت ہے' اور راوی دروغ گو نہیں' کہ اپنے ناسحوں اور مشیروں سے زیر لب فرمایا "تم مجبور کرتے ہو تو آئندہ نہیں جاؤں گا لیکن یارو! کہیں مروا نہ دینا"۔

ہمہ مقتدر وزیراعظم گورنر بھی مقرر کرتے' وفاقی وزراء بھی' صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کی کابینہ کے وزراء کا انتخاب بھی' وزرائے اعلیٰ کی جبائے وہ خود ہی کرتے۔ جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور پاکستان کی بری' بحری اور ہوائی افواج کے چیف بھی وہی لگاتے اور وہی ہٹاتے رہے۔ چیف سیکرٹری' چیف جسٹس' چیف الیکشن کمشنر اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج بھی ان کے مقرر کردہ تھے۔ سول انتظامیہ کے آہنی تحفظات روی کی نوکری میں ڈال کر ہر تیسرے چوتھے مہینے درجنوں اعلیٰ سرکاری افسروں کو کان پکڑ کر سڑک پر پھینک دینے کے بعد انہوں نے ملک کی پوری انتظامیہ کو ایسا دہشت زدہ کر دیا تھا کہ اعلیٰ ترین سرکاری افسران ہمہ مقتدر وزیراعظم کے ذاتی نوکروں سے کہیں آگے بڑھ کر ان کے غیر قانونی احکام بجا لاتے' گو ہمہ مقتدر وزیراعظم کا سلوک ان کے ساتھ اپنے ذاتی نوکروں' بلکہ پالتو کتوں سے بھی بدتر تھا۔ سینیٹ' قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں وزیراعظم کی سیاسی پارٹی اکثریت میں تھی یا اکثریت میں بنائی گئی تھی۔ ریڈیو دن رات ان کی ساقی گری کرتا تھا اور ٹی وی دن ڈھلے ان کی باندی بن جاتی تھی۔ کچھ اخبارات ان کے کنٹرول میں تھے اور جن پر کنٹرول نہ تھا ان کے مالکوں' چھاپہ خانوں' حتیٰ کہ کارکنوں تک کی زندگی اجیرن تھی۔ سنسرشپ' اشتہارات پر بندش' کاغذ پر بندش' جھوٹے مقدموں کی بھرمار اور جیلوں کی تنگ' تاریک اور بدبودار کوٹھڑیاں ان کا مقدر تھیں۔ ہمہ مقتدر وزیراعظم نے ہمہ مقتدر ہٹلر کے نازی دستوں کی طرح فیڈرل سیکورٹی فورس کے نام سے ایک نیم عسکری فوج قائم کی جو براہ راست ان کے تابع تھی۔ اس فوج کے دستے' آدھی رات کے بعد' جس دروازے پر چاہتے' دستک دیتے۔ اسلحہ سے لیس ان خوفناک جتھوں کی دست برد سے وزیراعظم کی اپنی پارٹی کا بوڑھا سیکرٹری جنرل' پارٹی کے منشور کا خالق اور وفاقی کابینہ کا سب سے سینئر وزیر بھی محفوظ نہ رہا۔ وزیراعظم کی رنگین مزاجی' آزاد

ی اور مغرب نواز پالیسی کی وجہ سے مغرب ان کا گرویدہ تھا۔ عالمی بنک اور آئی ایم ف ان کے مداح تھے۔ امریکہ ان کی پشت پر تھا۔ ان معروضی خیالات میں' اگر ہمہ ار وزیراعظم ٹی وی پر قوم سے خطاب کے دوران' کرسی کے ہتھے پر زور زور سے ار کر' قوم سے یہ کہتے سنے گئے کہ یہ کرسی بہت مضبوط ہے تو وہ کیا غلط کہہ رہے ا چار اور پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب' یہ مضبوط کرسی اچانک ٹوٹ گئی۔ ں بھی نہ گزرے تھے کہ تین اور چار اپریل ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب' ان کی زندگی ا دھاگا بھی ٹوٹ گیا۔

"وہ سب کچھ بجا۔ ہر فرد کو واقعات کی روشنی میں آزادی سے کچھ نہ کچھ کہنا ہ"۔ کیپٹن فیاض مسکرا کر بولا۔

اچانک انیلا چائے کے برتن لئے اندر داخل ہوئی۔

"واقعی بہت طلب ہو رہی تھی"۔ کیپٹن فیاض انیلا کو دیکھ کر مسکرائے۔

وہ چائے کے برتن رکھ کر باہر نکل گئی تب کرنل نے کپ کیپٹن فیاض کی طرف ا اور بولے۔

"دیکھئے چیف ایگزیکٹو کیا کرنا چاہتے ہیں"۔

"سب سے پہلے تو میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاز کو نہ اترنے دینا ایک ا المیہ ہے اور اتنا بڑا رسک کس کم بخت نے لیا۔ کون سا شرارتی ذہن تھا جس مشورہ دیا تھا اگر جہاز کریش ہو جاتا تو کیا ہوتا؟"

"وہ جو کچھ خدا کو منظور تھا ہو گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانبار سپاہی کیا ہ"۔

"آپ نے ان کی تقریر نہیں سنی۔ پریس کانفرنس بھی آپ نے نہیں ہو گی کیا اس ے آپ کو اندازہ نہیں ہوا"۔

"ہر آنے والا یہی کہتا ہے اور ان کا یہ کہنا کہ میں خود سب سے زیادہ جمہوریت ں خطرناک موڈ کا غماز ہے"۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ایمان لے آنا چاہیے کہ انہوں نے جمہوریت کو پالنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ڈال دیا ہے خود ہی اسے پرورش کریں گے اور یہی اسے پروان کریں گے شاید طرح جمہوریت کی اصل شکل ہم دیکھ سکیں"۔

"جن الفاظ میں انہوں نے قوم سے خطاب کیا ہے جس جذبہ ایمانی کی باتیں ہیں۔ بحیثیت مسلمان ایمان لانے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن....."

"لیکن کیا کرنل صاحب؟" کیپٹن چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔

"یہ جو تم نے بات پالنے والی کہی ہے کہ انہوں نے جمہوریت کو پلنے میں دیا ہے۔ اچھی لگی۔ اور تمہارا مطلب ہے کہ پرورش خود ہی وہ کریں اور پروان خود چڑھائیں۔ اس طرح تو انہیں ایک طویل عرصہ چاہیے"۔

"لازماً" چاہیے۔ اس لئے وہ وقت مقرر نہیں کر رہے اور فرما رہے ہیں کہ کچھ مجھے کرنا چاہیے جو ملک کے حق میں بہتر ہے کر کے چلا جاؤں گا"۔

"اسی بات نے تو جمہوریت کے متوالوں کی نیندیں حرام کر ڈالی ہیں"۔ کرنل زور دے کر بولے۔

"خیر سے یہ جمہوریت کے متوالے کون ہیں؟"

"جنہیں شرم نہیں آتی"۔

"پھر بھی ذرا معلوم تو ہو"۔ کیپٹن فیاض مزہ لیتے ہوئے بولے۔

"یہ بیوروکریٹس۔ یہ وڈیرے۔ یہ جاگیردار۔ یہ سرمایہ کار اور ہمارے یہ پیندے سیاست دان۔ کیونکہ یہ اکثر جو حکمران ٹولہ آتا ہے ان کے ساتھ مل جاتے اور اپنے حصے کی دولت وصول کرتے ہیں"۔

"آپ درست فرماتے ہیں کرنل صاحب بالکل یہی ہوا ہے۔ باون سالہ میں ہم لوگ اسی سسٹم کا شکار رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے بدلے کون؟"

"اگر اس سسٹم کو بدلنا چاہیں تو ہمارے اور تمہارے چیف ایگزیکٹو بدل ہیں۔ کیونکہ بقول تمہارے کیپٹن کہ جمہوریت کو انہوں نے پالنے میں ڈال دیا ہے اسے پرورش اور جوان بھی کر دیں تو اس قوم کی تقدیر بدل جائے گی"۔

"آپ درست فرماتے ہیں کرنل صاحب۔ کاش! یہ خواب سچ ہو جائے"۔

"اگر اب بھی نہ ہوا تو یہ اس ملک کی بد نصیبی ہوگی"۔ کرنل نے کپ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"ہم بہت پریشان ہیں کیپٹن فیاض"۔

"مثلاً" کیسی پریشانی؟"

"انیلا کی وجہ سے پریشان ہیں۔ حق نواز بیٹا اس سے شادی کرنا چاہتا ہے"۔

"اور آپ بھی شاید یہی چاہتے تھے"۔

"یار کیپٹن! بیگم تیار نہیں۔ اور بیٹے نے بغاوت کر دی ہے۔ تمہارے آنے سے قبل اس مسئلے پر الجھ رہے تھے۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ سخت پریشان ہیں"۔

"بات تو واقعی پریشان ہونے والی ہے۔ انیلا بیٹی سے بات کی"۔

"نہیں۔ ابھی بیگم سے بھی نہیں کی۔ صرف بیٹے کے اندر بغاوت دیکھی ہے"۔

"موقع سے فائدہ اٹھایئے اور انیلا کے خیالات سن لیجئے شاید کوئی بہتر راستہ نکل آئے"۔

اور پھر وہی برتن لینے چلی آئی۔ دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"سوری! شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔ کسی شے کی ضرورت تو نہیں۔ میں برتن لینے آئی تھی"۔

"بیٹھو بیٹی تمہیں یاد کیا ہی تھا کہ آ گئیں"۔ کیپٹن فیاض بول پڑے تھے۔

"جی شکریہ"۔ وہ صوفے پر بڑے محتاط انداز میں بیٹھ گئی۔

"تب کرنل چھوڑے سے کھانسے اور بولے۔

"حق نواز نے تمہیں پسند کیا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ تم انکار مت کرو۔ یہ ایک نیک کام ہے۔ ہو جائے تو بہتر ہے"۔ کرنل اتنا کہہ کر رک گئے۔ انہوں نے انیلا کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"کچھ بولو بیٹی۔ کرنل صاحب تم سے کچھ معلوم کر رہے ہیں"۔ کیپٹن فیاض نے انیلا کو سہارا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تو بدیانتی ہو گی انکل"۔ وہ دھیرے سے بول پڑی۔

"کیا مطلب؟" کرنل بے ساختہ چونکے۔

"میں اس گھر کا سکون برباد نہیں کرنا چاہتی۔ یہ سب لوگ میرے محسن ہیں۔ مجھے جینے کا پیغام دیا ہے۔ میں ایسا سوچنا کفر سمجھتی ہوں۔ باقی رہا مسٹر حق نواز صاحب کا معاملہ تو آپ انہیں کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک کرائیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ذہنی طور پر تندرست ہیں"۔

کیپٹن فیاض نے پریشان ہو کر کرنل کی طرف دیکھا جو نجانے کیوں مسکرا دیئے تھے پھر وہ مربیانہ انداز میں بولے۔

"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ تمہیں ہم لائے ہی حق نواز کے لئے تھے کہ دونوں قریب ہو سکیں اور ایک دوسرے کو سمجھو سکو اور اگر ممکن ہوا تو ایک دوسرے کو پسند کرو۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ کوئی اہم فیصلہ کر لیا جائے"۔

"آپ بڑے آدمی ہیں اور آپ کا دل بہت بڑا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے"۔

"ممکن کیوں نہیں بیٹی"۔ آگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو۔ کرنل اس بار مسکرائے۔

"پہلی بات تو یہ کہ میرے ماں باپ نے آپ کو طعنہ مارا تھا کہ اس بیٹی کو لے جائیے اور گھر میں کوئی بیٹا ہو تو... ورنہ اسے یہیں مرنے دیجئے۔ میں نے اس وقت اپنے باپ کے الفاظ سنے تھے۔ ایک مجبور اور بے بس باپ کی وہ چیخ سنی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔ پھر میں یہاں آگئی لیکن یہ سوچ کر نہیں کہ آپ مجھے کوئی اچھا سا بر دیں گے۔ اپنے ارد گرد کے ماحول کو چھوڑ کر آئی تھی جو مجھے جینے نہیں دے رہا تھا۔ میں گھر میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک غریب کی لڑکی کے اعتماد کا خون کیا گیا تھا۔ میں پڑھنا چاہتی تھی لیکن ایک اچھے گھر کی خواہش نے برباد کر ڈالا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تحفظ دینے والی پولیس عزتوں کے شیشے بھی توڑ ڈالتی ہے۔ بہرکیف مجھے شادی کرنا ہی نہیں۔ اس لئے اس گھر کو طوفان کی زد پر مت لائیں۔ اس گھر کی مالکن ایک ایسی لڑکی کو بہو کے روپ میں کیسے برداشت کر سکتی ہے جو دو انسانوں کی درندگی اور خباثت کی بھینٹ چڑھی ہو۔ آپ کے بیٹے کے اندر جوانی کا ابال

ہے جب سر پر پڑے گا تو پھر مجھے ذلیل کر کے اس گھر سے نکال دیا جائے گا۔ بہتر ہے آپ اپنے بیٹے کو سمجھائیں کہ ایسا ہوتا نہیں ہے یہ سب کچھ کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ خدا کے لئے آپ اس انداز سے نہ سوچئے کہ یہ بات میں خود برداشت نہیں کروں گی۔ اس گھر کی بہو بن کر خود اپنی نظروں میں ہر روز جیتی اور مرتی رہوں گی۔ نہیں انکل آپ اس قسم کا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ آپ اپنے بیٹے سے کہیں کہ شادی زبردستی کی چیز نہیں۔ دو ذہنوں کا ملاپ ہوتا ہے اور میں آپ کے بیٹے کو بحیثیت شوہر برداشت نہیں کرپاؤں گی۔ کیونکہ وہ ایک اچھا شوہر ثابت نہیں ہو سکتا"۔

"کیا کہہ رہی ہو بیٹی وہ ایک بہت اچھا لڑکا ہے اور...."

"ہاں کیوں نہیں بہت اچھا لڑکا ہے کیونکہ آپ کا بیٹا ہے لیکن آپ نے ان کے اندر کی اتنی بڑی خامی کو نظرانداز کر دیا کہ وہ حضرت اپنی خواہش پر ایک ماں کی خواہش کو زہر دے رہا ہے۔ ایسی نافرمان اولاد زندگی کے کسی حصے میں کامیاب نہیں ہوتی جو ماں باپ کی ذات کی نفی کر دے۔ سوری انکل! میری نظروں میں آپ کے بیٹے کی حیثیت ایک خودغرض نوجوان کی ہے جو اپنی خواہش پر ماں کی خوشیوں کو قربانی کر دے"۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بڑے ادب سے بولی۔

"اجازت دیجئے"۔

اور وہ واپس چلی گئی۔ اپنے پیچھے ایک ہولناک سناٹا چھوڑ کر۔ دونوں دوستوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ اور دونوں دوست کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"ارے کرنل صاحب! یہ انیلا جو کچھ کہہ گئی ہے کس قدر حقیقت ہے"۔

"وہ بکواس کرتی ہے اور بکواس اس لئے کرتی ہے کہ ہماری بیگم سے خوفزدہ ہے۔ شاید انہوں نے کچھ باتیں کی ہوں۔ اسے ایک اچھی زندگی مل رہی ہے جو وہ قبول کرنا چاہتی ہے لیکن یہ نہیں چاہتی کہ گھر میں اس کی وجہ سے کوئی فساد پڑے۔ اس نے حق نواز، سونیا بیٹی اور ہمیں متاثر کر رکھا ہے۔ وہ آدھی جنگ جیت چکی ہے جس دن اس نے بیگم کے دل پر دستک دے ڈالی فاتح کہلائی گی۔ بس انہیں جتنا پاتی ہے کیپٹن فیاض یہ لڑکی انیلا ہمارا بھرم ہے۔ ہم بڑے وثوق سے اسے لے کر آئے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب عزت اسی میں ہے کہ یہ اس گھر کی بہو بنے"۔

"اللہ بہتر کرے گا کرنل شاہ۔ اگر پورا گھر انیلا بیٹی کے ساتھ ہے تو ضرور بھابھی جان بھی ایک دن راضی ہو جائیں گے"۔

"وہ دن بڑا مبارک ہو گا کیپٹن فیاض۔ ویسے دیکھا جائے تو انیلا بیٹی کا کردار قابل رشک ہے۔ وہ وہی کچھ کر رہی ہے جو اسے کرنا چاہیے"۔

"میں نے دیکھا ہے کرنل اس کا انداز ناقابل شکست ہے۔ وہ جس انداز سے سب کے دل جیت رہی ہے ایک دن فاتح کہلائے گی"۔

"اس دن ہم تمہارا منہ لڈوؤں سے بھر دیں گے"۔ کرنل پر تفکر انداز میں بولے۔ جس پر کیپٹن فیاض نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

خان آفریدی اور اکبر خان آفریدی اس وقت ایس پی اسرار احمد کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے گھر میں اسرار احمد کو کھانے پر مدعو کر رکھا تھا۔ جب کھانا ختم ہوا تو خان آفریدی مسکرا کر بولے۔

"ہلاکو خان کی کہانی کو اس قدر لمبا کیوں کیا جا رہا ہے۔ اسے پار کیوں نہیں کر دیا جاتا؟"

"یہ کام اوپر والوں کا ہے کیونکہ کیس پولیس کے محکمے کے پاس نہیں بلکہ سی آئی اے سٹاف کے پاس ہے"۔

"یہ کیس ادھر کیسے شفٹ ہو گیا"۔

"اسے گرفتار بھی سی آئی اے والوں نے کیا ہے۔ انہوں نے بے تحاشا تشدد کیا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس نے زبان بند کر رکھی ہے۔ اور وہ اس قدر تشدد کے باوجود زبان نہیں کھول رہا"۔

"آپ لوگ اسے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"اس نے کوئی کیسٹ کسی بنک کے لاکر میں رکھ چھوڑی ہے جو اس کے مرنے کے بعد ملک کے سب سے بڑے اخبار کے مالک کے حوالے اس کا وکیل کرے گا۔ اس کیسٹ میں کیا ہے یہ معلوم کیا جا رہا ہے؟"

"بچ گیا۔ بالکل بچ جائے گا۔ اسے اب پولیس مقابلے میں پار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ خطرناک انسان ہے۔ وار کر گیا۔ اسے پتہ ہے کہ منہ کھولے گا تو اسے مار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے اور ہمارے سروں پر تلوار کی مانند لٹک

رہا ہے"۔

"آپ درست فرماتے ہیں خان آفریدی صاحب۔ وہ بٹوں کے حلق میں انکا ہے پتہ نہیں اس نے کس کس آفیسر کے بارے میں زہر اگلا ہوا ہے۔ اس لئے انتظار کریں"۔

"نہیں انتظار نہیں ہوتا مسٹر آفیسر۔ ہمیں زیبا انوار چاہیے۔ ایک چیونٹی ہاتھی کو کاٹا ہے ہم لوگ اس قسم کی شکست کے عادی نہیں"۔ اس بار اکبر آفریدی سامنہ بنا کر بولا۔

"آپ لوگ ایک ایسی لڑکی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں جو کمزور اور بے ہے"۔ اسرار احمد مسکرا کر بولے۔

"وہ بے سہارا اور کمزور لڑکی نہیں۔ وہ زیبا انوار ہی تھی جو دو کروڑ روپیہ گئی اور وہ بھی ہمارے سینوں پر سوار ہو کر۔ نہیں آفیسر اسے معاف نہیں کیا جا سکتا

"آپ بھول رہے ہیں سر۔ یہ سب کام ہلاکو خان نے کیا ہے۔ اس کے اکا میں صرف ایک کروڑ جمع کروایا گیا"۔

"یہی تو اسے بتانا چاہتے ہیں کہ اب بلاؤ اپنے ہلاکو خان کو جس کے بل بو تم کو زمین دکھائی نہیں دیتی تھی"۔

"اس نے آپ دونوں کے خلاف ایک رپٹ درج کروا رکھی ہے کہ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو اس کی تمام ذمہ داری آپ دونوں پر ہو گی"۔ اسرار احمد دونوں کو خبردار کیا جس پر اکبر خان مسکرا پڑا اور بولا۔

"ہم نے کون سا اسے مارنا ہے۔ پیار محبت کی بات کریں گے۔ بہت دن ہو ہیں اسے دیکھے ہوئے"۔

"میرا خیال ہے آپ اس کے ساتھ نہیں اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے وہ چیونٹی بہت خطرناک ہے۔ قاعدے قانون کو بہتر طور پر سمجھتی ہے۔ بہتر ہے نظر کر دیجئے کیونکہ حکومت بدل چکی ہے اوپر سے بہت سختی ہے اگر کوئی غلط ہاتھ پڑ لینے کے دینے پڑ جائیں گے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بابا سائیں آپ آفیسر سے گپ شپ کریں ذرا زیبا انوار کو دیکھ آئیں کہ چڑیا کس حال میں ہے"۔

خان آفریدی کچھ نہیں بولے تھے اور اکبر خان آفریدی اٹھ گیا تھا۔

"خان صاحب! اکبر صاحب کو سمجھائیے وقت اچھا نہیں۔ جو صدیوں حکومت کرنے کا پلان بنائے ہوئے تھے صرف پندرہ منٹ میں تخت الٹ گیا۔ اسے سول حکومت نہیں مارشل لاء ہی سمجھیں۔ آپ نے تقریر سنی ہو گی کہ ان کے کسی اقدام کو کسی حکم کو عدلیہ میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ صرف آرڈر چلے گا۔ یہ مارشل لاء نہیں کیا سول حکومت ہے؟"

"آپ ہم کو کیا باور کرانا چاہتے ہیں آفیسر؟" خان آفریدی برا سا منہ بنا کر لے۔

"میں آپ کو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زیبا انوار اس قدر کمزور نہیں ہے ابھی حالات اچھے نہیں اسے مت چھیڑیں"۔

"ہم لوگ محکوم نہیں ہیں۔ حاکم ہیں صرف حکم دینا جانتے ہیں۔ آپ کی معلومات کا شکریہ"۔ اکبر خان آئے گا تو بات کریں گے۔

"مجھے اجازت دیجئے۔ اور ہاں اس خوبصورت کھانے کا شکریہ"۔

"ہم کل سندی پور جا رہے ہیں اور اپنی پرانی ملازمہ کو واپس لے جانا چاہتے ۔ یہی بات اکبر خان زیبا انوار سے کرنے گیا ہے"۔

اسرار احمد نے عافیت اسی میں جانی کہ خاموشی سے واپس لوٹ جائیں اور وہ لوٹ ہی گئے۔

"دوسری طرف اکبر خان' زیبا انوار تک جا پہنچا تھا۔ اس کا استقبال فراز نے کیا اور کہا تھا۔

"مادام کسی سے نہیں ملتیں"۔

"تمہارے ہاتھ میں اسلحہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ تم ایک خوبصورت عورت کے ں ملازم ہو"۔ اکبر خان نے اسے گھور کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں آپ نے درست فرمایا"۔

"پڑھے لکھے بھی ہو گے"۔

"جی ہاں!"

"اور اس کے باوجود تمہیں شرم نہیں آتی کہ مرد ہو کر ایک عورت کی غلامی کر رہے ہو"۔

"جب چودہ کروڑ افراد پر ایک عورت حکومت کر رہی تھی تو ان چودہ کروڑ افراد میں ایک فرد آپ بھی تھے"۔ فراز مسکرایا تھا۔

"اوہ تو یہ تیور ہیں۔ واہ۔ شاندار۔ جاؤ اندر جا کر کہو کہ اکبر خان آفریدی آئے ہیں ہم سے مل کر خوش ہوں گی"۔ اکبر خان آفریدی اسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھے افسوس ہے خان صاحب۔ آپ اندر نہیں جا سکتے"۔

"ٹھہر فراز! انہیں آنے دو۔ یہ بڑا آدمی ہے اور ایسے آدمی کا راستہ نہیں روکا جاتا"۔ عقب سے زیبا انوار کی آواز ابھری تھی۔

"بہتر مادام"۔ فراز نے راستہ چھوڑ دیا اور اکبر خان گیٹ کے اندر چلا آیا۔ چند دیر بعد وہ زیبا انوار کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔

"فرمائیے کیسے یاد آ گئی میری"۔

"وہ ہماری ملازمہ حیراں کی بابا سائیں کو ضرورت پڑ گئی ہے انہیں واپس لینے آئے ہیں"۔

"وہ یہاں مطمئن ہے اور اپنے بابا سائیں کو کہہ دیجئے گا کہ یہ شہر ہے وڈیرے کا سندی پور نہیں۔ یہاں ایک قانون ہے ایک ضابطہ ہے۔ یہاں انسانوں کو غلام رکھنے کا کوئی قانون نہیں اور شاید حاکمیت کے زعم میں اکبر خان اور خان آفریدی یہ بھول رہے ہیں کہ یہ پانچ سالہ فرسودہ نظام تبدیل ہو رہا ہے۔ جس سسٹم کا شکار وہ ہیں اسے ختم کیا جا رہا ہے۔ اس لئے آپ بحیثیت مہمان داخل ہوئے ہیں۔ آپ کی خدمت ہمارا فرض اور فرض ہے"۔

"واہ۔ شاندار۔ خوب بولتی ہو۔ لیکن زیبا انوار آپ خواب بہت دیکھتی ہیں۔ پانچ سال سے اس نظام کو بدلنے کے لئے بڑے بڑے سورما آئے لیکن کیا ہوا؟ اس ملک کی تقدیر اور ملک کی عوام کی تقدیر ہم جیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ہوتا آیا ہے وہی ہوتا رہے گا"۔

زیبا انوار مسکرا پڑی اور بولی۔

"نظام بدلے گا۔ یہ قوم پرامید ہے۔ آپ جیسے لوگوں کا احتساب شروع ہو چکا ہے۔ ڈرو اس وقت سے جب بے یار و مددگار رہ جاؤ گے۔ بڑا بول نہیں بولتے۔ پانچ سال جس چکی کے دو پاٹوں کے درمیان اس قوم نے گزارے ہیں۔ وہ نفرت ہی کافی ہے۔ تم آنے والے وقت کی چاپ نہیں سن رہے۔ کان دھرو گے تو شاید سن پاؤ۔ ایسے تو ہو ہی اندھے بہرے"۔

"واہ۔ شاندار۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی زیبا انوار لیکن تم یہ بھول گئیں' ہلاکو خان کی کہانی ختم ہو گئی"۔

"کیا فرق پڑتا ہے پہلے بھی اپنی خوداعتمادی پر جنگ جیتی تھی اب بھی کمزور نہیں"۔

"دراصل ہم تمہیں اپنے بستر پر دیکھنا چاہتے ہیں اور اگر ہم یہ نہ کر سکے تو ہمارے وڈیرہ ہونے پر سو بار لعنت"۔

"اور مجھے خودکشی کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے اکبر خان۔ تمہارے بیڈ پر لیٹنے سے بہتر یہ ہو گا کہ زہر کھا لوں اور جس دن مجھے اپنی شکست کا احساس ہو گیا مر جاؤں گی تم لوگوں کی طرح ڈھیٹ نہیں ہوں کہ ایک عورت سے شکست کھا کر جیسے جی رہے ہو۔ تم لوگوں کو تو خودکشی کر لینی چاہیے تھی"۔

"ہلاکو خان آڑے آ گیا اور ہم غلط فہمی میں مارے گئے"۔ اکبر خان کے تیور بدلے تھے۔

"چلو اب تو ہلاکو خان نہیں ہے ہاتھ ڈال کر دیکھ لینا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بڑا دم خم ہے آپ میں۔ واہ۔ شاندار۔ بہت اچھی لگتی ہو ایسی باتیں کرتی ہوئے۔ ہاں جیراں کو لینے آئے ہیں"۔

"جیراں زہر کا ایک ایسا نوالہ ہے اگر تم نے اسے نگلنے کی کوشش کی تو مر جاؤ گے"۔

"کوئی بات نہیں اسے بلاؤ تو۔ ہم دیکھیں کتنا زہر ہے اس کے اندر"۔

اکبر خان آفریدی زہر خند کے ساتھ مسکرایا اور اسی لمحے جیراں سیون اپ کی گلاسوں میں ڈال کر لے آئی۔

"اوہ۔ یہ تو بہت خوبصورت ہو گی ہے"۔ اکبر خان جیراں کو دیکھ کر مسکرایا۔

"جیراں نے دونوں گلاس سنٹر ٹیبل پر رکھ دیئے پھر جانے کے لئے جیسے ہی پلٹی اکبر خان بول پڑا۔

"اے جیراں! بابا سائیں نے تمہیں یاد کیا ہے۔ بولو کیا کہتی ہو؟"

"کون بابا سائیں۔ میں کسی بابا سائیں کو نہیں جانتی"۔ جیراں کا لہجہ بڑا خشک تھا۔

"اتنے جوتے ماروں گا جا کر تمہاری ماں کے سر پر کہ تم نے کیسی نمک حرام بیٹی پیدا کی ہے۔ سب کو مار ڈالوں گا وہاں۔ جاتے ہی مار ڈالوں گا۔ ورنہ ساتھ چلی چلو"۔

"کوشش کر کے دیکھنا چھوٹے خان اگر وہ تمہیں مل جائیں تو ضرور مار دینا۔ کیونکہ وہ تندی پور کو چھوڑ چکے ہیں"۔

"اوہ۔ یہ تو ہم کو معلوم ہی نہیں تھا۔ اس لئے شیر ہو رہی ہو۔ ہم بھی کہیں کہ دم پر کیوں کھڑی ہو"۔

"دم تو تمہاری کب کی کٹ جاتی اگر اسے نگلنے میں مدد نہ دیتیں۔ لیکن تم لوگ احسان فراموش ہو۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے یہ موت کی دھمکی جیراں پر اثر انداز نہیں ہو گی"۔

"تڑاخ"۔ بڑے زور کا تھپڑ تھا جو اچانک اکبر خان نے جیراں کے منہ پر دے مارا تھا۔

"حرامزادی! تمہیں بھونکنے کی عادت کس نے ڈالی۔ ہماری بہن کے بارے میں

نے اس انداز سے بات کی اور....."

"ایک منٹ رکو مسٹر اکبر خان"۔ اچانک فراز اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"تم باہر جاؤ۔ اندر کیا لینے آ گئے"۔ وہ غرا کر کھڑا ہو گیا۔ اور فراز نے موزر سیدھا کیا اور اکبر خان کے پاؤں کے قریب برسٹ مارا اور اکبر خان ایک دم چیخ پڑا تھا کیونکہ اسے گولی نہیں لگی تھی لیکن خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

"یہ ایک نمونہ تھا اکبر خان! میں اگر تمہیں گولی مار دوں تو قانون مجھے حفظ ماتقدم کا حق دے گا۔ تم زبردستی اندر گھسے ہو اور پرانی دشمنی کی بنا پر تم نے زیبا انوار کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا اور میں نے تم جیسے چوہے کو گولی مار دی۔

"تم پاگل ہو کیا۔ جانتے ہو کس انسان سے مخاطب ہو؟" اکبر خان کی آواز لڑکھلی تھی۔

"میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں کہ تمہاری حیثیت کیا ہے"۔ اتنا کہہ کر فراز نے جیراں کی طرف دیکھا اور بولا۔

"پاؤں سے جوتا اتار اور جس قدر اس کے منہ اور سر پر مار سکتی ہو مارتی رہو اور اس وقت تک مارتی رہو جب خود تھک کر گر نہ جاؤ۔ چلو شروع ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا"۔ فراز کا لہجہ بڑا سفاک تھا۔

"اوے! کیا تم پاگل ہو۔ جانے دو مجھے"۔

"میں دوسرا ہلاکو خان ہوں وہ اپنے پیچھے بہت سے ہلاکو خان چھوڑ گیا ہے اور پھر اب تمہیں عزت سے اندر بلوا لیا گیا تو تم نے اس قدر جرات کیسے کی کہ میری بہن پر ہاتھ اٹھا سکو"۔

"ٹھیک ہے غلطی ہوئی معاف کرو اور راستہ چھوڑو ہم جا رہے ہیں"۔

"نہیں اکبر خان! میں جو کہتا ہوں وہی کیا کرتا ہوں۔ مادام فرماتی ہیں کہ اس ملک کا سسٹم کب بدلے گا اور میں پہلا نوجوان ہوں جو اس سسٹم کو ختم کرنے کی پہل کر رہا ہوں۔ چلو جیراں شروع ہو جاؤ"۔

"تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو مسٹر"۔ اکبر خان بوکھلا کر بولا۔

"جیراں! کیا تم بہری ہو؟"

"نہیں بھیا!" اتنا کہہ کر جیراں نے پاؤں سے سینڈل اتارا اور اکبر خان کی طرف بڑھی اور اکبر خان نے بے بسی سے ہونٹ بھینچ لئے اور جیراں نے اکبر خان پر ہونے کی بوچھاڑ کر دی۔

"شاباش۔ بس اب ٹھہر جاؤ۔ اور آپ ملازم جیراں کو لے کر اپنے بیڈ روم میں جائیں"۔

زیبا انوار ایک دم اٹھی تھی اور جیراں کو لئے ہوئے باہر نکل گئی۔

"ہاں تو مسٹر خان۔ میں تمہیں گولی مارنے والا ہوں اپنی آخری خواہش بتلاؤ"۔

اکبر خان صرف اسے گھورتا رہا۔ وہ فراز کو بڑی سفاک نظروں سے گھور رہا تھا

"کیوں کیا خیال ہے؟ تمہیں گولی مار دوں"۔

"واقعی پاگل ہو گیا؟" اکبر خان ایک دم غرا اٹھا اور فراز نے بڑے آرام سے اکبر خان کے سینے پر برسٹ مارا اور فرش پر گرنے والے اکبر خان کے چہرے پر حیرت اور ذلت کے تاثرات تھے۔ جیسے اسے یقین نہ آیا ہو کہ وہ یوں اس قدر آرام سے مر جائے گا۔

زیبا انوار اور جیراں گولیوں کی آواز سن کر بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں اور اندر کا خوفناک منظر دیکھ کر ساکت ہو گئیں۔ چند لمحے' چند گھڑیاں اور ساعتیں سناٹے میں بیت گئیں۔ پھر اچانک زیبا انوار لڑکھڑا کر آگے بڑھی اور بولی۔

"یہ..... یہ تم نے کیا کیا فراز؟"

"ایک سانپ کو مار ڈالا ہے اس نے کسی وقت بھی ڈس لینا تھا"۔ اتنا کہہ اس نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا اور داخلی دروازے پر تین فائر کر ڈالے۔ پھر پلٹا رومال میں ریوالور لئے فرش پر پڑے اور خون میں لت پت اکبر خان پر جھکا اور اس کے ہاتھ میں اچھی طرح پکڑوا کر اس کے قریب ہی پھینک دیا۔ پھر حیران پریشان زیبا انوار کی طرف مڑا اور بولا۔

"آپ اس سیٹ اپ کو سمجھ رہی ہیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں! کسی حد تک کہ اکبر خان نے تم پر تین فائر کئے تھے اور تم دروازے کے پاس کھڑے تھے"۔

"اور جیراں کچن میں تھی فائروں کی آواز سن کر ادھر آئی تھی اور یہ انسان مرا پڑا ہے"۔

"میں سمجھ گئی"۔ جیراں لرزتی آواز میں بولی۔

"آپ اپنی قمیض کے کچھ حصے ادھیڑ ڈالیں۔ تاکہ کہانی مکمل ہو جائے اس نے آپ کی عزت پر ہاتھ ڈالا میں مداخلت کر بیٹھا' اسے وارننگ دی اور اس نے فائر کئے میری فائرنگ سے وہ مر گیا۔ بس یہی چھوٹی سی کہانی ہے"۔

"اکبر خان کے چہرے پر سینڈل کے نشانات ہیں؟"

"وہ آپ نے جدوجہد کے درمیان مارے تھے۔ لہٰذا اپنے کمرے میں جائیے اور میں نے عرض کیا ہے کر ڈالئے پھر اپنے گرد چادر لپیٹ لیجئے گا اور اپنے ایس ایس پی سرار احمد کو فون پر پوری داستان سنا ڈالئے"۔

"کیا اسے مارے بغیر گزار نہیں تھا؟" زیبا انوار کی آواز اب بھی لرز رہی تھی۔

"نہیں! وہ ایسا سانپ تھا آپ کو کسی وقت بھی ڈس سکتا تھا اور زخمی سانپ کا یقین نہیں کیا کرتے۔ پلیز جائیے' جو میں نے عرض کیا ہے کر ڈالئے"۔ زیبا انوار جیراں لئے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ اور فراز نے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ لرمٹ گئی جیسے اپنے اقدام پر مطمئن ہو۔

"پولیس گاری میں ایس پی اسرار احمد بیس منٹ میں آ پہنچی تھی۔ جیراں انہیں ہوئے ڈرائنگ روم تک لے گئی۔ اسرار احمد نے اکبر خان کی لاش کو بغور دیکھا پھر ساتھ آنے والوں کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے جیراں کے ساتھ باہر نکل آئے۔

"کہاں ہے وہ باڈی گارڈ مسٹر فراز؟"

"باجی کے بیڈ روم میں۔ باجی کی حالت کچھ اچھی نہیں"۔ جیراں' زیبا انوار کے روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"جب یہ سب کچھ ہوا تم کہاں تھیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ بہت سارے دھماکوں کی آوازیں سن کر آئی تھی"۔

"تو اس کا مطلب ہے تم کچھ نہیں جانتیں"۔ اسرار احمد اتنا کہہ کر دروازے پر رک گئے۔

"آیئے رکئے مت۔ باجی کو آپ کا انتظار ہے"۔ جیراں اتنا کہہ کر بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔ زیبا انوار جو اپنے گرد سیاہ چادر لپیٹے ہوئے تھی صوفے سے اٹھ گئی بڑی عجیب حالت تھی اس کی۔ روئی ہوئی آنکھیں' زرد چہرہ' اور اجڑی اجڑی سی رنگت اور اجڑا اجڑا سا رنگ روپ۔

"تشریف رکھیں ایس پی صاحب۔ شاید میری کہانی ختم ہو گئی"۔

"انسان سانس لیتا رہے تو کہانیاں چلتی رہتی ہیں۔ صرف یہ بتاؤ سب کچھ کیا ہوا؟"

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ پھر انہوں نے فراز کی طرف دیکھا جو ایک طرف مودب کھڑا تھا۔

"تم بھاگے کیوں نہیں مسٹر فراز"۔

"وہ نہ مرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا اور مادام کی عزت لوٹ لیتا۔ اس نے مجھ پر تین فائر کئے اور میں نے صرف اسے دھمکی دی تھی کہ مادام کو چھوڑ دے ورنہ گولی مار دوں گا اور مرنے والے یہ کہتے ہوئے کہ گولی ایسے مارنی جاتی ہے' مجھ پر فائر کھول دیئے"۔

"اب یہ اتفاق ہے کہ میں بچ گیا اور وہ مر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ایک ڈاکو کو مارنے کے بعد بھاگنے کی ضرورت محسوس نہیں کی"۔

"ڈرائنگ روم میں جاؤ اور پولیس کو اپنا تفصیلی بیان لکھوا دو"۔ گویا اسرار احمد نے بات ختم کر دی اور پھر انہوں نے جیراں کی طرف دیکھا اور بولے۔

"کچھ دیر کے لئے تم باہر جاؤ"۔

اور جیراں نظریں جھکائے باہر نکل گئی۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہنکارا بھرا اور زیبا انوار کی طرف دیکھا اور بولے۔

"اصل کہانی کیا ہے؟"

زیبا انوار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کہانی وہی ہے جو آپ کو سنا دی"۔

"یقین نہیں آتا کہ اکبر خان آفریدی اس قدر بے وقوف بھی ہو سکتا ہے۔ ہر کیف کہانی اچھی ہے۔ فراز کے لئے کوئی اچھا سا وکیل کر لو تاکہ اس کی ضمانت ہو سکے"۔

"کیا آپ.... میرا مطلب ہے پولیس فراز کا ریمانڈ حاصل کرے گی"۔

"یہ تو بہت ضروری ہے پولیس نے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ لیکن تشدد نہیں کیا جائے گا"۔

"شکریہ! آپ ہر موقع پر میری مدد فرماتے ہیں"۔

"ایک بہت بڑے آدمی کا قتل ہے اوپر سے بہت دباؤ برداشت کرنا پڑے گا۔ کہانی کوئی بھی ہو ہر لحاظ سے مضبوط ہونا چاہیے"۔

"آپ غلط کہہ رہے ہیں سر"۔

"نہیں.... ہم جو کچھ سمجھ رہے ہیں وہ بحیثیت پولیس آفیسر نہیں بحیثیت ایک انسان سمجھ رہے ہیں۔ ہر محکمے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ زیبا انوار صاحبہ۔ یہاں کچھ زیادہ برے ہیں لیکن اچھے لوگوں سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بہرکیف شاید ایسا ہونا چاہیے تھا۔ جو بہت دیر سے ہوا"۔ اتنا کہہ کر اٹھے اور زیبا انوار کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئے اور زیبا انوار نے ایک گہری سانس لی اور پھر جیراں آ گئی۔

"آفیسر یقین نہیں کر رہا"۔

"کوئی خطرے والی بات تو نہیں باجی"۔ جیراں جلدی سے بولی۔

"انہوں نے بہتری کی امید دلائی ہے"۔

"پھر خدا بہتر ہی کرے گا"۔

کچھ دیر بعد ایک اے ایس آئی بیان لینے کے لئے آ گیا اور زیبا انوار نے اپنے کے بعد اپنے گرد لپٹی ہوئی چادر ہٹا دی تاکہ وہ اپنے بیان میں ان پھٹے کپڑوں کو بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شامل کر لے۔

جب پولیس فراز کو لے جانے لگی تو زیبا انوار اس کے قریب آئی اور بڑی م سے اس نے فراز کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

"گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی تم نے ایک خون آشام بھیڑ سے میری عزت کو بچایا ہے"۔

یہ تھے وہ الفاظ جو زیبا انوار نے سب کے سامنے کہے تھے اور ایس پی اسرار احمد کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

خان آفریدی ایسے چنگھاڑے تھے جیسے ان کہ شہ رگ پر چھری چل گئی ہو۔ ان کا وجود پہلے کانپا تھا پھر ایک دم تن گیا تھا۔ وہ ایس پی اسرار احمد کو خونخوار انداز میں یوں گھور رہے تھے جیسے اکبر خان کو اسی آفیسر نے قتل کیا ہو۔

"میں نے تو عرض کیا تھا کہ اکبر خان کو روک لیجیے۔ اور آپ...."

"خاموش!!!" وہ جیسے اندر سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں۔ جوان بیٹا اور وہ بھی بڑا قتل کر دیا گیا تھا۔ اور یہ تو خان آفریدی کا حوصلہ تھا کہ اپنے پاؤں پر کھڑے تھے اور اسرار احمد کو گھورے جا رہے تھے۔ پھر اچانک وہ صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہمارے بیٹے کو ایک سازش کے تحت قتل کیا گیا ہے مسٹر اسرار احمد۔ اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتے ہو"۔

"میں نے خود انکوائری کی تھی سر۔ زیبا انوار کا بہت برا حال تھا۔ اس کی قمیض گریبان اور کندھے سے پھٹی ہوئی تھی اور اس کے باڈی گارڈ نے جب اکبر خان کو ہلاک کیا تو اکبر خان نے اس پر فائر کھول دیئے اور جوابی فائرنگ سے خود مارے گئے۔ پورا برسٹ ان کے سینے پر لگا ہے۔

"اچھی کہانی ہے بہت اچھی کہانی ہے مسٹر ایس پی۔ ہمارا بیٹا اکبر خان کوئی معمولی انسان نہیں تھا۔ حکومت کی پوری مشینری ہلا کر رکھ دیں گے اور اس حرامزادی زیبا انوار کی بوٹیاں اگر خارش زدہ کتوں کے سامنے نہ ڈالیں تو خان آفریدی نام نہیں"۔

"سر میں آپ سے پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اکبر خان والا حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے میں دراصل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اصل کہانی کا علم اخبار والوں کو ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا تو آپ سر سے پاؤں تک ایک ایسی دلدل میں پھنس جائیں گے کہ پھر کوشش کے باوجود اپنے آپ کو نکال نہیں پائیں گے اور پھر آپ کی بدنامی کہ خان اکبر جیسے ایک بڑے انسان نے ایک ایسی لڑکی کو ریپ کرنے کی کوشش کی جسے پہلے ہی تین نوجوانوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔ پریس تک جب زیبا انوار کا بیان پہنچا تو آپ کی عزت کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔ لہٰذا میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ کی عزت اس قدر معمولی نہیں ہے۔ زیبا انوار کی کہانی پریس والوں کی ہمدردیاں حاصل کرے گی۔ اس وقت جوش نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔ ملک میں سول حکومت نہیں ہے۔ ایک مجاہد فوجی آ بیٹھا ہے۔ آنے والا وقت احتساب احتساب کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ میری اطلاع کے مطابق مرنے والے نے شوگر مل کے لئے ستر کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے رکھا ہے اس کی فکر کیجئے۔ اس قتل کو حادثہ قرار دے دیجئے۔ زیبا انوار کا بیان جو اس نے پولیس کو دیا ہے وہ صرف ہم تک محدود ہے۔ ابھی ایف آئی نہیں کاٹی گئی صرف آپ سے معلوم کرنا تھا کہ ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے۔ اب جیسا آپ فرمائیں گے کر گزریں گے۔ آپ نے اپنی عزت کو بچانا ہے یا زیبا انوار کا بیان پریس میں جانے دیں"۔

"تم نے تو خان آفریدی کو الجھن میں ڈال دیا ہے آفیسر۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو ہمیں تو اکبر خان کی موت کا یقین نہیں آ رہا کیونکہ وہ ہمارا بیٹا اس قدر بے وقوف نہیں تھا۔ بھیڑیئے کے غار میں گھس کر اس کا شکار کرتا۔ یہ کوئی بہ بڑی سازش ہوئی ہے لیکن تم ہمیں الجھا رہے ہو۔ بیٹے کا یوں مر جانا ایک بہت بڑا صدمہ ہے جو ہم سے برداشت نہیں ہو رہا"۔

"آپ بجا فرما رہے ہیں۔ ناقابل یقین سی بات ہے دو گھنٹے قبل تو ہم ان کے ساتھ ایک ہی ٹیبل پر کھانا کھا رہے تھے"۔

"بہت برا ہوا۔ ہمارا بیٹا۔ بڑا بیٹا اکبر خان اس دنیا سے چلا گیا اور ہم اپنے آپ کو اس قدر بے بس محسوس کر رہے ہیں آفیسر کہ دل چاہتا ہے کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچ لیں"۔

"ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ جو ہوا برا ہوا۔ لیکن خان صاحب میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کے اپنے لئے بہتر ہے۔ وہ لوگ جو اس وقت زیر حراست ہیں وہ بادشاہ لوگ تھے۔ وہ اس وقت کہاں ہیں کس حال میں کسی کو کوئی علم نہیں۔ اس ملک پر حکومت کرنے والے کس قدر بے فکر تھے لیکن کیا ہوا۔ ان کے حواریوں، موالیوں نے جو ہر دور حکومت میں مسلسل چلے آ رہے ہیں اس بار بھی کامیاب ہو گئے جس حاکم کے مشیر نکلے اور جی حضوری ہوں گے وہ حاکم ذلیل و خوار ہوا ہے۔ اب آپ اپنے آپ کو دیکھ لیں۔ طاقت کے ناجائز استعمال سے کیا ہوتا ہے میں نے آپ سے بار بار عرض کیا کہ اکبر خان آفریدی کو روکئے۔ لیکن کیا ہوا؟ ایک بہت بڑا حادثہ ہو گیا اور اکبر خان قتل ہو گئے۔ ایک معمولی سی لڑکی نے جس کی حیثیت زیرو تھی ہیرو بن گئی۔ ہلیز خان صاحب اس وقت جو میں کہہ رہا ہوں وہی کیجئے"۔

"ٹھیک ہے۔ اس وقت ہمارا ذہن کام نہیں کر رہا۔ بیٹے کے کفن دفن کے بعد سمجھ سوچیں گے"۔

"آئیف آئی آر کیا کاٹوں؟"

"جو بہتر ہو کر لینا"۔ خان آفریدی نے وقتی طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

اور دوسری دن ہی فراز تھانے کے لاک اپ سے باہر آ گیا اور حیرت انگیز طور پر پولیس نے پریس کو جو بیان دیا وہ دہشت گردی کا تھا۔ اکبر خان کو نامعلوم آفراد نے گاڑی کے اندر برسٹ مار کر ہلاک کر دیا۔

"یہ تھیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ اور پولیس نے اپنی مرضی کا کیس تیار کیا تھا اور ایک سانڈ کو حکمت عملی سے ہینڈل کر لیا تھا۔ فراز جب زیبا انوار کے سامنے پہنچا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا؟ میں نے تو شہر کا بہت بڑا وکیل تمہارا کیس لڑنے کے لئے تیار کر لیا تھا؟"

"ایس پی صاحب بہت مہربان ثابت ہوئے۔ مجھے ایسا رکھا ہوا تھا جیسی قیدی نہیں مہمان تھا۔ رات ان کے ذاتی کمرے میں سویا تھا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فراز! شاید تم نے کچھ غور نہیں کیا کہ ان کی خاموش آنکھیں کچھ کہہ رہی ہوتی ہیں"۔

"مم.... میں سمجھا نہیں مادام"۔

"وہ آنکھیں مجھے کچھ کہہ رہی ہوتی ہیں"۔

"کیا؟" فراز سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

"کچھ نہیں"۔

"آپ کوئی اہم بات کہنا چاہتی ہیں مادام"۔

"شاید.... لیکن میں عورت ہوں۔ مرد کے بارے بہتر طور پر اندازہ کر سکتی ہوں۔ بلاوجہ یہ انسان میری مدد کر رہا ہے۔ ایک بہت بڑا آدمی قتل ہوا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ لیکن پولیس والوں نے بڑی آسانی سے اسے دہشت گردی کا کیس بنا ڈالا"۔

"ہاں مادام! یہ ملک پولیس سٹیٹ ہے۔ یہ لوگ جو چاہیں کر گزرتے ہیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی ایس پی اسرار احمد کی کہ وہ آپ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ کیا یہ اچھی بات نہیں کہ ایک مضبوط سہارا ملنے والا ہے آپ کو اور...."

"فراز!" زیبا انوار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جی مادام"۔ فراز ایک دم محتاط ہو گیا۔

"اچھا کیا ہے برا کیا ہے۔ بات یہ نہیں اصل مسئلہ میرا اپنا ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں"۔

"آپ کیا چاہتی ہیں مادام"۔

"ذہن میں واضح نہیں ہے۔ ویسے اکبر خان کو مار کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ اب درمیان میں اسرار احمد آ گیا ہے۔ یہ کیا چاہتا ہے؟ کچھ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ جو وہ چاہتا ہے میں بھی وہی کروں۔ بہرکیف آدمی دیانتدار ہے اور اس کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ اب پتہ نہیں خان آفریدی کو اس نے کیسے مطمئن کیا ہو گا۔ یہ وڈیرے اس قدر جلدی بات کو ماننے والے نہیں ہوتے"۔

"آپ یوں پریشان ہوتی ہیں۔ دو چار خون مزید کرنے پڑے تو کر ڈالوں گا"۔

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ آپ نے اس غریب انسان کی دو بہنوں کو عزت سے بیاہ دیا۔ میرے سر سے بوجھ اتر گیا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں"۔

"تمہارے جذبات اچھے ہیں۔ ویسے میں نے تم پر احسان نہیں کیا۔ تمہاری وفاداری ختم کی ہے اور پھر میں وہ رقم تمہاری تنخواہ سے کاٹتی رہوں گی"۔

"ایسے تو عمر بیت جائے گی مادام اور رقم ختم نہیں ہو گی۔ کیا تمام زندگی مجھے ملازم رکھنے کی آرزو ہے"۔

اور زیبا انوار نجانے کیوں مسکرا دی۔

"مادام آپ کی طبیعت ٹھیک ہے"۔ فراز محتاط انداز میں بولے۔

"تم پڑھے لکھے نوجوان ہو۔ یہ بتاؤ نیا سیٹ اپ کیسا ہے"۔

"کیا آپ ملکی حالات کے بارے میں معلوم کر رہی ہیں مادام؟"

"ہوں"۔ اس بار پھر زیبا انوار نے بڑی مدت بعد خوبصورت انداز میں ہنکارا بھرا۔

"احتساب تو ہو گا۔ اگر نہ ہوا تو پھر کبھی بھی نہیں ہو گا"۔

"لیکن ایک بات ہے فراز کہ ہر آنے والے حکمران خواہ وہ فوجی قیادت کیوں نہ رہی ہو احتساب کا نعرہ اور بہت کچھ کرنے کے وعدے کئے بہت خوبصورت باتیں کیں لیکن ہوا کیا؟ صرف اپنی حکومت کو طول دینے کے لئے پروگرام بناتے رہے۔ اب جسے مرد مجاہد کہا جا رہا ہے کیا ارادے رکھتے ہیں۔ کیا تم کچھ روشنی ڈال سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں مادام۔ آپ آج بہت اچھے موڈ میں نظر آ رہی ہیں"۔

"ہاں۔ تمہارے واپس آنے سے کچھ سکون سا محسوس ہوا ہے۔ خاص طور پر ایس پی اسرار احمد نے جو ساتھ دیا ہے وہ بہت راحت بخش ہے۔ یوں محسوس ہوا ہے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ سر سے اتر گیا ہو"۔

"ہاں مادام! اسرار احمد نے بہت ساتھ دیا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آفریدی جیسے ایک ضدی وڈیرے کو رام کرنا بہت مشکل کام تھا۔ کیسے جتن کئے ہوں گے اور ہو سکتا ہے انہیں خوفزدہ کیا گیا ہو۔ بہرکیف خان آفریدی کو انہوں نے زبردست طریقے سے توڑا ہے"۔

"تم بہت تعریف کر رہے ہو"۔

"قابل احترام انسان ہیں"۔ فراز مسکرایا۔

"سچ کہتے ہو۔ ایک بہت بڑے انسان کے قتل کے جرم میں تمہارا صرف عزت سے لاک اپ رہ کے واپس لوٹ آنا۔ یہ پولیس سسٹم ہے۔ اور اس سسٹم کی وجہ سے لاکھوں انسان بے گناہ پھنس جاتے ہیں۔ اس سسٹم نے پورے ملک کو برباد کر رکھا ہے۔ باون سال سے ہم لوگ اسی سسٹم کا شکار ہیں۔ اس ملک پر وڈیرے' بیوروکریٹس' جاگیردار' سیاست دانوں اور سرمایہ داروں کی حکومت رہی ہے اور یہ سسٹم انہی کا پیدا کردہ ہے کہ خود جیو اور دوسروں کو مرنے دو۔ لیکن فراز اب اگر جنرل صاحب جیسا کہ فرما رہے ہیں کڑا احتساب ہو گا۔ اور کڑے احتساب میں قرضہ وصول کیا جائے گا اور جن صاحب اقتدار افراد نے طیارے کو اترنے میں رکاوٹ ڈالی یا جو افراد حکومت میں رہے ہیں زیادہ سے زیادہ انہیں سزا ہو جائے گی۔ لیکن پھر کیا ہو گا؟ ہاں بولو۔ پھر کیا ہو گا۔ سسٹم تو وہی رہا۔ جمہوریت جس کے باون سال سے خواب دیکھتے آ رہے ہیں۔ وہ کیسے آئے گی۔ وہ ہم لوگوں کو کب دیکھنا نصیب ہو گی۔ نہیں فراز۔ سب سے پہلے موجودہ سسٹم کو نیچے سے لے کر اوپر تک بدلنا ہو گا۔ تھانہ کلچر جڑ سے اکھاڑنا ہو گا۔ اس جگہ انصاف کو لانا ہو گا۔ ورنہ غریب لٹتا اور مرتا رہے گا۔ اگر یہ جنرل صاحب اس سسٹم کو بدلنے میں کامیاب ہو گئے تو قوم کے لئے ہیرو ہوں گے۔ ورنہ کیا ہو گا؟ وہی کچھ جو پہلے جنرلوں کے ساتھ ہوا"۔

"آپ بہت جذباتی ہو رہی ہیں مادام"۔ فراز پریشان ہو کر بولا۔

"یہ بات جذبات کی نہیں' حق کی ہے۔ حق کیسے ملے گا اور کون لوگ دیں گے؟ کیا فوجی یا جمہوریت کا الاپ الاپنے والے"۔

"میرا خیال ہے کم از کم چھ ماہ میں صورت حال سامنے آ جائے گی۔ قبل از

کوئی بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی"۔

"موجودہ حالات ان لوگوں کے لئے بہتر نہیں۔ جنہوں نے قرضے ہڑپ کئے ہیں اس وقت گرفت میں آ چکے ہیں۔ اگر وہ سب کچھ سچ ہے جو اخبارات کے سامنے آیا تو کڑا احتساب سامنے آئے گا"۔

"ہم سسٹم کی بات کر رہے تھے اسے کون بدلے گا۔ حکومت چلانے کا ہر کوئی آ گر لیتے ہیں لیکن باون سال سے جس سسٹم کا ہم شکار ہیں اس کا کیا ہو گا"۔

"شاید اتنی جلدی اس سسٹم کو نہ بدلہ جا سکے۔ ہر ادارہ کرپٹ ہو چکا ہے۔ ت طاقت کے غلط استعمال اس ملک کی سب سے زیادہ بدقسمتی رہی ہے۔ باون سال اسی کا شکار رہے ہیں۔ کم از کم مارشل لاء دور میں ملاوٹ' کرپشن اور ریپ ڈاکے پڑتے تھے اور نہ ہی وڈیرے' بیوروکریٹس' جاگیردار اور سیاست دانوں نے بنکوں کو کی جرات کی۔ یوں قومی سرمایہ محفوظ رہا۔ پاکستانی عوام کو ریلیف ملا۔ یہ بات تو کی ہے ہر فرد سمجھتا ہے۔ پھر جمہوریت کون مانگتا ہے۔ کیا چودہ کروڑ عوام یا کو لوٹنے والے وڈیرے' جاگیردار' بیوروکریٹس' سیاست دان اور سرمایہ دار۔ کیا ت صرف ان لوگوں کے لئے ہے؟"

"شاید"۔ فراز مسکرایا۔

"مسکرائے کیوں؟"

"آپ سیاست پر بڑے مدلل دلائل دے سکتی ہیں۔ شاید آپ کا سبجیکٹ رہا

"اس ملک میں رہتے ہیں لیکن پیروی ہم یورپ کی کرتے ہیں۔ آزاد ہیں لیکن امریکہ کی اجازت سے لیتے ہیں۔ وہ جمہوریت کا دعوے دار سب سے بڑا کرپٹ ہے جہاں کرپشن اپنے عروج کو چھو رہی ہے۔ ڈوب مرنا چاہیے حکومتیں چلانے کو"۔

"لیکن آپ کے اس مجاہد سپاہی کے تیور بڑے خطرناک ہیں مادام"۔

"میں بھی دیکھ رہی ہوں اور سن بھی رہی ہوں لیکن نجانے پر امید کیوں نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ اصل مسئلہ سسٹم کا ہے۔ اسے کیسے بدلا جا سکتا ہے"۔

"چلئے یہ بتائیے کہ اگر آپ برسراقتدار ہوتیں تو اس سسٹم کو بدلنے کے لئے کیا کرتیں؟" فراز مسکرایا۔

"اچھا سوال ہے"۔ زیبا انوار بھی نجانے کسی موڈ میں تھی کہ جواباً مسکرائی اور بولی۔

"ویسے تو غریب انسان دو وقت کی روٹی کی تلاش میں رہتا ہے اور فرض کر لیا جائے کہ کوئی مجھ جیسا کوئی فرد کسی اہم کرسی پر جا پہنچتا ہے تو سب سے پہلے میں یہ کوشش کرتی کہ ایک حکم نافذ کرتی کہ جس علاقے میں ڈاکہ پڑے یا گینگ ریپ ہو یا کوئی بھی ناقابل تلافی جرم ہو اس علاقے کے انچارج کو نہ صرف معطل کر دیا جائے گا بلکہ پورے سات سال کے لئے جیل بھیج دیا جائے گا۔ اور میں یقین سے کہتی ہوں کہ ہر جرائم پر قابو پایا جا سکتا ہے جیسا کہ تم نے ریٹائرڈ جنرل صفدر صاحب کا بیان پڑھا ہو گا کہ تھانے والے ہی ڈاکے ڈلواتے ہیں۔ تو اس بیان دینے کا مطلب کیا ہوا؟ اگر معلوم ہے تو کوئی حکم نامہ جاری کرو۔ لیکن وہ نہیں ہوا اور یہی خرابی ہے اور اسی سسٹم کی پوری قوم شکار ہے اگر جنرل صاحب کو پتہ ہے کہ تھانے ڈاکے ڈلواتے ہیں چوری کرواتے ہیں تو اپنے اس بیان کے ساتھ کوئی حکم نامہ کیوں نہیں جاری کیا گیا؟ نہیں فراز! اس سسٹم کو بدلنے کے لئے وقت اور بڑا جگر چاہئے۔ بیان بازی تو باون سال سنتے آ رہے ہیں۔ عمل چاہیے اور عمل سے ہی سسٹم درست ہو گا ورنہ چہرے بدلتے رہیں گے اور یہ حکمرانی سسٹم یونہی چلتا رہے گا"۔

"آپ بہت مایوسی کی باتیں کر رہی ہیں؟"

"میں مایوسی کی باتیں اس لئے کر رہی ہوں کہ میں بھی اسی سسٹم کا شکار رہی ہوں۔ ایک امیر نے۔ ایک منسٹر کے لڑکے نے مجھے مٹھائی کی طرح دوستوں میں بانٹ ڈالا۔ اگر سسٹم درست ہوتا' قانون کی بالادستی ہوتی۔ سزا کا خوف ہوتا تو میں رسوا نہ ہوتی۔ میں تو مر چکی تھی اگر درمیان میں ہلاکو خان نہ آ جاتا۔ وہ ہلاکو خان جس نے اپنے بڑوں کے حکم پر ان کے ناپسندیدہ افراد کو پولیس مقابلے میں مار ڈالا تھا وہی

خان اپنے ہی بڑوں کا شکار ہو گیا اور یہی سسٹم کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ کہ جو م کو جرم سے روکا جاتا ہے۔ آپ اپنا کوئی بھی جائز کام کسی بھی ادارے کو رشوت دیئے بغیر نہیں کروا سکتے۔ کسی بھی حکومت نے کبھی ان پولیس افسروں سے معلوم کیا ہے کہ آپ کے پاس اتنا بڑا بنگلہ' گاڑی' اس قدر خطرناک قسم کی آسائشیں کہاں سے آ گئیں۔ نظام تو یہ ہونا چاہیے کہ پولیس کا محکمہ ہو یا حکومتی کوئی بھی ادارہ ہو بھرتی ہونے والے کے اثاثوں کی پڑتال ہو جانا چاہیے۔ یقین کرو فراز ملک سے ستر فیصد رشوت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کرے کون۔ جب تم خود اپنے اثاثے ظاہر نہیں کرنے ہوتے تو وہ خود بھی ایسا نظام لا کر پکڑ میں آ جائے گا۔ لہٰذا کوئی بھی اس نیک کام کو کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باون سال سے یہ نظام نہیں بدل سکا۔ حکم چلانے والا حکم دینے والا اگر خود اپنا ہی احتساب کر کے گھر سے نکلے گا تو سسٹم خود بخود بدل جائے گا"۔

"آپ سچ فرما رہی ہیں۔ کیونکہ ہر حکمران نے اس ملک کو کچھ دیا نہیں بلکہ کچھ لوٹا ہے اور اس لوٹ کھسوٹ میں ہی آدھا ملک ہاتھ سے نکل گیا"۔

"اب بتاؤ یہ سسٹم بدلا جا سکے گا"۔

"شاید نہیں"۔

"تو پھر جمہوریت پر سو بار نہیں ہزار بار لعنت بھیجو"۔ زیبا انوار کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔ ملک کو قرضے نہیں ملتے نہ ملیں' اقتصادی پابندیاں لگتی ہیں تو لگیں۔ ہم ایٹم بنا چکے۔ ہمارا ملک زرخیز ملک ہے۔ معدنیات سے بھرا پڑا ہے۔ اپنے ہی وسائل سے ترقی کر سکتے ہیں اور پھر پورا عرب ہمارا ہے اگر کچھ لینا ہی ہے تو ان سے لے لو۔ کیا خیال ہے فراز؟"

"میں کچھ نہیں بولوں گا"۔

"میں غلط بول گئی ہوں کیا؟"

"اتنا بڑا سچ بول رہی ہیں آپ' ہضم کون کرے گا"۔

"اگر سسٹم کو بدلنا ہے تو جو میں کہہ رہی ہوں وہی کرنا پڑے گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اور آپ کون ہوتے ہیں اس سسٹم کو بدلنے والے"

"کیونکہ ہمارا مفاد اس سسٹم سے وابستہ نہیں۔ اس میں ہم کچلے گئے ہیں۔ اسی لئے چودہ کروڑ عوا اس سسٹم کو بدلنا چاہتے ہیں۔ لیکن چودہ کروڑ عوام میں سے کوئی بھی اقتدار کی کرسی پر فائز نہیں۔ لہٰذا یہ سسٹم نہیں بدل سکتا"۔

"میرا خیال ہے آپ جیراں سے کہیں کہ آپ کو ایک گرم گرم چائے کا کپ بنا دے"۔

زیبا انوار زہر خند کے ساتھ مسکرا دی اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ شاید فراز نے درست کہا تھا کہ اسے چائے کی ضرورت تھی۔

"ضرورت تو اس بات کی تھی کہ انیلا کو قبول کر لیا جاتا اور گھر کے پرسکون ماحول میں پیدا ہونے والی گھٹن کو ختم کر دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا"۔ کرنل شاہنواز نے جب بیوی کو بیٹے کی سرکشی کے بارے میں بتایا تو وہ آپے سے باہر ہو گئی اور غرا کر بولیں۔

"آپ نے اسے گولی کیوں نہ مار دی جب اس نے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بیہودہ خواہش کا اظہار کیا تھا"۔

"آپ ہوش میں ہیں بیگم۔ وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے کسی مورچے کے پرے کھڑا کوئی دشمن نہیں کہ ہم اسے گولی مار دیتے۔ اس نے اپنی پسند کا اظہار کیا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ ہم اسے کوئی سزا دیتے"۔

"ہاں آپ کو اسے کچھ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ اس فساد کی جڑ کو لائے ہی اس لئے تھے کہ اپنی بات کی لاج رکھ لیں۔ اور پھر بیٹا سرکش کیوں نہیں ہو گا۔ اس کے کندھے پر باپ کا ہاتھ جو ٹھہرا"۔

"آپ ہمارے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں بیگم۔ اس نازک ترین معاملے میں ہم نے کچھ اس کے بارے بات نہیں کی لہٰذا آپ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ سنجیدگی سے اپنے بیٹے حق نواز کے بارے میں سے کچھ سوچیں"۔

"کیا سوچیں۔ جو کام کرنا ہی نہیں اس کے بارے میں سوچنے سے فائدہ اور پھر کرنل صاحب اپنی بہن کو کیا جواب دوں گی کہ تمہاری بیٹی میں اب کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اس لئے ہم قبول نہیں کرتے یا ہمارا بیٹی راضی نہیں ہے۔ کیا وہ لڑکی پورے خاندان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بدنام نہیں ہو جائے گی کہ ایک بہن نے چھوٹی بہن کی بیٹی کو کیوں رد کر دیا۔ نہیں کرنل صاحب یہ نہیں ہو سکتا۔ حق نواز اگر بغاوت پر اتر آیا ہے تو پروا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہمیں چھوڑ دے گا۔ تو چھوڑ دے لیکن خاندان میں اپنی ناک نہیں کٹوائیں گے"۔

"تو آپ اپنا اکلوتا بیٹا کھونے پر آمادہ ہو گئی ہیں لیکن ہم اسے کھونا نہیں چاہتے۔ اپنی نسل ختم کرنا نہیں چاہتے"۔

"نسل۔ کیسی نسل۔ اس آلودہ بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کو آپ اپنی نسل کہیں گے۔ جو لڑکی اپنی خواہشات کے تابع رہی ہو جس کی اپنی مرضی سے دو انسان اسے استعمال کرتے رہے۔ اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔ اس فعل میں خود اس کی مرضی شامل رہی ہے۔ خدا کی پناہ۔ ایک مرد نہیں دو مرد"۔

"اسے شادی کے نام پر اعتبار اور بھروسے کے نام پر لوٹا گیا یہ کیوں بھول جاتی ہیں آپ بیگم صاحبہ"۔

"یہ زہر ہم نہیں پی سکتے ہرگز نہیں۔ آپ کسی قسم کی دلیل نہ دیں ہم برداشت نہیں کر پائیں گے"۔

"فرض کریں اگر ہماری بیٹی اس حادثے کا انتظار ہو جاتی تو آپ کیا کرتیں"۔

"پلیز کرنل صاحب اپنی بیٹی کے بارے اس قدر گھٹیا انداز سے مت سوچیں اور پھر ہماری بیٹی کسی گھسیارے کی بیٹی نہیں ایک باعزت خاندان کی بیٹی ہے ایک کرنل کی بیٹی ہے"۔

"بیگم ہم لوگ کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہوتے اور نہ ہی کوئی اوتار کا درجہ رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس معاشرے کے اندر کوئی حادثہ پیش نہ آئے سونیا کا بھی اس معاشرے میں وہی مقام ہے جو کسی غریب کی بیٹی کا ہو سکتا ہے۔ بیٹیاں صرف بیٹیاں ہوتی ہیں آپ پتہ نہیں کس ناک کی اور کس عزت کی بات کرتی ہیں جو ملک پر حکومت کر رہے تھے کیا باعزت افراد نہیں تھے انہیں کیا ہوا؟ سب بند پڑے ہیں اور بند ہونے کے بعد ان کی عزت ختم ہو گئی۔ نہیں بیگم عزت یوں ختم نہیں ہوتی۔ عزت اپنے

اور سے بنتی اور بگڑتی ہے۔ انیلا ایک کمزور لڑکی تھی' غریب تھی اور طاقت ور نے کے نام پر اس کی حسرتوں کو زہر دے دیا۔ انیلا کا فیصلہ اس کی کمزور قوت ارادی کا تھا۔ بعض اوقات انسان ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈالنے پڑتے ہیں۔ وقت اسے جھکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس نے پولیس والوں پر کیا اور وہ ایک غریب لڑکی کو بہت ہی کمزور سمجھ کر اس کی عزت سے کھیل گئے۔ یلا کی حمایت نہیں کر رہے۔ انسان کی کمزوری کی بات کر رہے ہیں۔ بعض حالات انسان کو وقت سے اپنے آپ سے اور موجودہ حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا۔ اس ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ بیٹیاں اپنی ہوں یا دشمن کی خدا رسول کا عطیہ ہیں۔ آپ کا بیٹا اور اس کا فیصلہ باعث عزت باعث افتخار ہے۔ ہم سلام کرتے ہیں کی سوچ پر اور...." وہ کچھ مزید کہتے کہتے رک گئے۔

"بولتے رہئے میں سن رہی ہوں۔ جس قدر چاہے آپ انیلا اور اپنے بیٹے کے فیصلے کی وکالت کر لیں۔ لیکن ہم یہ رشتہ قبول نہیں کریں گے"۔

"یہ آپ کی ہٹ دھرمی ہے یہ آپ کی جھوٹی انا ہے اور آپ کو پچھتانا پڑے گا یہ یہی وقت کا فیصلہ ہے اور وقت کسی کو معاف کرنے کا عادی نہیں۔ اسی وقت ے بڑے سورماؤں کی گردنیں توڑ دی ہیں۔ بادشاہوں کے تخت الٹ دئے ہیں۔ ں کو تخت پر اور تخت والوں کو جھونپڑوں میں ڈال دیا ہے۔ ہاں بیگم! وقت کسی کو نہیں کرتا اور تکبر خدا کے حضور ناپسندیدہ شے ہے۔ یہ ہماری عزت' رتبے سب والے کی عنایت ہے۔ ورنہ انسان تو بہت غلیظ ہے"۔ اتنا کہہ کر کرنل شاہ اٹھے اور سے باہر نکل گئے۔ بیگم شاہ کے تیور اچھے نہیں تھے۔ ان کے ذہن پر شوہر کی کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ ان کی اپنی سوچ تھی۔ زندہ رہنے کا ایک اپنا انداز تھا۔ جب کھانے کی ٹیبل پر کھانا دینے والی انیلا اور حق نواز نظر نہ آئے تو بیگم شاہ نے ناخوشگوار انداز میں سونیا کو دیکھا اور بولیں۔

"یہ انیلا کہاں ہے۔ کھانا کیوں نہیں لگایا گیا اور یہ حق نواز کدھر ہے۔ کھانے کی پر کیوں نہیں آیا؟"

"دونوں افراد گھر میں نہیں ہیں اور کچن ٹھنڈا ہے"۔

"کیا مطلب۔ کیا بکواس کر رہی ہو"۔

"آپ کا بیٹا انیلا کو لے کر چلا گیا"۔

"نہیں!!! یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ وہ غیر یقینی انداز میں جیسے چیخ پڑی ہوں۔

"ماں جان ایسا ہو گیا ہے"۔ سونیا کا انداز بڑا سنگین تھا۔

"تو ہم اپنی اولاد کے ہاتھوں شکست خوردہ ہو گئے۔ اپنی ماں کو ذلیل کرنے والا بیٹا کیا سکھی رہ سکے گا"۔

"خدا کے لئے ماں جان بھائی کو بددعا مت دیجئے گا"۔ سونیا ایک دم چیخ پڑی۔

اور بیگم شاہ ایک ہارے ہوئے جواری کی مانند اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔

"بابا جان! آپ ماں جان کو سہارا دیجئے"۔

"ہم کچھ نہیں کر سکتے وہ ایک ضدی خاتون ہیں۔ ٹوٹ گئیں لیکن جھکیں نہیں۔ انہیں اکیلا چھوڑ دو۔ اس وقت انہیں تنہائی کی ضرورت ہے"۔

اتنا کہہ کر کرنل شاہ بھی اٹھ گئے۔ اور سونیا پر تفکر انداز میں پریشان سا چہرہ لئے اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ تین دن اور تین راتیں جس اذیت سے گزریں اس کا اندازہ تو بیگم شاہ کو تھا۔ گھر کا سناٹا اس قدر گھائل کر دینے والا تھا کہ ہر فرد کا دم گھٹ رہا تھا۔ کچن سونیا نے سنبھالا ہوا تھا۔ کھانے کی ٹیبل پر جب تینوں افراد اکٹھے ہوتے تو تھوڑا بہت زہر مار کر کے خاموشی سے اٹھ جاتے۔ پھر چوتھی رات کو دس بجے بیگم نے بڑی سنگین نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"آپ کو معلوم تو ہو گا کہ حق نواز کہاں ہو گا؟"

"کیوں! آپ نے اسے اب کیا کہنا ہے؟"

"آپ اسے ایک پیغام دے دیں کہ ہم نے اسے معاف کر دیا ہے اور انیلا کو بہو تسلیم کر لیا ہے لہٰذا گھر لوٹ آئے۔ اس کے جانے سے در و دیوار سے یاس برس رہی ہے"۔

"ٹھیک ہے ہم اسے فون کر دیں گے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کو وہ گھر نہیں معلوم کیا جہاں وہ رہ رہے ہیں؟"

"نہیں۔ پرسوں اس نے فون پر ایک نمبر دیا تھا کہ اگر وہ پسند کریں تو کسی وقت بھی ان سے بات کی جا سکتی ہے"۔

"تو آپ نے فون کیا"۔

"نہیں"۔

"سونیا نے کیا ہو گا؟"

"اس کے پاس نمبر نہیں اور نہ ہی میں نے دیا"۔

بیگم شاہ نے مشکوک انداز سے شوہر کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"ہم جان گئے ہیں آپ کو اور اپنی بیٹی کو۔ کوئی بھی ہمارا نہیں۔ ان کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا"۔

کرنل نے فون کے سیٹ کو قریب کیا اور کوئی نمبر ملایا اور اس اثناء میں بیگم شاہ شوہر کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"ہیلو! ہاں ہم بول رہے ہیں۔ تمہاری ماں جان کا پیغام ہے کہ تم اپنی دلہن کو لے کر گھر آ سکتے ہو۔ انیلا کو انہوں نے بہو تسلیم کر لیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ او کے"۔ انہوں نے رسیور رکھ دیا پھر بیوی کی طرف دیکھا اور بولے۔

"وہ اسی وقت اور ابھی حاضر ہو رہا ہے۔ اگر آپ بیٹے کی سرکشی کو معاف کر چکی ہیں تو اسے سینے سے لگا کر پیار کیجئے گا۔ نئی نسل کو محبت سے جیتا جاتا ہے"۔

بیگم شاہ کچھ نہیں بولیں تھیں ان کا چہرہ بڑا سنجیدہ تھا۔ شکست کی گرد ان کے چہرے پر صاف نظر آ رہی تھیں۔ کرنل نے بڑی اپنائیت اور محبت سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"کچھ بازیاں ہار کر جیتی جاتی ہیں۔ اور وہ بازیاں بہت پیاری ہوتی ہیں۔ اپنے ہی خون کے ہاتھوں شکست کا احساس بڑے پن کی نشانی ہے۔ ہم نے اس کی خوشی کی خاطر سر جھکایا ہے کیونکہ ہم دونوں اپنی گزار چکے' بونس پر زندہ ہیں۔ آپ ایک اچھے انسان کی بیوی ہیں جس نے اپنے محاذ پر دشمنوں سے کبھی شکست نہیں کھائی اور آج اگر گھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے محاذ پر ہارے ہیں تو یہ شکست نہیں' قابل فخر بات ہے"۔

"آپ نے بہت حوصلہ بڑھایا ہے۔ شکریہ۔ شوہر ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ایک بار پھر آپ کا شکریہ"۔ بیگم شاہ کے چہرے پر ایک وقار اور تناؤ سا تھا۔ وہ اٹھیں تھیں' الماری کی طرف بڑھیں اسے کھولا۔ زیورات کے تین باکس اور چیک بک نکال لائیں۔

"لیجئے چیک بک بیس ہزار بھر دیجئے۔ بہو کو شاپنگ کے لئے یہ رقم دینا ہے۔ کیوں کم تو نہیں"۔

کرنل شاہ مسکرا پڑے اور انہوں نے چیک بھر کر دستخط کر دیئے۔ پھر اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور یہ دستک حق نواز کی تھی۔

"آ جاؤ بیٹا! ماں جان تمہاری منتظر ہیں"۔ کرنل شاہ مربیانہ انداز میں بولے اور پھر حق نواز سادہ لباس میں اپنی دلہن کو لئے اندر داخل ہوا۔ تب بیگم شاہ نے بڑی سرا سی نظروں سے بیٹے اور بہو کو دیکھا اور بولیں۔

"شادی مبارک ہو بیٹے"۔

"شرمندہ ہوں ماں جان۔ فیصلہ جذباتی تھا امید ہے بیٹے کی پہلی اور اس آخری غلطی کو معاف کر دیں گی"۔

"اولاد کے ہاتھوں شکست کھانا بقول تمہارے باپ کے بڑے پن کی نشانی ہے۔ جو تم نے کرنا تھا کر لیا لہٰذا اب ہم کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ زیور لو اور یہ چیک۔ اپنی دلہن کو ہماری طرف سے دے دینا"۔

"آپ اپنے پیارے ہاتھوں سے کیوں نہیں دیتیں؟" حق نواز مسکرا کر بولا۔

"ہم نے اپنے آپ سے' شوہر سے اور حالات سے سمجھوتہ کیا ہے۔ تیز گھاٹ ہے آہستہ آہستہ بھر جائے گا۔ یہ اٹھا لو"۔ اتنا کہہ کر انہوں نے انیلا کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"تم نے کچھ کہنا ہے کیا؟"

"جی"۔ انیلا کے ہونٹ لرزے۔

"کہو۔ ہم میں بہت دم ہے۔ بڑا ظرف رکھتے ہیں"۔

"میں آپ کے سینے سے لگنا چاہتی ہوں۔ میں بے بس اور مجبور کر دی گئی ہے آپ کو شاید علم نہیں کہ آپ کے بیٹے نے زہر کھانے کی کوشش کی تھی اور میں اسے بچانے کے لئے ہار گئی۔ میں اس گھر میں ماتم نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس گھر کا اکلوتا ہی بیٹا تھا۔ جس کے نسل کو بڑھانا تھا۔ اور پھر اس گھر نے جو عزت مجھے دی۔ اس کی ٹوٹتی سانسوں کو اپنی چاہتوں سے تھام لیا۔ لہٰذا اس گھر کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مجھے معلوم ہے میں ایک ایسا زہر ہوں جو آپ مر تو سکتی ہیں لیکن پی نہیں سکتیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں اس عزت دار گھرانے کی بہو نہیں بن سکتی۔ تو کیا کرتی۔ مجھے معاف کر دیجئے"۔ وہ رو پڑی تھی۔

"جاؤ آرام کرو۔ ہم تمہیں بہو کے روپ میں قبول کر چکے ہیں۔ آؤ سینے سے لگ جاؤ۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمارا بیٹا آخری حد کو چھو جائے گا"۔ اتنا کہہ کر انہوں نے بازو پھیلا دیئے اور انیلا کسی کٹی ہوئی شاخ کی مانند ان کے سینے سے آ لگی۔

"جیتی رہو۔ خدا عمر دراز کرے۔ جاؤ آرام کرو"۔ بیگم شاہ کا چہرہ اب بھی تنا ہوا تھا۔

انیلا کرنل کی طرف بڑھی اور انہوں نے بڑی اپنائیت سے انیلا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"خدا تم دونوں کا دامن خوشیوں سے بھر دے"۔

"یہ تھے وہ الفاظ جو دونوں میاں بیوی نے دعائیہ انداز میں ادا کئے تھے اور وہ رخصت ہو گئے تھے۔ زیورات کا بکس اور چیک حق نواز ساتھ لے گیا تھا۔

"ماں جان نے مجبوراً" قبول کیا ہے حق نواز"۔ اپنے بیڈروم میں آتے ہی انیلا نے کہا۔

"اس پر بات بعد میں کریں گے پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا کہ میں نے زہر کھانے کی کوشش کی تھی"۔

"آپ نہیں سمجھ سکیں گے آپ کی ماں جان ایک ایسی چٹان ہے جس سے سر تو ٹکرا سکتا ہے لیکن اسے اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔ انہیں اپنی مجبوری بتائی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ ان سے وعدہ کر چکی تھی کہ میں کسی حالت میں بھی آپ سے شادی نہیں کروں گی"۔

"اوہ تو یہ کہانی یوں تھی"۔ حق نواز مسکرایا۔

"آپ میری بات سنیں۔ آپ کی ماں جان کو میں متاثر نہیں کر سکی اور انہوں نے خاص کر مجھے معاف نہیں کیا۔ اور میں یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ مرنے دم تک وہ مجھے قبول نہیں کریں گی"۔

"تم یہ بات اس قدر وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں نے آج بھی ان کے چہرے اور آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھی ہے"۔

"وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"میرا دم گھٹنا شروع ہو گیا ہے حق نواز صاحب۔ میں ایسی نفرت کی عادی نہیں بہت جلد مر جاؤں گی"۔

"کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔ سونیا' بابا جان اور پھر میں تمہارے ساتھ ہیں"۔

"اور یہی وجہ ان کی بدترین شکست بنی ہے کہ وہ تنہا رہ گئی تھیں"۔

"کیا کہہ رہی ہو انیلا"۔ حق نواز پریشان ہو گیا۔

"آپ عورت کی نفسیات کو نہیں سمجھتے۔ انہیں اپنے تنہا رہ جانے کے احساس نے انہیں مار ڈالا۔ ہاں حق نواز۔ ایک نفرت کی آگ میرا پیچھا کرے گی اور میں لمحہ لمحہ مرتی رہوں گی"۔

"گھبراؤ مت۔ جب تمہارا دم گھٹنے لگے مجھے بتا دینا میں تمہیں لے کر یہاں سے دور چلا جاؤں گا"۔

"نہیں۔ یہ تو میری شکست ہوئی۔ یہیں پر رہوں گی اور یہیں پر مروں گی"۔

"بڑی عجیب باتیں کر رہی ہو تم انیلا۔ تم مجھے مسلسل خوفزدہ کر رہی ہو"۔

"میں آپ کو خوفزدہ نہیں کر رہی۔ بلکہ آپ کو خبردار کر رہی ہوں کہ مجھے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ جو شے میں نے ان کے تنے ہوئے چہرے اور آنکھوں کے

دیکھی ہے وہ آپ کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ بہرکیف اپنے نصیب کی کاٹ لوں گی"۔

حق نواز نے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا اور بولا۔

"گھبراؤ نہیں پورا گھر تمہارے ساتھ ہے۔ ماں جان آہستہ آہستہ نارمل ہو جائیں گی"۔

اور انیلا نے اپنا سر حق نواز کے شانے پر رکھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر نواز شریف کو کراچی منتقل کر دیا گیا۔

طیارہ کیس میں ریمانڈ کے لئے سترہ نومبر کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ ا
آئی آر خصوصی عدالت میں پیش کر دی گئی اور دو درخواستیں غیر موثر قرار دے
گئیں۔ پولیس نے طیارے کے عملے سابق چیئرمین پی آئی اے اور مسافروں کے بیا
بھی قلم بند کر لئے۔ طیارے نہ اترنے دینے کی ہدایات خود نواز شریف نے فون
دیں۔ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری ناصر کا بیان۔

"خدا کی پناہ۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ نواز شریف نے طیارہ نہ اترنے کی ہدایت
فون پر دی ہوں"۔ زیبا انوار سوالیہ انداز میں فراز کو دیکھ کر بولی۔ جو اخبار پکڑے
انوار کو اخبار کی اہم خبر سنا رہا تھا۔

"اخبار میں تو یہی لکھا ہے مادام"۔

"یہ تو واقعی بہت برا ہو رہا ہے فراز۔ ذہن قبول نہیں کر رہا کہ ایک حاکم وقت
اس حد تک آگے بڑھ سکتا ہے کہ دو سو انسانوں کی جان لینے پر تل جائے"۔

"اخبارات تو یہی کہہ رہے ہیں اور پھر نواز شریف کے قریبی ساتھی کہتے ہیں
وہ مطلق العنان بادشاہ بن چکے تھے۔ وہ کسی کی نہیں سنتے وہ بس اپنی من مانی کرتے
ہیں۔ لوگ انسانی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتے۔ اہل اقتدار کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے
جب وہ آنکھ' کان اور ذہن کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں بہت سے
سربراہ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے زمین پر زور سے پاؤں نہ مارے ہوں۔ جمہوریت کا
شاید مطلب یہ ہے کہ ایک فرد واحد اپنے آپ کو سب سے بالاتر سمجھنے کی کوشش نہ

کرے"۔

"مشاورت کے مختلف مراحل ہوتے ہیں۔ وزیر' مشیر' پارلیمانی سیکرٹری اور منتخب نمائندے۔ مشاورت کے اعلیٰ اور ادنیٰ درجے ہوتے ہیں۔ ہاں مادام۔ ہمارے ہاں جو جمہوریت ہر دور میں رہی اس میں مشاورت کا اعزاز صرف ان چند "مقربین خاص" کو ملتا ہوتا رہا جن سے سربراہ کو سربراہی کا دعویٰ کرنے کا خطرہ نہ تھا۔ اس لئے کسی دور میں بھی اپنا نمبر دو اور نمبر تین مقرر کرنے یا ساخت کرنے کا رواج نہ رہا۔ اور یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ اسمبلی کے اندر اگر کسی منتخب نمائندے نے سرکاری بنچوں پر بیٹھ کر سرکار کی کسی پالیسی سے اختلاف میں آواز بلند کی تو اسے نہ صرف یہ کہ سرکاری مراعات سے محروم کر دیا گیا بلکہ اس پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی"۔

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو فراز۔ یہی ہوتا آیا ہے"۔ زیبا انوار اپنے الفاظ پر زور دے کر بولی۔

"اور تو اور مادام۔ اسمبلیوں میں بیٹھنا' شاہ کی ہاں میں ہاں ملانے کی صورت میں اداروں کے قرضے منظور کروانا۔ زبان بند رکھنے کی قیمت وصول کرنا۔ جلدی سے جلدی دولت کے انبار لگا دینا اور پھر اپنی ہی دھن میں مست رہنا ہر جمہوری دور میں ایسا ہی ہوتا رہا اگر سربراہان مملکت آج کٹہرے میں کھڑے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے بھی جرم وار قصور وار ہیں۔ انہیں مشورہ دینے والے بھی جرم وار ہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے بھیجے خالی ہوتے ہیں۔ ان میں عقل کی جگہ بھوسہ بھرا ہوتا ہے اور پھر اتنا گند پڑتا ہے کہ اگر کوئی اس گند کو صاف کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے ایک عمر چاہیے"۔

"بالکل سچ! یہی بات میں کہتی ہوں لیکن فراز سوال یہ ہے کہ یہ گند صاف ہو جائے گا۔ زیبا انوار جو فراز کی باتوں میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہی تھی پر تفکر انداز میں بولی۔

"ہاں مادام! کوئی ادارہ ایسا نہیں جو کرپٹ نہ ہو۔ اور ہر آنے والے سربراہان مملکت کے علم میں یہ بات ہوتی ہے لیکن اپنی کرسی پر آنے کے چکر میں اور بک وٹ

کہیں کم نہ ہو جائیں آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ پھر کیا ہوتا پوری قوم کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اس قوم کو اس انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے وہی ان سب کا پرسان حال ہے۔ ہم کیا کریں۔ ہم تو بہت مشکل سے کروڑوں روپیہ بانٹ کر اس کرسی تک آئے ہیں۔ اب اس نقصان کو پورا نہ کریں جو ہم ووٹ حاصل کرنے کے لئے کر چکے ہیں اور پھر ہوتا کیا ہے کہ سود در سود وصول کرنے کے باوجود ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ حتیٰ کہ وہ پیٹ پھٹ جاتے اور یہ لوگ مر جاتے ہیں اور جب اس مرے ہوئے انسان کا آخری دیدار کیا جاتا ہے تو اس صورت پر ہزار لعنتیں ہوتی ہیں۔ کروڑوں انسانوں کی آہیں' بددعاؤں کے سائے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں مادام یہ لوگ مرنا کیوں بھول جاتے ہیں۔ان کی چھوڑی ہوئی دولت کو اولاد اپنا لیتی ہے وہ بھی وہی کچھ کرتے ہیں جو باپ دادا کرتے رہے وہ بھی بددعائیں خریدتے رہے یہ بھی خریدتے رہتے ہیں"۔

"فراز! تم تو مجھ سے بھی زیادہ پریشان لگتے ہو"۔

"میں نہیں پوری قوم پریشان ہے کہ باون سال سے ہم پر حکومت کرنے والے کون لوگ ہیں جو صرف خود زندہ رہو کے عمل پر عمل پیرا ہیں"۔

"بار بار دس خاندان وہی لوگ چہرے بدل بدل کر آ رہے ہیں اور حکم امریکہ بہادر جو اس قوم کا باپ بنا بیٹھا ہے لیتے رہتے ہیں کرگل میں کیا ہوا۔ میاں صاحب کرکٹ کی گراؤنڈ سے سیدھے امریکہ جا پہنچے اور بلا سوچے سمجھے سمجھوتا کیا دستخط کئے اور واپس لوٹ آئے۔ اپنی فتح کو شکست میں بدل ڈالا۔ آخر کیوں۔ جب آٹھ بڑے سربراہ چلا رہے تھے کہ دھماکہ نہیں کرنا تو یہی وہ میاں صاحب تھے جو ڈٹ گئے تھے اور ہم نے دشمن کو دانت شکن جواب دے ڈالا اور پھر غوری جیسے میزائل رکھنے والا ملک اپنی بات منواتا ہے۔ اب جب کہ ایٹم بم بنا چکے تھے تو فوجیوں کی واپسی کیا معنی رکھتی تھی۔ لیکن نہیں فراز۔ جب ارد گرد کے لوگ اور وزیر مشیر ہاں میں ہاں ملانے کے لئے رہ جائیں تو جو کچھ ہو جائے کم ہے"۔

"آپ درست فرماتی ہیں مادام۔ یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم کم مائیگی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ ذرا سی تبدیلی ہوتی ہے تو یہ سوچ کر خوشی منانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتی ہے کہ شاید اب کچھ بہتر ہو جائے۔ اب بقول اخبارات جس انداز سے وہ کہہ رہے ہیں جس قدر کیس تیار ہو رہے ہیں انہیں دیکھ کر تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا کیس تیار ہو رہا ہے۔ شمالی افریقہ میں جمہوریت کے قاتل پاکستان میں جمہوریت کا ٹیبل مانگ رہے ہیں اور ادھر سیکورٹی کونسل و کابینہ میں موجود افراد جو لئے گئے ہیں تمام ارکان اعلیٰ تعلیم یافتہ' تجربہ کار اور اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جو چھ حکومتوں کے دور میں سٹیٹ بنک کے گورنر رہے۔ عبدالستار بہت جہاں دیدہ و تجربہ کار سفارت کار رہے ہیں۔ عطیہ عنایت اللہ' ضیاء الحق کے دور میں بھی کابینہ میں رہ چکی ہیں اور شریف الدین پیرزادہ صاحب پینتیس برسوں سے مختلف حکومتوں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ عزیز منشی پہلے بھی دو بار اٹارنی جنرل رہ چکے ہیں اور باقی رہ شوکت عزیز تو ان کے سعودی شہزادوں اور دنیا کے مالدار ترین افراد کے ساتھ ہم ہیں۔ لوگ تو قابل ہیں لیکن سوال وہی سامنے اٹھتا ہے کہ یہ افراد گند صاف کر پائیں گے اور ادھر اقتدار اور اہل اقتدار کی خدمات بجا لانے کے لئے سیاست دانوں کی قرارداد چھپائے نہیں چھپ رہی اور اس بات سے آپ اندازہ کریں مادام کہ اگر مل ملا تو مسلم لیگ کے بہت سارے معززین میاں صاحب کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ پھوٹ افراتفری کا عالم ہے۔ ان سیاست دانوں میں اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جنرل جب ان کو منہ نہیں لگائیں گے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے فراز۔ لیکن میاں صاحب کو صفائی کا موقع ملنا چاہیے۔ وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ قوم منتظر ہے انہیں سننے کے لئے۔ میرا خیال ہے جو یہ کٹھن وقت پڑا ہے یہ سب کچھ ارکان اسمبلی سے مشاورت نہ کرنے کا نتیجہ ہے خوشامدیوں نے میاں صاحب کو تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے ہی نہیں دیا وہ بذات خود ایک شریف انسان ہیں۔

آپ نے درست فرمایا۔ ہر دور حکومت میں ایسا ٹولہ برسراقتدار افراد کے ساتھ رہا ہے جن کی وجہ سے ہر حکمران اپنے پیچھے کوئی اچھی تواریخ رقم کر کے نہیں گیا۔ کچھ عرصہ قبل مسلم لیگ سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے رکن بیگم مہناز رفیع کا موجودہ صورت پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تبصرہ پڑھا جب ان سے پوچھا گیا کہ

س :۔ ملک کے تمام بڑے اداروں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے میاں نواز شریف نے جو کچھ کیا اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ جمہوریت کے نام پر بادشاہت قائم کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ اس بارے میں کیا کہنا چاہیں گی؟

ج :۔ جمہوریت کا مطلب الیکشن کروانا اور اسمبلیاں قائم کرنا نہیں ہوتا' جمہوریت کا مطلب ہے کہ اس ملک کے عوام حکومت کے ساتھ اقتدار میں شامل ہوں' اور حکمران جو بھی پالیسی بنائیں جو بھی فیصلہ کریں اس بارے میں اسلمبلیوں اور کابینہ میں موجود عوام کے نمائندوں سے مشورہ کریں' جمہوریت اس نظریے اور اس مشاورت کا نام جن ممالک میں ان سنہری اصولوں پر عمل نہیں ہوتا اسے آپ جمہوری عمل نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ آمریت کی جدید ترین شکل ہے۔ اس انداز حکمرانی کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ فرد واحد جو درست سمجھتا ہے اس کے حالی موالی اور خوشامدی ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر اس کی حمایت کرتے ہیں اور حکمران کو یہ باور کروا دیتے ہیں کہ وہ درست سمجھ رہا ہے جبکہ ایسا حقیقت میں ہوتا نہیں' آمریت کی مخالفت اور جمہوریت کی تائید مہذب قومیں اسی لیے کرتی ہیں کہ تمام تر دیانتداری کے ساتھ سوچنے کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ فرد واحد درست سوچ رہا ہو اور مشاورت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بحث کے دوران نہ صرف کسی فیصلے کے مثبت بلکہ منفی پہلو بھی آشکار ہو جاتے ہیں۔ پھر ملک و قوم کے مفاد میں جو فیصلہ مناسب ہوا اسے اپنایا جا سکتا ہے۔ ہمارا ملک ہو یا دنیا کا کوئی بھی دوسرا ملک ایسی صورتحال کو جمہوریت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پاکستان میں ایسا ہی ہم نے دیکھا' چونکہ مشاورت نہیں ہوئی کابینہ سے اور نہ ہی ارکان اسمبلی سے اس بات کا نقصان آج ہم سب اٹھا رہے ہیں۔

س :۔ آپ غیر جانبداری سے تجزیہ کر کے بتائیں کہ فوجی انقلاب کو دعوت دینے میں سابق حکمرانوں کی اپنی حرکتوں کا عمل دخل کتنا ہے؟

ج :۔ ہم سب پاکستانی پہلے اور پھر کسی سیاسی پارٹی کے رکن ہیں اور کسی پارٹی میں انسان اسی لئے شامل ہوتا ہے کہ اس کی پلیٹ فارم سے اپنے ملک کی کوئی خدمت بجا

ئے۔ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرتے وقت مجھے یقین تھا کہ میاں نواز شریف ایک ب وطن آدمی ہیں اور یہ سچ بھی ہے۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا لیکن سری طرف یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نواز حکومت کے ڈھائی سالہ دور میں یوں سوس ہونے لگا کہ میاں صاحب کے اردگرد جو وزیر مشیر ہیں یا وہ لوگ جن سے وہ ورہ کرتے ہیں وہ میاں نواز شریف کو غلط سمت میں لے جاتے رہے ہیں اور سوسناک بات یہ رہی کہ ان کے قریبی لوگوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو ذوالفقار ی بھٹو کے اردگرد بھی رہے تھے انہوں نے بھٹو مرحوم کو تمام تر ذہانت کے باوجود ناک انجام تک پہنچایا تھا۔ یہ بات میں اور مجھ جیسے دوسرے لوگ آج نہیں کہہ ہے۔ جبکہ ہماری حکومت کا تختہ الٹا جا چکا ہے بلکہ پارٹی کے اندر ہر فورم پر جب بھی قع ملا۔ ہم نے کہنے کی کوشش کی کہ مشاورت کا دائرہ وسیع کیا جائے۔ اسمبلیوں کے اکین اور پارٹی کے سینئر اور تجربہ کار لوگوں پر مشتمل "تھنک ٹینک" بنائے جائیں ر اہم معاملات میں ان سے مشاورت کی جائے۔ لیکن میاں نواز شریف کو گھیرے ئے خوشامدیوں نے ان کا اس حد تک برین واش کر دیا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود کسی مسئلے کا دوسرا رخ دیکھ نہیں پاتے تھے۔ ایسے ہی یک طرفہ فیصلوں کے نتیجے میں مت کو جن بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا' ان کے بارے میں ہمارے جیسے لوگوں کی سوچ تھی کہ یہ بحران وہ لوگ خود پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی سے جب میاں شریف اس بحران میں سے نکل آتے تھے تو وہ مخصوص ٹولہ اسے میاں نواز شریف کامیابی قرار دے کر ان کی خوشامد میں نئے سرے سے مصروف عمل ہو جاتا تھا۔ انہی وں کی تعریفیں ملک کو آج اس نہج پر لے آئی ہیں۔ میاں نواز شریف کے فوجی ل میں ہونے کی وجہ سے ابھی تک ہمیں مکمل معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔ ہمیں ہر بات اخبارات کے ذریعے معلوم ہو رہی ہے۔ جب تک میاں نواز شریف خود نے آ کر کوئی بات نہیں بتاتے ہم کسی پر الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر وہ ت صحیح ہیں کہ کچھ لوگوں نے میاں نواز شریف کے ذریعے فوج کو تقسیم کرنے کی ش کی اور اس جہاز کو تباہ کرنے کی سازش کی۔ جس میں صرف آرمی چیف ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دو سو عام مسافر بھی سوار تھے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ جس سے پوری دنیا میں پاکستان کی بدنامی ہوئی ہے۔ یہ خبر بھی ہے کہ جہاز کے پائلٹ کو کہا گیا کہ وہ پرواز ملک جہاز لے جائے اسے کراچی ایئر پورٹ پر لینڈ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارا آرمی چیف سٹاف بھارت میں اترتا اور اس کے بعد جو ہوتا ہوتا وہ آپ اور ہم سب سمجھ سکتے ہیں۔ نہ صرف پوری دنیا میں ہماری بدنامی ہوتی بلکہ وہ آرمی چیف کو گرفتار کر کے اس سے ملکی دفاع کا ایک ایک راز معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ میں پھر یہی کہوں گی کہ اگر یہ تمام خبریں درست ہیں تو پھر فوج نے یہ اقدام کیا اس کی معقول وجوہات موجود تھیں۔ اس صورت میں فوجی اقدام کو درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ بات درست نہیں ہے تو پھر فوج کو نہیں آنا چاہیے تھا۔ دوسری کسی صورت میں میں فوجی حکومت کی تائید نہیں کر سکتی کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے تیس سال جمہوریت کے لئے قربانیاں دیں میں نیاز الحق مرحوم کے دور میں جمہوریت کی بحالی کے لیے آواز بلند کرنے کی پاداش میں تین چار بار جیل کاٹ چکی ہوں۔ میرے جیسے جمہوریت پسند لوگ یہ بات پسند نہیں کریں گے کہ ملک میں مارشل لاء لگے۔ ہم لوگ تبدیلی کے لیے آئین سے ماورا کسی اقدام کی حمایت نہیں کر سکتے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ 58-2B کا پریشر والو آئین میں سے ختم کر کے آئینی تبدیلی کا ہر راستہ بند کر دیا گیا ہے میں سمجھتی ہوں کہ اس ترمیم کا خاتمہ صرف میاں نواز شریف کی غلطی نہیں تھی کیونکہ اس ترمیم کو دو تہائی اکثریت سے ختم کیا جانا تھا اور پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے اس ترمیم کو ضیاء الحق کی لیگی قرار دے کر ختم کر دیا۔ لیکن آج یہ محسوس ہوتا ہے کہ 58-2B کا خاتمہ دانشمندانہ کام نہیں تھا۔ ٹھیک ہے کہ گذشتہ دس سالوں میں کئی حکومتوں کو اس ترمیم کی وجہ سے رخصت ہونا پڑا۔ لیکن مارشل لاء لگنے سے یہ ملک محفوظ رہا۔ ان تمام نکات پر سیاسی اور عوامی سطح پر پھر حاصل بحث ہونی چاہیے۔ کیونکہ میں نہیں سمجھتی کہ ایک بار عوام ووٹ دے کر کسی پارٹی کو کامیاب کروا دیتے ہیں تو ان کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ جمہوریت میں عوام کو اپنی مرضی کے خلاف ہونے والے فیصلوں پر حکومت کو روکنے

اعتراض کرنے کا حق ہمیشہ حاصل رہتا ہے تبدیلی کے آئینی راستے بند ہونے کے پھر یہی کچھ ہوتا ہے جو ملک میں مارشل لاء لگنے کی صورت میں سامنے آیا ہے میں بار پھر یہ بات دہراؤں گی کہ ان باتوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم اب تک دیت کی راہ پر نہیں چلے۔ یہ صرف موجودہ حکومت کی بات نہیں ہے بلکہ گزشتہ ں برسوں میں جتنی بھی حکومتیں مارشل لاء کے علاوہ بھی آئی ہیں انہوں نے صحیح ں میں جمہوری نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کی اور اپنی ساری صلاحیتیں ھی حکومت قائم کرنے پر صرف کیں۔

ا:۔ میاں نواز شریف پر کرپشن سے زیادہ سنگین الزامات ہیں یعنی دفاع پاکستان کی امن فوج کو تقسیم کرنے کی کوشش اور چیف آف آرمی سٹاف کو مبینہ طور پر ہلاک کرنے کی سازش کیا آپ ایسے اقدام کو عقلمندانہ قرار دیں گی؟

ف:۔ ابھی یہ سارے الزامات کنفرم نہیں ہوئے اور نہ ہی اس بارے میں مکمل تفصیلات سامنے آئی ہیں۔ میں نے میاں نواز شریف کے قریب سے دیکھا ہے میں ان کے مزاج کو کافی حد تک جانتی ہوں۔ میرا دل یہ بات تسلیم کرتا کہ ان جیسا ہمدرد حساس انسان دو سو زندگیوں کو ختم کرنے کا فرمان جاری کر سکتا ہے۔ یا کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جس کا مقصد ملک کی افواج کو تقسیم کرنا اور آپس میں لڑانا ہے۔ ابھی تمام خبریں یکطرفہ ہیں اگر ایسا کوئی قدم اٹھایا گیا جس کا مقصد آرمی چیف کے جہاز کو لینڈنگ سے روکنا تھا تو ممکن ہے کہ یہ سب اس خوشامدی ٹولے نے بالا ہی بالا خود کو شاہ سے زیادہ اس کا وفادار ثابت کرنے کے لیے کیا ہو۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو میاں نواز شریف کے منظر عام پر لائے اور انہیں رہا کرنے کا یہ موقع فراہم کرے کہ وہ اپنی صفائی عوام کے سامنے پیش کر سکیں۔ میاں نواز شریف کا موقف جانے بغیر یہ سب یکطرفہ باتیں ہیں۔ جنہیں سو فیصد درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ب:۔ آپ نے میاں نواز شریف کو قریب سے دیکھا ہے آپ کی نظر میں ان کی مختار بننے کی خواہش کے پیچھے کون سے عوامل کار فرما تھے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ج :۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتی ہوں اس سے آپ کو اس خواہش کا پس منظر جا
میں آسانی رہے گی یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم لوگ اپوزیشن میں تھے۔ مسلم ل
نے ایک ٹاسک فورس بنائی تھی جس میں پندرہ کے قریب ممبر تھے۔ اس فورس
ضیاء شاہد' مجیب الرحمان شامی' الطاف حسن قریشی میں اور کئی دوسرے لوگ شامل تھے
ایک بار بحث کے دوران میاں نواز شریف نے کہا تھا آئین کو دیکھیں اور میں کچھ
تبدیلیاں لانے کی کوشش کریں۔ کہ جس میں ایگزیکٹو کے پاس سارے اختیارات ہوں
کیونکہ ایم پی اے اور ایم این اے حضرات بلیک میلنگ بہت کرتے رہے ہیں اور ا
وجہ سے ہارس ٹریڈنگ بھی ہوتی ہے۔ ایگزیکٹو اگر کوئی اچھا کام کرنا چاہتا ہے تو ا
اراکین اسمبلی کی حمایت حاصل کرنا ضروری ہے اور انہیں خوش رکھنے کے لیے ان کا
ناجائز مطالبات پورے کرنا پڑتے ہیں یا ایسے اقدام جن سے ان کے مفادات کو گزند
پہنچتی ہو وہ اس میں رکاوٹ بنتے ہیں تو کوئی ایسا معاملہ ہونا چاہیے کہ وہ چیف ایگزیکٹو
کے فیصلوں میں رکاوٹ نہ بنیں۔ اس موقع پر کسی نے سوال اٹھایا کہ پھر اراکین اسمبلی
کریں گے کیا؟ میاں نواز شریف کا جواب تھا کہ اراکین اسمبلی اپنے اپنے علاقوں میں
ترقیاتی کام کروائیں۔ ان کے ذہن میں شروع سے یہ ضرور تھا کہ ایگزیکٹو کے پاس اتنا
اختیارات ہونے چاہیں کہ وہ سارے فیصلے کرنے میں آزاد ہو۔ یہ بات شاید وہ سمجھ
نہیں سکے کہ ایک آدمی جو فیصلے کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ بالکل درست ہوں۔ اس
لیے جمہوریت کو لوگ پسند کرتے ہیں کہ اس میں مشاورت سے معاملات چلائے جاتے
ہیں اور یہ ہمارے دین کا بھی حکم ہے کہ مشاورت کے ساتھ حکمرانی کرو۔ اور پھر
مشاورت بھی ان سے ہونی چاہیے جو مشاورت کے اہل ہوں نا کہ ان کی واحد خوبی یہ
ہو کہ وہ خوشامد اور چمچہ گیری کے ماہر ہوں صرف ان سے مشورہ کرنے کا حکم ہے جو
اپنے ذہن اور عقل کے مطابق جو درست سمجھیں حکمران کے سامنے بیان کرنے کا
حوصلہ رکھتے ہیں۔

س :۔ میاں نواز شریف کے بارے میں اب تک جو تفصیلات سامنے آئی ہیں ان سے
پتا چلتا ہے کہ وہ خوشامد پسند کرتے تھے اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے تھے

بارے میں آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟

ج :۔ میاں نواز شریف میں یہ خوبی ہمیشہ رہی ہے کہ وہ اپنے سینئر ساتھیوں کی رائے
تحمل اور غور سے سنتے تھے۔ اپوزیشن کے دور میں اور اقتدار کے میں
نگ کمیٹی کی میٹنگ کے دوران ان سے جب بھی بات ہوتی تھی وہ دھیان سے سنتے
لیکن کسی بھی رائے پر عمل اپنی یا ان لوگوں کی مرضی کے مطابق کرتے تھے جو ان
قریب ترین تھے۔ نوائے وقت کے چیف ایڈیٹر جناب مجید نظامی نے بھی میاں نواز
یف کی اس عادت کا کئی بار ذکر کیا کہ میں میاں صاحب کو کہتا رہتا ہوں وہ میری بات
تو ہیں لیکن عمل نہیں کرتے یا اتنی دیر میں عمل کرتے ہیں جب اس کا کوئی فائدہ
ہوتا۔ جہاں تک خوشامد پسند کرنے کا سوال ہے یہ بات نفسیات میں شامل ہے کہ
کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے تعریف کرنے والا آدمی اسے اچھا لگتا ہے یہ کلیہ ہر
پر فٹ بیٹھتا ہے۔ تعریف سننا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن اگر یہ جائز حد تک
اسے نشہ نہیں بننے دینا چاہیے۔ تعریف اگر نشہ بن جائے تو تنقید کرنے والے
برے لگنے لگتے ہیں اور ایسا ہوا ہے کہ وہ لوگ جو میاں از شریف سے مخلص
ان سے بولتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ وہ کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھائیں جو ان کے
نقصان دہ ہو وہ میاں صاحب کو کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ ایسا قدم نہ اٹھائیں یہ
ن پہنچائے گا۔ آہستہ آہستہ خوشامدیوں نے میاں نواز شریف کو ایسے مخلص لوگوں
دور کر دیا یہ مفاد پرست ٹولہ ان کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا تھا لیکن منہ پر ان کے
کو بے مثال قرار دیتے ہوئے کہتا تھا سبحان اللہ آپ جو کر رہے ہیں ٹھیک ہے۔
لوگوں کی وجہ سے آج میاں صاحب پر یہ وقت آیا ہے کہ ان کی حکومت ختم کر
لی ہے۔

س :۔ اطلاعات کے مطابق میاں نواز شریف آرمی چیف کو برطرف کرنے کے بعد
یزیشن پر جو تقریر کرنے والے تھے اس میں کارگل آپریشن کی تمام ذمہ داری آرمی
پر ڈالی گئی تھی۔ کیا یہ اقدام ملکی مفاد میں ہوتا؟

ج :۔ جب تک میاں صاحب سامنے آ کر اپنا موقف نہیں بتاتے کہ حقیقت کیا تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت تک یہ سارے الزام یکطرفہ ہیں لیکن اگر ہم یہ مفروضہ قائم کریں کہ [illegible] صحافی نذیر ناجی نے ایسی کوئی تقریر میاں صاحب کے لیے لکھی تھی تو میں سمجھتی ہوں یہ بہت غلط بات تھی۔ سب جانتے ہیں کہ میاں صاحب کو کارگل آپریشن کے بارے میں علم تھا لیکن بالفرض ایسا ہوتا بھی کہ فوج نے اپنی مرضی سے یہ سب کچھ ان کی اجازت کے بغیر کیا تھا تو اس کا اعلان کرنا کوئی دانشمندی نہیں تھی۔ اس اعلان کا مطلب ہوتا کہ فوج میرے اختیار میں نہیں ہے تو اس طرح میاں صاحب اپنی کمزوری کا اعلان کرتے کیونکہ فوج وزیر اعظم کے ماتحت ایک ادارہ ہے وہ آزاد نہیں ہوتی۔ اپنی فوج کے بارے میں ہم ایسی بات کر کے دنیا میں اس کی تذلیل کا باعث بنتے کیونکہ پورے عالم اسلام میں پاکستان کی فوج کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ سب سے زیادہ باصلاحیت منظم قابل محب وطن اور اسلامی ذہن رکھنے والی ہے۔ ایسے کسی اعلان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان نے پاک فوج کے بارے میں روگو آرمی کی جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ درست ہے۔

س :۔ فوجی انقلاب کے بعد آپ کی پارٹی کی پالیسی کیا ہو گی کیا دوسرے مرکزی رہنماؤں سے اس بارے میں تبادلہ خیال ہوا ہے؟

ج :۔ جس دن حکومت کا تختہ الٹا گیا میرا ٹیلی فون بھی بند ہو گیا تھا البتہ مجھے گھر میں نظربند نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ہمارے بہت سے لیڈر ان کو گھروں پر نظربند کر دیا گیا تھا اس لیے تین چار دن تک ہمارا آپس میں رابطہ منقطع رہا۔ اب ان سے تھوڑی بہت بات ہوئی ہے میں نے ان سے یہی کہا ہے کہ ہمیں فوراً اسے پیٹریاٹ مسلم لیگ کی سنٹرل ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلانا چاہیے اور اس اجلاس میں ہر مسئلے پر کھل کر بات ہونی چاہیے۔ اس اجلاس میں باہمی مشاورت سے آئندہ کا لائحہ عمل مرتب ہونا چاہیے کہ ہمیں آئندہ پارٹی کے پلیٹ فارم سے کس قسم کی جدوجہد کرنی ہے۔ لیکن ابھی تک میرے اس مشورے پر کوئی سنجیدہ ردعمل سامنے نہیں آیا۔ اختیارات کے ذریعے مجھے بھی یہ پتا چل رہا ہے کہ کچھ صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین آپس میں مل رہے ہیں تاکہ مستقبل کی بابت کوئی فیصلہ کر سکیں میں سمجھتی ہوں یہ بھی جمہوریت کی نفی ہے۔

بہر حال میں پوری ورکنگ کمیٹی کو بلانا چاہیے اور اس کے بعد ہماری جو نیشنل کونسل ہے اس کا اجلاس بلانا چاہیے۔ کیونکہ ملک کے حالات ایسے ہیں کہ میاں نواز شریف کا [illegible] یا رہائی کے لیے مشترکہ جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن باعث افسوس بات یہ ہے کہ ابھی تک اس مسئلے پر کسی نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ حد تو یہ ہے کہ مسلم لیگ کے پارٹی آئین میں یہ بات شامل ہے کہ ہر تین سال بعد پارٹی کے صدر اور دیگر عہدیداران کا انتخاب ہو گا۔ آخری بار اٹھارہ اگست 1996ء کو پارٹی کا صدر اور دیگر عہدیداران منتخب ہوئے تھے اور اب تین سال سے زیادہ کا وقت گزر چکا ہے لیکن اس جانب کسی نے توجہ نہیں دی میں سمجھتی ہوں اداروں کو کمزور کرنا یا ان کی اہمیت کو نہ سمجھنا ہی پارٹی کی سب سے بڑی غلطی ہے میں جانتی ہوں یہ بات چھپے گی تو بہت سے لوگوں کو اچھا نہیں لگے گا۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ میں نے چوبیس سال جمہوریت اور جمہوری عمل کی خاطر قربانیاں دی ہیں۔ میں دعوے کے ساتھ کہتی ہوں کہ میرے اندر سیاسی سمجھ بوجھ پارٹی کے کئی بڑے عہدیداروں سے زیادہ ہے۔ جو غلط بات ہو گی میں اس کی نشاندہی ضرور کروں گی میں نے یہ کوشش کی کہ میں لوگوں تک پہنچوں اور ان سے کہوں کہ وہ لوگوں کو بلائیں اور ان کی بات سنیں تاکہ ایک فیصلہ کر کے یا ایک پالیسی بنا کر ان سے اس پر عمل کرنے کو کہا جائے یہ غلط بات ہے۔

س :۔ مختلف اطلاعات کے مطابق متعدد مرکزی رہنما نواز شریف کو صدارت سے ہٹانے پر متفق ہیں یہ خبریں کہاں تک درست ہیں؟

ج :۔ جس طرح ہم خیال اراکین ایک دوسرے سے مل رہے ہیں اس سے بہت سے افواہیں جنم لے رہے ہیں۔ لیکن میں ایک بات دو ٹوک الفاظ میں واضح کرنا چاہوں گی کہ ایسے حالات میں میاں نواز شریف کو صدارت سے ہٹانے کا مطلب یہ ہو گا کہ پارٹی کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس نوعیت کے حالات کی ایک مثال ہمیں 77ء میں نظر آتی ہے جب ضیاء الحق کا مارشل لاء آنے کے بعد پیپلز پارٹی کا لیڈر جیل میں بند تھا اور باہر پارٹی پر قبضہ کرنے کے لئے اس کا تیا پانچہ کیا جا رہا تھا۔ پیپلز پارٹی کا کچھ حصہ کوثر نیازی لے گئے تھے جتوئی نے نیشنل پیپلز پارٹی بنا لی تھی۔ سارے لیڈر مختلف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطراف میں نکل گئے تھے اور اس عدم اتفاق کا نقصان پارٹی کے صدر کو اٹھانا پڑا تھا۔ آج ہمیں اس واقعہ سے سبق سیکھنا چاہیے میاں نواز شریف نے مسلم لیگ کو بڑی مشکل سے آرگنائز کیا تھا اسے ایک نئی زندگی دی تھی ہمیں میاں صاحب کی قیادت سے انکار کر کے کسی نئے بحران کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔ تاوقتیکہ میاں صاحب رہا ہونے کے بعد خود اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔

س :۔ حکمرانوں کے گڑھ لاہور میں بھی کوئی کارکن ان کی حمایت میں سڑکوں پر نہیں آیا اس کی وجہ؟

ج :۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ورکرز کی رہنمائی کے لیے لیگی رہنما آگے نہیں بڑھے جو انہیں بتائیں کہ وہ احتجاج کریں یا انتظار کریں لگی رہنماؤں کو یہ فیصلہ جلد کرنا چاہیے کہ انہوں نے میاں نواز شریف کی رہائی مسلم لیگ کی بقاء اور جمہوری نظام کی بحالی کے لیے کیا کرنا ہے موجودہ غیر واضح صورتحال کی وجہ سے پارٹی کارکن کنفیوز ہیں اور رہنمائی کے لیے اپنے لیڈروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

س :۔ مستقل طور پر نیشنل سیکورٹی کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے کیا اس کونسل سے پارلیمانی نظام کی روح متاثر نہیں ہو گی؟

ج :۔ یقیناً" ایسا ہو گا کیونکہ جب پارلیمنٹ موجود ہو تو ایسی کسی کونسل کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ہمارے جیسے ملکوں میں جہاں پارلیمنٹ سے مشورہ نہیں کیا جاتا" بلکہ اسے حکم دیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جب اسی طرح فرد واحد کے فیصلوں پر عمل ہونا ہے تو ایک ایسی کمیٹی یا کونسل ہونی چاہیے جس میں چیک اینڈ بیلنس کی فضاء قائم ہو۔ پہلے بھی اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ہے اس وقت جو کونسل بنائی جا رہی ہے وہ اور طرح کی ہے میں نہیں سمجھتی کہ اس طرح کی کونسل کی کوئی بھی ضرورت ہے۔ پارلیمانی نظام میں مشاورت کے لیے پارلیمنٹ موجود ہوتی ہے۔ لیکن اگر پارلیمانی نظام کے تقاضے پورے نہ کیے جاتے ہوں پھر ہی کسی ایسے تھنک ٹینک کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جس وقت فاروق لغاری صدر اور معراج خالد نگران وزیراعظم تھے اس زمانے میں ایسی کونسل بنائی بھی گئی تھی

اس میں وزیراعظم اپوزیشن لیڈر تینوں مسلح افواج کے سربراہان وزیر خارجہ اور ایسے ہی چند دیگر اہم عہدیدار شامل تھے۔ یہ لوگ بڑے بڑے فیصلوں میں تھنک ٹینک کا کام کرتے تھے۔ تاکہ اہم فیصلے کسی ایک فرد کی مرضی سے نہ ہوں۔ خصوصاً" جب صورتحال ہمارے جیسے ملکوں کی ہو تو اس میں مجبوراً ایسی کسی کونسل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ یہ بات بالکل درست ہے کہ جب ملک میں جمہوری نظام ہو تو اس کونسل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

س :۔ فوجی اقتدار کے زیادہ عرصہ رہنے کی صورت میں جمہوریت کے لیے کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں؟

ج :۔ فوجی حکومت جمہوریت کے لیے زہر قاتل ہے اس نوعیت کی حکومت میں سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ عام عوام اور حکمرانوں کے درمیان براہ راست رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ جبکہ سیاسی حکومت کی یہی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے کہ اس کا ورکر گلی محلوں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ محلوں سے ایوان اقتدار تک ایک رابطہ موجود رہتا ہے اور اپوزیشن اور دوسری جماعتیں بھی عام لوگوں سے رابطہ رکھتی ہیں۔ لیکن جو حکومت صرف اوپر بیٹھی فیصلے کر رہی ہو وہ نہیں جانتی کہ عام آدمی کی خواہشات اور جذبات کیا ہیں۔ عوام کے مزاج سے عدم آگاہی کی بناء پر فیصلے بھی درست نہیں ہوتے۔ اس لیے پوری دنیا میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اقتدار میں نچلی سطح کے عام لوگ بھی شامل ہونے چاہیں۔ اور ہمارے ملک کا اصل المیہ ہی یہ ہے کہ جمہوری نظام میں بھی اقتدار بالا دست طبقے تک محدود رہتا ہے۔ فوجی حکومت کی صورت میں اقتدار لامحالہ اوپر تک ہی رہے گا۔ کیونکہ ان کے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں ہوتا کہ وہ عام آدمی کو اپنے ساتھ شامل کر سکیں۔ صرف بیوروکریسی کا ایک راستہ ہے اور ہمارے ہاں بیوروکریسی کی حالت اور معیار سے سبھی واقف ہیں۔ سابق صدر ایوب خان کی مثال ہمارے سامنے ہیں اس حکومت میں ہم معاشی طور پر بہت مضبوط تھے اس وقت کوریا اور تائیوان نے ہم سے متاثر ہو کر معاشی اصطلاحات متعارف کروائی تھیں اور آج وہ دنیا کے سامنے ایک مثال کی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن صدر ایوب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی حکومت چونکہ سیاسی نہیں تھی اس لیے ایک خلاء پیدا ہو گیا جس کا نقصان ہمیں بعد میں اٹھانا پڑا۔

س :۔ میاں نواز شریف سے وفاداری کا دعوی کرنے والے لوگ خاموش ہیں اس کی وجہ؟

ج :۔ یہ بات آزمودہ ہے کہ چوری کھانے والے ورکر اور ہوتے ہیں اور صحیح معنوں میں سیاسی ورکر اور پارٹی کے وفادار اور ہوتے ہیں۔ میاں صاحب کے گرد دو نمبر لوگوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ میاں صاحب نے جنہیں پلیٹیں بھر بھر کر چوریاں کھلائیں تھیں وہ چوری کی تلاش میں دوسری سمت پرواز کر گئے ہیں۔

س :۔ آئین میں سے 58۔2B کے خاتمے کا فیصلہ دونوں بڑی جماعتوں نے مل کر کیا موجودہ حالات کو ذہن میں رکھ کر بتائیں کیا وہ فیصلہ غلط تھا؟

ج :۔ میں یہ ضرور کہوں گی کہ چیک اینڈ بیلنس کا آئینی رستہ ضرور ہونا چاہیے۔ آئین میں حکومت کو بدلنے کا یہ طریقہ ہے کہ دو تہائی اکثریت سے عدم اعتماد کی قرارداد پاس کریں اور متبادل شخص نامزد کریں۔ ہمارے جیسے ملکوں میں اس جمہوری طریقے سے تبدیلی آ ہی نہیں سکتی۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اگر کوئی حکومت غلط کام کر رہی ہے اور عوام تبدیلی کے خواہشمند ہیں تو اس مقصد کے لیے پھر کیا کیا جائے۔ 58۔2B کا اختیار بھی ایک شخص کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ذاتی رنجش کی بنا پر بھی حکومت بدلنے کے لیے وہ اختیار استعمال کر سکتا تھا اور ایسا ہوا بھی ہے۔ اس لیے وہ طریقہ کار بھی مناسب نہیں تھا۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ آئینی ترمیم کے ذریعے ہی اس اختیار کو استعمال کرنے سے قبل اس میں پارلیمنٹ یا عوام کا کوئی کردار رکھ دیا جاتا کہ عوام کی مرضی بھی فلاں فلاں طریقے سے معلوم کی جائے۔ یا کوئی ایسی کمیٹی تشکیل دے دی جاتی جو اس ترمیم کے رہنے یا نا رہنے یا اسے محفوظ بنانے کا کوئی راستہ تلاش کرتی۔

س :۔ کیا فوجی انقلاب پاکستانی عوام کے مسائل حل کر سکتا ہے؟

ج :۔ بہت مشکل ہے ہمارے اقتصادی بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ اور اس کی بحالی کے لیے کوئی زبردست قدم اٹھانے کی ضرورت ہے جو عام طریقہ رائج ہے اس کے سومند

ہونے کے امکان کم ہیں ہماری ختم ہونے والی حکومت نے بہت سے اچھے کام کیے تھے جن سے عام آدمی کو ریلیف ملا تھا۔ جیسے کم آمدنی والے لوگوں کے لیے فوڈ سٹمپ سکیم کا اجراء کیا جو اب بند ہو گئی ہے۔ عام آدمی کو اس سہولت کے ختم ہونے سے پریشانی ہوئی ہے کیونکہ انہیں تو صرف روٹی ہی کھانا ہوتی ہے۔ آٹا انہیں سستا مل جاتا تھا۔ وہ خوش تھے اسی طرح ہسپتالوں میں گردوں کی صفائی کی اسکیم تھی چند دنوں کے لیے نئی حکومت نے اسے بھی معطل رکھا۔ اسی طرح اپنا گھر اسکیم ہے اگر اس اسکیم میں کچھ خرابیاں ہیں اسے دور کر دینا چاہیے لیکن اس کو بالکل بند کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ مختلف کاموں کے ٹھیکے حاصل کرنے والے اپنا پیسہ لگا چکے ہیں اسے ضائع ہونے دینا درست نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہنا چاہوں گی کہ سابقہ حکومت کے جو پراجیکٹ چل رہے تھے ان میں سے خرابیاں دور کر کے انہیں جاری رکھنا چاہیے۔ یا جو عوامی مفاد میں ضروری ہیں انہیں جاری رکھا جائے۔ موجودہ صورتحال کو سنبھالا دینا آرمی کے لیے آسان نہیں ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ احتساب کرنے سے جو لوگ بنکوں کا روپیہ دبا کر بیٹھے ہیں دے دیں گے۔ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ پیسہ ان کے پاس نقد صورت میں نہیں ہے فرض کریں آپ ان کی جائیدادیں ضبط کر لیتے ہیں یہ مقدمات عدالتوں میں چلیں گے تو کئی سال گزر جائیں گے۔ بے نظیر بھٹو کی مثال ہمارے سامنے ہے ان پر ڈھائی سالوں سے مقدمات چل رہے ہیں اور سوائے ایک مقدمہ کے کسی کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اگر فوج نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ میں سمجھتی ہوں احتساب نہ صرف شفاف بلکہ سب کے لیے ہونا چاہیے۔ خود جرنیل بھی اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کریں جیسا کہ چیف آگیزیکٹو نے جلد اپنے اثاثے عوام کے سامنے پیش کرنے کا اعلان کیا ہے انہیں اس اعلان پر جلد سے جلد عمل کرنا چاہیے۔ بیورو کریسی کے بڑے بڑے لوگوں کو بھی آرمی سٹاف کی تقلید کرنی چاہیے اور 85ء سے اب تک جو سیاستدان حکومت میں رہے ہیں ان کے بارے میں بھی تحقیقات ہونا چاہیے کہ ان کے پاس منقولہ اور غیر منقولہ یہ جو اثاثے ہیں وہ آپ نے کہاں سے حاصل کئے ہیں اگر وہ پیسہ وائٹ منی ہو اور اس پر ٹیکس ادا کیا گیا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ حکومت کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے کہ ان اثاثوں کو ضبط کرے۔ اثاثے ضبط ہونے کے بعد ان کی فروخت کا سوال پیدا ہو گا۔ میرے خیال میں سارے دولت مند احتساب کی زد میں آئیں گے اور ان سے حاصل کی وہی جائیدادیں خریدنے کے لیے لوگوں کے پاس پیسہ نہیں ہو گا۔ پھر حکومت کو ہی اس مسئلے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کہ وہ عام لوگوں کی فلاح بہبود کے منصوبوں کے لیے پیسہ کہاں سے حاصل کرے۔ لہٰذا یہ ایک مشکل کام ہے۔ اگر احتساب کے لیے عدالتوں کی روایتی طریقہ کار سے رجوع کیا گیا تو پھر نہ ماضی میں کچھ ہوا ہے اور نہ اب ہو گا۔

س :۔ میاں نواز شریف کے فوج کے ساتھ تعلقات دونوں ادوار میں کشیدہ رہے کیوں؟

ج :۔ حکومت اور مملکت کے اہم اداروں میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کے حوالے سے ایجنسیوں کا کردار خاص اہم ہے ایئر مارشل اصغر خاں نے ائی ایس آئی پر ایک مقدمہ دائر کیا ہوا ہے اس مقدمے کی مکمل سماعت کے بعد عدالتوں نے اس پر کوئی فیصلہ نہیں دیا اس مقدمے میں یہ ثابت ہوا ہے کہ آئی ایس آئی نے اس ملک کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو پیسے دیے اور ان کے دستخط بھی لیے۔ کہنا یہ چاہتی ہوں کہ اس ملک میں ایجنسیوں کا بڑا رول رہا ہے لیکن جہاں تک آپ کا سوال ہے یہ بات واقعی باعث تعجب ہے کہ میاں نواز شریف کی دونوں بار حکومت سے بے دخلی کا سبب فوج بنی ہے۔ میں یہی کہوں گی کہ اختیارات اپنے پاس رکھنے کی خواہش فوج میں بھی موجود ہے فوج یہ سمجھتی ہے کہ اس کے معاملات میں کسی کو مداخلت نہیں کرنی چاہیے چاہے وہ حکومت ہی کیوں ہ ہو اور اس طرح حکومت یہ سمجھتی ہے کہ چونکہ فوج اس کا ایک ذیلی ادارہ ہے اور حکومت کو اس سے باز پرس کرنے اور اس کے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہے میرے خیال میں اسی بنیاد پر دونوں بار فوج اور میاں نواز شریف میں اختلافات پیدا ہوئے جو بعد ازاں میاں صاحب کی حکومت کی رخصتی کا سبب بنے۔

س :۔ احتساب کرنے کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ صرف نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کا ہونا چاہیے۔ یا ان تمام جماعتوں اور لوگوں کا جو گزشتہ برسوں سے کسی نہ کسی

صورت میں اقتدار میں شامل رہے ہیں؟

ج :۔ نئی حکومت کو چاہیے کہ 85ء کے غیر جماعتی انتخابات سامنے رکھ کر اہم سیاستدانوں کی ایک لسٹ بنا لے۔ اگر صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والے تمام اراکین کا محاسبہ ہو سکے تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ جو مشیر وزیر بن کر اقتدار میں رہے ہیں ان سب کا احتساب ضرور ہونا چاہیے۔ وہ اپنی جماعت چھوڑ کر کسی بھی دوسری جماعت میں شامل ہو چکے ہوں۔ انہیں معاف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتی ہوں جو کھا پی کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تاکہ ان کی طرف کسی کا دھیان جائے۔

س :۔ احتساب کے عمل میں مرکزیت کس بات کا حال ہونی چاہیے؟

ج :۔ میری نظر میں صرف پیسہ بنانا ہی کرپشن نہیں بلکہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھانا بھی کرپشن ہے۔ جن لوگوں نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر کے نااہل لوگوں کو اہم عہدوں پر تعینات کر کے کرپشن کرنے کی چھٹی دے دی۔ ان کا بھی احتساب ہونا چاہیے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔

س :۔ یہ قیاس آرائی کی جا رہی ہے کہ میاں برادران کا سیاسی کیریئر ختم ہو گیا ہے کیا آپ بھی اس سے متفق ہیں؟

ج :۔ میاں صاحب کا موقف جانے بغیر ان کی بات سنے بغیر کوئی فیصلہ دینا بالکل مناسب نہیں ہے اس لیے میں اس قیاس آرائی پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہوں گی۔

س :۔ جنرل مشرف نے جمہوری عمل کی بحالی کا کوئی اشارہ نہیں دیا؟

ج :۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ایک جملہ بولا تھا کہ میں اسے مارشل لاء نہیں سمجھتا یہ حقیقی جمہوریت کی طرف جانے کا ایک راستہ ہے اور میں ملک کو اصلی جمہوریت کی طرف لے کر جاؤں گا۔ اس بات سے میں یہ سمجھی ہوں کہ وہ کوئی بڑی تبدیلی لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس طرح 1970ء میں پہلی بار آئین سازی کے لئے پیش رفت ہوئی ہم کس طرح ملک چلائیں گے پھر 85ء میں ضیاء الحق مرحوم نے دستور میں اہم ترامیم شامل کیں آج پھر ویسا ہی وقت ملک پر آیا ہے۔ جس میں یہ محسوس ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہے ہ وہ آرمی چیف آئین میں کچھ تبدیلیاں کرنے والے ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ریفرنڈم کے بغیر فوج کو آئین میں تبدیلی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ منتخب لوگ نہیں ہیں آئین کوئی ایک دن کے لیے نہیں بلکہ صدیوں کے لیے بنتا ہے اور اگر اس میں آپ کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو واپس عوام کے پاس جانا چاہیے۔ چیف ایگزیکٹو کو آئین میں کسی بھی تبدیلی کے لے عوام سے ریفرنڈم کے ذریعے رجوع کرنا چاہیے۔

س ۔ میاں اظہر کی حمایت پر قیادت کی طرف سے آپ کے بارے میں سخت رد عمل ظاہر ہوا۔ کیا آپ کو انتباہ کیا گیا تھا؟

ج ۔ مجھے اعلیٰ قیادت نے بالکل انتباہ نہیں کیا تھا البتہ چودھری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی نے میری حمایت میں اس افواہ کے بعد کہ مجھے پارٹی میں سے نکالا جا رہا ہے۔ اخبارات کو یہ بیان ج ری کیا تھا کہ ایسی کوئی تجویز زیر غور نہیں اور مناز رفیع نے جو کچھ کہا اس میں کوئی ایسی بات شامل نہیں کہ انہیں پارٹی میں سے فارغ کر دیا جائے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی شکر گزار ہوں کہ پارٹی میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو حقائق کو سمجھتے ہیں۔ میں نے میاں اظہر کی حمایت اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق کی تھی۔ میں نے یہی دیکھا ہے کہ وہ بڑے دیانتدار انسان ہیں اور نہ صرف پارٹی کے ساتھ مخلص ہیں بلکہ ان سے جو کچھ میں نے سنا وہ یہی ہے کہ میاں شریف کے ساتھ ان کے والد کا دوستانہ سگے بھائیوں سے زیادہ رہا ہے ان کی تنقید کا مقصد اصلاح تھا میاں صاحب کو حقائق بتلانا تھا لیکن مفاد پرستوں نے میاں اظہر کی باتوں کا فسانہ بنا کر میاں صاحب کو اس اقدام پر مجبور کیا کہ وہ انہیں پارٹی کے عہدہ سے الگ کر دیں اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے لیکن آج جو حالات ہیں انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ غط نہیں تھے۔

س ۔ شنید ہے کہ خدمت کیٹیوں کے اراکین کا ریکارڈ قبضے میں کر لیا گیا ہے اور ان کے خلاف بھی انکوائریاں ہونے کی توقع ہے؟

ج ۔ نئی حکومت ایسا ضرور کرے مجھے اس اقدام پر کوئی اعتراض نہیں ہے جنہوں

ے غلط کام کیے ہوں گے وہ ڈریں مجھے تو کوئی ڈر نہیں۔ ہم تو وہ کام کر رہے تھے جس ے عام آدمی کو فوری ریلیف مل رہا تھا۔ ادارے لوگوں کا کام نہیں کر رہے تھے اور ی مداخلت سے لوگوں کے کام ہونے لگے تھے۔ میں سمجھتی ہوں ہم تو اچھا کام کر ہے تھے۔ میرا خیال تھا نئی حکومت خدمت کیٹیوں کو کام جاری رکھنے کی اجازت دے ی گی۔ لیکن انہوں نے روک دیا اور فوجی حکومت نے یہ کوئی اچھی بات نہیں کی باقی جیسی بھی تفتیش کرنا چاہتے ہیں کریں۔

ـ خدمت کیٹیوں پر عدالتوں کے مساوی اختیارات رکھنے کا الزام بھی سننے میں ا تھا؟

ـ یہ الزام بالکل غلط ہے کیونکہ ہم دو فریقوں کے درمیان ثالثی کا کام کرتے تھے الثی نہیں دو فریقوں میں سے اگر ایک ہماری ثالثی قبول کرنے سے انکار کر دیتا تھا تو خود کو اس معاملے سے الگ کر لیتے تھے۔ ہم زبردستی کسی پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں تے تھے۔

ـ آئندہ آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں کیونکہ نہ صرف مسلم لیگ کا مستقبل دش نظر آتا ہے بلکہ جلد سیاسی عمل کی بحالی کا امکان بھی دور دور تک نظر نہیں ا؟

ـ میں آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتی کیونکہ سیاں پارٹیاں کبھی ختم نہیں یں۔ یہ لوگوں پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ میرے ے لوگ اداروں کی زندگی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ جہاں تک صرف میری ذات کا تعلق ں صرف سیاسی جماعت کے ساتھ مل کر کام نہیں کرتی۔ میں انسانی حقوق کی لنٹیرینٹز کے ساتھ مل کر بھی کام کرتی ہوں۔ خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے غیر سرکاری تنظیموں کی معاونت بھی کرتی ہوں اور میرے خیال میں یہ کام سیاسی ر کی حیثیت سے کئے گئے کام سے کم اہم نہیں ہے۔ اس لیے میرا کام ہر حال میں ی رہے گا۔

"اب فرمائیے یہ ہیں خیالات میاں صاحب کے اپنے لوگوں کے اور بعض تو قصلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بٹیوں کی طرح اڑ گئے ہیں اور وہ تنہا پھنس گئے"۔

"ایسے کاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے فراز! لیکن میں چاہتی ہوں جو کچھ ان نے کیا اسے اس کی سزا ملنا چاہیے"۔

"بہت بڑے سیٹ اپ کی ضرورت ہے۔ اقدامات تو ہو رہے ہیں لیکن ہا قوم کیوں مطمئن نہیں۔ شاید وہ فوری عمل چاہتے ہیں ایسا عمل جس سے فوری طور سے نظام حکومت بدل دیا گیا۔ فوری ایکشن۔ فوری نتائج۔ جو ہونا ہے ہو جائے کو انتظار کی صلیب پر نہ لٹکایا جائے"۔

"بڑے سیٹ اپ کے لئے وقت درکار ہوتا ہے"۔

"یہ بھی درست ہے اور "

"فرمایئے رکئے مت آج آپ بہت اچھے موڈ میں ہیں مادام"

"میں کچھ اور سوچ رہی ہوں"۔

"فرمایئے"۔

"شادی کرنا چاہتی ہوں۔ کیوں کیا خیال ہے؟"

"بہت اچھا خیال ہے۔ لیکن یہ اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا"۔

"اچانک نہیں آیا کافی دنوں سے سوچ رہی تھی لیکن کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہی تھی تم کچھ مدد کر سکتے ہو"۔

"فرمایئے مادام! اگر کچھ مناسب مشورہ دے سکا تو ضرور دوں گا"۔

"پہلے یہ بتاؤ ان حالات میں مجھے شادی کر لینا چاہیے"۔

"حالات سے آپ کی کیا مراد ہے۔ ملکی حالات یا اپنے حالات جن سے ہم لوگ گزر رہے ہیں؟"

"جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں"۔

"میرا خیال ہے ایس پی اسرار احمد کی وجہ سے یا ان کی عنایت کرم فرمائی کی سے کافی نارمل حالات ہیں اگر آپ شادی کرنا چاہتی ہیں مادام تو فوراً کر لیں"۔

"کس سے؟" وہ نجانے کیوں مسکرا پڑی۔

"جی!" فرزا ہونق ہو گیا۔

"ہاں۔ بولو کس سے شادی کروں۔ کون کرے گا مجھ جیسی لڑکی سے؟"

"یہ آپ کیا فرما رہی ہیں مادام۔ اسرار احمد صاحب شاید آپ کو بہت پسند کرتے ہیں اور...."

"اور میری منزل اسرار احمد نہیں مسٹر فراز صاحب"۔

"پھر؟" فرزا جیسے بڑبڑایا ہو۔

"پھر یہ کہ ایک اور نوجوان ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہیں وہ انکار نہ کر دے اور ہاں ذرا جیراں کو دیکھنا چائے کا موڈ ہو رہا ہے"۔

فراز بات بدلتے دیکھ کر خاموشی سے اٹھ گیا۔ بات سیاست پر ہوتے ہوئے اچانک شادی پر آ گئی تھی۔ اور فراز محتاط ہو گیا تھا وہ سن رہا تھا کہ مادام کی نوازش ضرور رنگ لائیں گی۔ لہٰذا وہ اس وقت کا منتظر تھا اور وہ لمحہ آتے آتے رہ گیا تھا۔ جیراں کچن میں ہی تھی چائے کا کہہ کر وہ واپس لوٹ آیا۔ بولا۔

"آپ کے گھر والے کافی دنوں سے نہیں آئے"۔

"مصروف ہوں گے۔ فون پر پرسوں بات ہوئی تھی۔ تم سناؤ تمہاری دونوں بہنیں اپنے سسرال میں خوش ہیں نا"۔

"جی ہاں! سب ٹھیک ہے"۔

"تم شادی کب کر رہے ہو"۔ سوال بڑا اچانک تھا جس پر فراز گڑبڑا گیا اور وہ نظریں چرا کر بولا۔

"میں شادی نہیں کر سکتا"۔

"کیوں نہیں کر سکتے"۔

"میری ملازمت رات دن کی ہے۔ مجھے یہاں رہنا ہوتا ہے اور...." وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر یہ بات ہے تو تم شادی کر کے اپنی دلہن کو یہیں پر لے آؤ"۔

فراز مسکرا پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں کیا یہ بات پسند نہیں آئی"۔

"ماں بالکل تنہا ہو جائے گی۔ اب تو کبھی کبھار جا کر مل آتا ہوں پھر شادی کے بعد پھنس جاؤں گا اور ہو سکتا ہے کہ وقت نہ نکال پایا کروں"۔

"لڑکی کوئی پسند کر رکھی ہے کیا؟"

"جی نہیں"۔

"ارے اتنے بڑے ہو گئے ہو اور تم نے ابھی تک کوئی لڑکی بھی پسند نہیں کی"۔

"چلئے آپ تلاش کر دیجئے نا"۔

"کیسی ہو؟"

"آپ جیسی۔ میرا مطلب ہے آپ جیسی صفات کی حامل ہو"۔

"یہ تو کام ذرا مشکل ہو جائے گا۔ کوئی فرد ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔

"میں نے آپ جیسی صفات کی بات کی تھی"۔

"اچھا صفات کی بات کی تھی۔ یہ ہو سکتا ہے"۔

"ویسے آپ برا نہ مانیں تو مجھے یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں ہو رہی کہ اسرار احمد سے شادی کرنے کے بعد آپ کو زندگی کا مکمل تحفظ مل سکتا ہے"۔

"وہ بہت لیٹ ہو چکا ہے"۔ زیبا انوار مسکرائی۔

"دیر سویر تو ہو جاتی ہے لیکن نصیبہ اچھا ہونا چاہیے"۔

"ہوں۔ تو تمہارے خیال میں اسرار احمد کو قبول کر لینا چاہیے اور یہ بات تم دل سے کہہ رہے ہو یا ذہن سے"۔

"ذہن سے۔ کیونکہ جن حالات سے آپ گزری ہیں یا گزر رہی ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو مکمل اور مضبوط تحفظ مل جائے اور وہ تحفظ اسرار احمد دے سکتے ہیں"۔

"ضروری نہیں کہ وہ مجھ سے شادی کریں"۔

"آپ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ ان کی آنکھیں کچھ کہتیں محسوس ہوتی ہیں"۔

"ہمارا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ایک اچھا پولیس آفیسر ہے۔ کمزور سمجھ کر مدد کر رہا ہے"۔

"آپ نے تو معاملہ الجھا دیا"۔ فراز مسکرایا۔

"نہیں اتنا بھی نہیں جس قدر تم سمجھ رہے ہو ویسے فراز ایک بات تو بتاؤ کہ تم مجھے کس حد تک پسند کرتے ہو"۔

"آپ تو کچھ دیر قبل بتا چکا ہوں کہ بیوی کس قسم کی پسند کروں گا"۔

"فرض کرو اگر وہ مل جائے اور بدقسمتی سے اس کے ساتھ گینگ ریپ ہو چکا ہے ہو تو تب تم کیا کرو گے؟"

"حادثے دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور پھر اس سنگین قسم کے حادثے میرا مطلب اس گینگ ریپ سے ہے جو ہوا کس قدر لڑکی خود انوال تھی وہ تو غریب بے قصور تھی اس کے ساتھ تو بہت بڑا ظلم ہو گیا لہٰذا میں اس لڑکی سے شادی کر لوں گا بلکہ فخر محسوس کروں گا"۔

"تم تو بہت اچھے نوجوان ہو خدا کرے تمہیں تمہاری پسند کی لڑکی مل جائے"۔

"آپ تلاش کریں گی کیا؟"

"کوشش تو کر سکتی ہوں"۔ وہ اس بار مسکرائی تھی اور اسی لمحے جیراں چائے کے دو مگ لے آئی۔

"بہت مصروف ہو گیا؟" زیبا انوار چائے لیتے ہوئے بولی۔

"اتنا بھی مصروف نہیں کہ آپ سے دو چار باتیں نہ کر سکوں"۔

"تو پھر بیٹھو اور سنو میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ میں فراز کے لئے کوئی لڑکی تلاش کروں گی اور یہ میرے لئے کوئی لڑکا تلاش کرے گا"۔

"مم.... میں نے تو ایسی بات نہیں کہی آپ زیادتی فرما رہی ہیں"۔ فرزا پریشان ہو کر بولا۔

"جب میں تمہارے لئے لڑکی تلاش کر سکتی ہوں تو تم کیوں میری مدد نہیں کر سکتے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کے معیار کا لڑکا شاید زندگی بھر تلاش نہیں کر سکوں۔ کیونکہ آپ بہت عظیم خاتون ہیں۔ آپ جیسی صفات رکھنے والی خاتون ہی ملنا مشکل ہے لڑکا کہاں تلاش کروں گا"۔

"کوشش تو کی جا سکتی ہے"۔ زیبا انوار مسکرائی۔

"آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے مادام"۔

"مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ دونوں کافی اچھی باتیں کر رہے ہیں البتہ سب سے اچھی بات یہ ہوتی کہ میری شادی کے بارے میں سوچا جاتا۔ کہ میں اس قدر بری بھی نہیں ہوں"۔ جیراں ہنس کر بولی۔

فراز بھی ہنس پڑا اور بولا۔

"یہ تو واقعی ہم دونوں سے زیادتی ہوئی ویسے میں نے سنا ہے کہ نندی پور میں تمہارا منگیتر موجود ہے"۔

"بالکل ہے جب پولیس کی وردی پہن لے گا شادی کرنے آئے گا"۔

"پھر تو آپ کا مسئلہ کوئی نہیں"۔

"مسئلہ ہے نا۔ وہ چند دنوں میں مجھے ملنے آ رہا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ فوراً میری شادی کر دی جائے لیکن حالات بہت خراب ہیں اگر کرپشن پر قابو نہ پایا جا سکا اور دہشت گردی بڑھ گئی تو جنرل صاحب کا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔ مارشل لاء بھی نافذ کر سکتے ہیں اور میری شادی تو رہ جائے گی نا"۔

"جیراں درست کہتی ہے جیسے ہی اس کا وہ آئے شادی کر ڈالئے"۔ فراز ہنس کر بولا اور زیبا انوار مسکرا پڑی۔

"ہاں یہ ہوئی ایک اچھی بات"۔ جیراں سر ہلا کر باہر نکل گئی دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے۔

نندی پور کی حویلی پھر سے آباد ہو گئی تھی۔ خان آفریدی شہر سے واپس لوٹ آئے تھے لیکن اپنا بہت کچھ گنوا آئے تھے۔ پورے نندی پور میں اکبر خان آفریدی کی موت کا ماتم ہوا تھا۔ پورا نندی پور حویلی کے باہر امڈ آیا تھا۔ سب کچھ ہوا لیکن جانے والوٹ کر نہیں آیا تھا۔ منوں مٹی تلے اسے دفن کر دیا گیا تھا اور اس واقعہ کو پورے دن ہو گئے تھے۔ خان آفریدی نے بہت ماتم کر لیا تھا۔ پوری حویلی میں سناٹا چھایا تھا۔ جب سویا ہوا شیر بیدار ہوا تو حویلی میں خان آفریدی کے جان نثار اکٹھے ہو گئے اور خان آفریدی ایک خطرناک پلان تیار کر رہا تھا۔ نازو باپ کی تمام کارروائیوں کو خاموش نظروں سے دیکھتی رہتی تھی جب کچھ افراد شہر روانہ ہو گئے تو نازو باپ کے کمرے میں چلی آئی۔

"بابا سائیں آپ شہر نہیں گئے؟"

"ہم کو شہر نہیں جانا تھا۔ بلکہ ہم نے تم سے کہا تھا کہ ماں کے پاس چلی جاؤ لیکن پتہ نہیں یہاں کیوں رکی ہوئی ہو"۔

"آپ کے لئے بابا سائیں صرف آپ کے لئے آپ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی"۔

"لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم شہر چلی جاؤ۔ تمہاری ماں بہت اکیلی ہوں گی"۔

"وہاں ان کے پاس پورا خاندان آ جا رہا ہے۔ ہر وقت اکبر خان بھائی کی موت کی باتیں کرتے ہیں اور میرا دم گھٹنے لگ جاتا تھا اور پھر آپ یہاں اکیلے تھے اور میں یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ آپ کچھ اچھے کاموں میں نہیں مصروف رہتے بلکہ زیبا انوار اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی فراز نامی نوجوان کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں [illegible] ہوں زیبا انوار کو آپ اغوا کر کے یہاں لانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ سب باتیں [illegible] ہیں"۔

"کیا تم ہماری ٹوہ میں رہتی ہو لڑکی"۔ خان آفریدی اسے گھور کر بولے۔

"بابا سائیں! آپ زیبا انوار کو اغوا کیوں کروانا چاہتے ہیں؟"

"تم کو ان باتوں سے کیا لینا دینا۔ دور رہیں ان باتوں سے اور یہ بڑوں کے [illegible] ہیں اور ان میں دخل اندازی نہیں کیا کرتے"۔ خان آفریدی کا لہجہ کچھ اچھا نہیں تھا۔

"بابا سائیں! ملکی قیادت بدل چکی ہے۔ ملٹری والے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس [illegible] کے اقدام نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں اور پھر زیبا انوار میری محسن ہیں میں نہیں [illegible] آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں"۔

"اگر کچھ کر رہے ہیں تو اس اقدام کا کچھ نہ کچھ مقصد ہو گا"۔

"مجھے بتایئے"

خان آفریدی نے چونک کر پہلی بار نازو کے چہرے کی طرف دیکھا اور وزنی [illegible] میں بولے۔

"وہ تمہاری محسن نہیں ایک چالاک لومڑی ہے اور اس نے تمہارے بھائی [illegible] قتل کروایا ہے اپنے باڈی گارڈ سے مروا دیا تھا"۔

"نن.... نہیں"۔ نازو غیر یقینی انداز میں بولی۔

"بس اب جاؤ اور کل تک شہر چلی جاؤ"۔

"بابا سائیں! بھائی اکبر کو کیسے مارا گیا اور کیوں مارا گیا؟" نازو کی آواز لرز [illegible] تھی۔

"کیوں مارا گیا اور کیسے مارا گیا یہ ایک الگ کہانی ہے بس یوں جان لو تمہارے بھائی اکبر خان کو گھر بلوا کر اپنے باڈی گاڑ سے گولیاں مروا دیں"۔

"ذہن قبول نہیں کر رہا بابا سائیں کیونکہ اخبارات اور آپ نے دہشت گردی [illegible] بات کی تھی۔ اب یہ نئی بات کیوں؟ اگر زیبا انوار نے یہ جرم کیا تھا تو اسے جیل [illegible] بند ہونا چاہیے تھا"۔

"اس نے پولیس کو جو بیان دیا' وہ بڑا مضبوط تھا کہ اس کی عزت پر حملہ کیا گیا اور اس کے باڈی گاڑو فراز نے اپنے موزر سے برسٹ مار کر اکبر خان کو ہلاک کر دیا۔ ایس پی اسرار احمد نے بتایا کہ یوں پورے خاندان کی بدنامی ہو گی۔ فراز کو زیادہ سے زیادہ دو تین سال جیل ہو جائے گی لیکن ہماری عزت ضرور خاک میں مل جائے گی۔ بات معقول تھی اور ہم مان گئے اس لئے زیبا انوار پر ہم نے قرض رکھ دیا اب اس قرض کو اتارنے کا وقت آ گیا ہے"۔

"اگر بھائی نے زیبا انوار کی عزت پر حملہ کیا تھا تو جرم تو بھائی نے کیا۔ زیبا انوار نے تو نہیں۔ یہ تو انصاف نہ ہوا"۔

"بھائی کھو کر بھی تمہیں ہوش نہیں آیا لڑکی۔ سب کچھ ایک سوچی سمجھی پلاننگ سے ہوا اور وقتی طور پر ہم خاموش ہو گئے ایک وڈیرے کا بڑا بیٹا قتل ہوا ہے کسی بے بس مجبور گھسیارے کا نہیں۔ اس الو کی پٹھی نے ہمیں برباد کر ڈالا۔ اس نے ہم کو اور تم ہو کہ اس کی طرف داری کرتی ہو ایک دم بے وقوف ہو تم لڑکی"۔

"بابا سائیں"۔ نازو نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ خان آفریدی ایک دم غرا اٹھے۔

"خاموش۔ اور ہاں۔ دیکھیں گے کہ حرامزادی کتنے پانی میں ہے۔ بڑی عزت والی بنتی ہے۔ اگر ننگا کر کے پورے نندی پور میں بھگا بھگا کر نہ مار ڈالا تو خان آفریدی نام نہیں"۔

"اس سے بہتر ہے کہ آپ اسے گولی مار دیں لیکن میں ایک عورت کی اس قدر ذلیل برداشت نہ کر پاؤں گی۔ بابا سائیں"۔

"جاؤ۔ اب جاؤ۔ ختم کرو۔ کیوں دماغ چاٹ رہی ہو"۔

"بابا سائیں! میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ حکومت بدل گئی ہے آپ لوگ اب من مانیاں نہیں کر سکیں گے اور میں نہیں چاہتی کہ مزید کچھ گنوا بیٹھیوں"۔

"ہمارا حکومتوں سے کیا واسطہ۔ ہم پہلے بھی حاکم تھے۔ اب بھی حاکم ہیں۔ چہرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدلنے سے ہماری شان و شوکت میں فرق تو نہیں آ سکتا۔ ہم اس جاگیر کے مالک ہیں۔ سیاہ سفید کے مالک ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ حکومت کو اتنی فرصت کہاں کہ ہم جیسے لوگوں کو چھیڑنا شروع کر دے۔ بادن سال سے اپنی من مانی کرتے آئے ہیں کیا پہلے فوجی حکومتیں نہیں آئی تھیں کیا بگاڑ لیا تھا انہوں نے ہمارا جو اب بگاڑ لیں گی"۔

"بابا سائیں! نئے آنے والے کے تیور اچھے نہیں۔ آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ حالات ایسے نہیں کہ آپ اپنی مرضی سے کوئی ناجائز کام کر سکیں۔ ہم جیسے لوگ پہلے ہی بہت بدنام ہیں۔ اکبر بھائی نے جو بینکوں سے قرض لے رکھا ہے آپ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔ کیونکہ آپ نے اس رقم کو واپس لوٹانا ہے"۔

"قرض ہم نے نہیں لیا تھا مرنے والے نے لیا تھا اس نے شوگر ملز بنانے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں بن سکی اور....."

"بابا سائیں! ایک ہی کام کے لئے آپ نے ایک ہی زمین پر تین بینکوں سے قرض لئے اور اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہے گی۔ وصولیاں ہو رہی ہیں۔ سولہ نومبر آخری دن ہے۔ آپ یہ مت سوچیں کہ اکبر بھائی نے وہ رقم قرض لی تھی تو آپ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں اور نہ ہی آپ اس زعم میں رہیں کہ قرض کی رقم مرنے والے کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ نہیں بابا سائیں وہ لوگ اتنی بڑی رقم معاف نہیں کریں گے۔ خدا کی پناہ آپ لوگوں نے شوگر ملز کے لئے ایک ہی زمین پر تین بنکوں سے قرض لیا۔ اب یہ بات جب کہ ان دی ریکارڈ ہے۔ سامنے آئے گی تو فراڈ کا کیس بنے گا۔ ہم لوگوں نے بنکوں کو لوٹا ہے۔ یہ سول حکومت نہیں بڑا کڑا احتساب کرنے والی ہیں۔ اکبر بھائی کا حساب آپ کو دینا پڑے گا یہ کوئی قتل کا کیس نہیں کہ اکبر بھائی نے کیا اور وہ اس دنیا میں نہیں رہے تو معاملہ ختم۔ یہ لین دین کا معاملہ ہے آپ کو مجھے اور ماں جان سے وصول کریں گے۔ آپ کو کس نے مشورہ دے دیا کہ اکبر بھائی مرنے کے بعد یہ فوجی آپ کو چھوڑ دیں گے۔ نہیں بابا سائیں یہ قرض ہم لوگوں کو واپس کرنا پڑے گا ورنہ جیل جانا پڑے گا"۔

"آپ کچھ کچھ ہم نے سوچا ہے۔ وکیل سے بات کی ہے۔ اکبر خان کے مرنے سے کیس کمزور پڑ جائے گا اور تم نہیں سمجھی کہ رشوت ختم ہو گئی ہے بینک منیجروں سے بات کر چکے ہیں۔ پچاس پچاس لاکھ روپے انہیں کہہ رکھا ہے کہ انعام دیا جائے گا وہ لوگ کچھ کر رہے ہیں ہم کو نہیں معلوم اکبر خان نے تین بینکوں سے قرض کیوں لیا اور کب لیا۔ ہمارے پاس تو بہت کچھ ہے لیکن اس کے باوجود ہم اپنی جیب سے کچھ نہ کچھ حکومت کو دے ڈالیں گے"۔ خان آفریدی برا سا منہ بنا کر بولے۔

"آپ بابا سائیں اخبارات نہیں پڑھ رہے نئے قوانین جو نافذ ہو رہے ہیں۔ انہیں نہیں دیکھ رہے۔ پلیز آپ کچھ کریں ورنہ بڑا کڑا وقت آ جائے گا ہم لوگوں پر"۔

"اچھا تم فکر مت کرو ہم سنجیدگی سے کچھ سوچیں گے۔ بس تم صبح شہر چلی جاؤ۔ اب تم حویلی میں نہیں رہو گی"۔

"نہیں بابا سائیں میں شہر نہیں جاؤں گی۔ میں نے کہا ہے نا کہ ماں جان کے پاس آنے والی رشتہ دار عورتیں ہر وقت اکبر بھائی کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہاں سے بھاگ کر آئی ہوں۔ میری واپسی پر آپ اصرار نہ کریں۔ میں نے واپس نہیں جانا"۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ ہم تمہیں بار بار کہہ رہے کہیں کہ تمہارا حویلی رہنا مناسب نہیں۔ لیکن تمہارا ذہن کام نہیں کر رہا۔ بس کہہ دیا ہے کہ صبح چلی جانا۔ اب جاؤ آرام کرو"۔ خان آفریدی ہاتھ اٹھا کر بولے اور نازو پر آئندہ ذہن لئے اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اکبر بھائی کو واقعی اگر زیبا کے باڈی گارڈ نے گولی ماری تھی تو اس میں عزت پر حملہ کرنے والی بات کہاں تک سچ ہے۔ اس کی سوچیں بڑی گہری ہو گئی تھیں۔ زیبا انوار اتنی بہادر نہیں تھی کہ اکبر بھائی کو گولی مروا دیتی۔ حادثہ ضرور ہوا ہو گا۔ لیکن اس کی نوعیت کیا رہی ہو۔ ہاں زیبا انوار ایک انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتی کہ ایک ملازم سے اکبر خان کو مروا ڈالے۔ اور پھر پولیس نے کیس تیار کیوں نہیں کیا؟ آخر یہ کیسا اسرار ہے جو پولیس اتنا بڑا قتل کھا گئی اور قتل کوئی معمولی انسان نہیں ہوا تھا۔ قومی اسمبلی کا ایک رکن قتل ہوا تھا اور کیس تیار ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہشت گردی کا۔ اونہہ۔ ذہن نہیں مان رہا کہ اخبار والے بھی وہی کہانی دوہرا رہے ہیں جو پولیس والوں نے تیار کی ہے۔ وہ الجھی رہی اور پریشان ہوتی رہی۔ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ اب اسے حکم یہ تھا کہ نندی پور چھوڑ دے۔ یہاں اس حویلی میں کیا ہونے والا تھا۔ کیا زیبا انوار کو قتل کیا جانے والا تھا۔ یا پھر وڈیروں کی فرسودہ روایت کے مطابق اسے بے لباس کر کے پورے نندی پور میں گھمایا جانا تھا۔ اگر یہ بات تھی تو یہ مناسب نہیں تھی ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے زیبا انوار کے الفاظ یاد آئے کہ عزت سب کی برابر ہوتی ہے۔ خواہ وہ غریب ہو یا امیر۔ اور پھر اس نے ہلاکو خان کے آدمیوں سے اسے بچایا تھا۔ وہ کس قدر بے بس تھی لیکن زیبا انوار نے اسے وہاں سے بھاگنے میں مدد دی تھی۔ وہ یہ بات نہیں بھول سکتی تھی لیکن نجانے کیوں اکبر بھائی اور باباسائیں نے اس بات کو قبول نہیں کیا تھا۔ بقول ان کے زیبا انوار نے خود زندہ رہنے کا ایک شاندار جواز پیدا کیا تھا۔ لیکن نازو باپ اور بھائی سے متفق نہیں تھی۔ اور اب پھر کوئی کٹھن وقت آنے والا تھا۔ زیبا انوار ایک خوبصورت دل رکھنے والی لڑکی تھی۔ بابا سائیں نجانے اس کا کیا حشر کرنے والے تھے۔ نہیں وہ حویلی سے نہیں جائے گی۔ خواہ بابا سائیں اسے قتل کیوں نہ کر دیں۔ یہ نازو کا آخری فیصلہ تھا۔ کیونکہ وہ نندی پور میں رہ کر زیبا انوار کی حفاظت کرنا چاہتی تھی۔ وہ رات اس کے اعصاب کے لئے بڑی اذیت ناک تھی۔ نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اس کے بابا سائیں غلط راستوں پر جا رہے ہیں۔ بھائی کو کھو چکی تھی۔ اب مزید کچھ کھونا نہیں چاہتی تھی اور وہ جو بات باپ کو سمجھانا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں رہے تھے وہ اپنی طاقت اور دولت کے زعم میں بہت آگے بڑھ رہے تھے۔ نازو کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا۔ وہ ایک بیٹی تھی باپ کیسا بھی تھا باپ تھا۔ اب انہیں کیسے سمجھاتی کہ آپ باپ بیٹے نے کچھ اچھے کام نہیں کئے ادب ملحوظ خاطر تھا۔ اچانک وہ کسی خیال کے تحت چونک پڑی اسے یاد آیا کہ زیبا انوار کا موبائل نمبر اس کے پاس ہے۔ وہ اپنی الماری کی طرف بڑھی اور اپنی ڈائری چیک کی اور پھر اسے نمبر مل گیا۔ اس نے کچھ سوچا پھر فون اپنی طرف سرکا لیا اور زیبا انوار کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کچھ لمحوں بعد ہیلو کہا گیا

آواز زیبا انوار کی تھی۔

"میں ہوں نازو خان آفریدی۔ سنو میری بات توجہ سے سنو وقت کم ہے۔ اپنی جگہ چھوڑ دو تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ ابھی اور اسی وقت اپنی رہائش تبدیل کر لو۔ بلکہ روپوش ہو جاؤ۔ او کے"۔ اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

دوسری طرف زیبا انوار نے ایس پی اسرار احمد کے پرسنل نمبر ڈائل کئے تھے اور نازو کے فون کے بارے میں انہیں بتایا۔

"جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ آدمی پہنچ رہے ہیں۔ انہیں الگ کمرے میں رکھنا اور فراز سے کہنا کہ بلا جھجک اپنا موزر استعمال کر سکتا ہے۔ جتنے بھی آدمی ہوں زندہ ایک بھی واپس نہیں جانا چاہیے۔ میں تمہاری طرف سے پولیس سے مدد اور تحفظ دینے کی رپورٹ تیار کروا دیتا ہوں اور ہاں سنو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمیوں کو کیا کرنا ہے میں انہیں سمجھا دوں گا۔ او کے۔ اپنا خیال رکھنا کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔ پولیس مکمل تحفظ فراہم کرے گی"۔

"میں تھک سی گئی ہوں سر۔ خوف کے سائے تلے سانسیں رک کر کر آتی ہیں"۔ زیبا انوار کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

"میں ہوں نا۔ کیوں فکرمند ہوتی ہو اور ہاں نازو کے فون کا کسی سے ذکر مت کرو نا ورنہ وہ سر پھرے وڈیرے باپ کے ہاتھوں ماری جائے گی"۔

"جی بہتر!"۔ اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور پھر قریب کھڑی جیراں کی طرف دیکھا اور بولی۔

"فراز کو بلاؤ جلدی"۔

اور جیراں مشین کی مانند حرکت میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد فراز کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور فراز خالی ہاتھ نہیں تھا موزر اس کے ہاتھ میں تھا۔

"شاید آج رات کسی بھی پہر مجھے اغوا کر لیا جائے"۔

"کیسے معلوم ہوا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نازو کا فون تھا میرا مطلب ہے خان آفریدی کی بیٹی کا"۔

"فون مندی پور سے آیا تھا یہیں شہر سے"۔

"میں نے معلوم نہیں کیا اور ہاں اسرار احمد سے بات ہوئی ہے وہ خفیہ پا
والے بھجوا رہے ہیں انہوں نے حکم دیا کہ ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچنا چاہیے"۔

"گڈ۔ یعنی کہ قصہ ختم"۔ فراز موزر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا خون خرابے سے تمہیں خوشی محسوس ہوتی ہے؟" زیبا انوار نے ا
گھورا۔

"آپ کی حفاظت کرتے وقت دس بارہ خون کرنے پر جائیں تو پروا نہیں کر
گا"۔

"خون خرابے اور انسانی جان لینے سے مجھے وحشت ہوتی ہے"۔

"مجھے بھی ہوتی ہے مادام لیکن کیا کریں دشمن خود حملہ آور ہوتا ہے"۔

"نازو کے فون کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔ اسرار احمد صاحب نے سختی
منع کر دیا ہے"۔

"کوئی بات نہیں آپ آرام کریں"۔

"پولیس والوں کو پہچان کر گیٹ کھولنا"۔

"جی بہتر"۔ فراز باہر نکل گیا۔ وہ بڑا چوکنا اور محتاط ہو گیا تھا۔ آدھے گھنٹے بع
پولیس گاڑی آئی چار آدمی تھے جو سفید پوش تھے انہوں نے فراز کو گیٹ کے باہر
سے اپنے ایس پی اسرار احمد کا حوالہ دے دیا تھا اور فراز انہیں اندر لے آیا تھا ا
گاڑی واپس چلی گئی تھی۔ فراز ایک دو کو پہچانتا بھی تھا۔ وہ اکبر خان کی لاش اٹھوا کر
گئے تھے۔ فراز نے انہیں زیبا انوار کے برابر والا کمرہ دے دیا تھا اس نے برآمدے
لائٹ کے علاوہ تمام روشنیاں بند کر کر دی تھیں۔ لیکن جن کا انتظار تھا ان کا دور
تک پتہ نہیں تھا۔ ہر فرد جاگ رہا تھا اور خوف کے سائے تلے سانس لے رہا تھا
رات بھیگ رہی تھی۔ حتیٰ کہ صبح کی اذان پر ہر کوئی گہری نیند سو رہا تھا اور یہی وقت
چور ڈاکوؤں کا ہوتا ہے۔ اس بات کا پولیس کے عملے کو بھی علم ہوتا ہے لیکن غفلت

انتہا۔ کوئی نیند خراب نہیں کرتا۔ اچانک زیبا انوار کے موبائل کی گھنٹی بجی تھی اور کچی
نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ کون ہو سکتا ہے اس وقت وہ آنکھیں ملتی حیراں کی طرف
دیکھ کر بولی۔ پھر اس نے ہیلو کہا اور دوسری طرف سے اسرار احمد کہہ رہے تھے۔

"یہ جگہ چھوڑ دو۔ پولیس ملازموں کو وہیں رہنے دو۔ فراز اور حیراں کو لے کر
باہر کھڑی پولیس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ جلدی۔ او کے"۔ اور فون بند کر دیا گیا۔

"فراز کو بلواؤ۔ ہم یہ گھر چھوڑ رہے ہیں"۔

حیراں باہر نکل گئی۔ برابر والے کمرے میں پولیس والے بے خبر سو رہے تھے۔
فراز جاگ رہا تھا۔ زیبا انوار نے اسے اسرار احمد کا حکم سنایا۔

"چلئے میں تیار ہوں"۔

پھر تینوں بڑی خاموشی سے باہر کھڑی گاڑی میں آ بیٹھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر
اور دوسرا اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ اور گاڑی تیز رفتاری سے ایک طرف بھاگے جا
رہی تھی۔

"مسٹر یہ موزر مجھے دے دو"۔ فرنٹ سیٹ بیٹھا ہوا بولا۔

"کیوں؟"۔

"آگے چوک میں ناکہ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ دو عورتوں کے درمیان بیٹھا
ہوا انسان مشکوک نظر آئے"۔

"یہ لیجئے۔ فراز نے موزر اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر گاڑی کو شہر سے باہر جانے
والی سڑک پر نکلتے دیکھ کر وہ چونکا۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مندی پور۔ خان آفریدی کے پاس۔ بڑے درشت لہجے میں جواب دیا گیا۔ جس
پر تینوں سناٹے میں آ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل شاہنواز پریشان تھے۔ پریشانی کی وجہ بیگم کا رویہ تھا جو بہو پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہو گئی تھیں۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ رات دو گلاس دودھ کے نواز اور انیلا کو یہ کہہ کر پلاتی تھیں کہ تم دونوں کے لئے تین چار ماہ رات کو دودھ ضروری ہے۔ دیکھا جائے تو صبح بھی ضروری ہے لیکن تم لوگ بیڈ ٹی کے عادی ہو اس لئے تم دونوں کو مجبور نہیں کیا۔ جس پر حق نواز نے بھرپور احتجاج کیا تھا کہ ماں جان دودھ سے میرا پیٹ خراب ہوتا ہے تین دن دودھ پینے سے تو موشن لگ گئے اب میں نہیں پیا کروں گا۔

"ٹھیک ہے بہو پیا کرے گی"۔ یہ تھے وہ الفاظ جو بیگم شاہ نے کہے تھے اور یوں حق نواز کی دودھ سے جان چھوٹ گئی تھی البتہ انیلا برابر دودھ پی رہی تھی۔ بیگم شاہ بہت مہربان تھیں۔ انیلا کا بہت خیال رکھتیں تھیں۔ حتیٰ کہ گھر کے کاموں میں انیلا کا ہاتھ بٹانے لگی تھیں اور انیلا لاکھ احتجاج کرتی لیکن بیگم شاہ یہ کہہ کر پیار سے ڈانٹ دیتیں کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہوں گی تو خود موٹی ہو جاؤں گی۔

اور اسی بات پر کرنل پریشان تھے اور پریشان اس لئے تھے کہ وہ پچیس سال سے اپنی بیوی کی فطرت اور طبیعت سے باخبر تھے یہ کسی حالت میں ممکن نہیں تھا کہ بیگم شاہ اپنی سطح سے نیچے اتر کر کوئی کام کرتیں۔ اور یہی بات کرنل شاہ کو پریشان کئے ہوئے تھی۔ جب بیگم شاہ حسب معمول اپنا فریضہ انجام دے کر واپس بیڈ روم میں پہنچیں تو کرنل نے مسکرانے کی کوشش کی اور بولے۔

"نجانے کیوں آپ دن بدن نکھرتی جا رہی ہیں۔ یہ ہم ہی محسوس کر رہے ہیں یا

باقی دنیا ہو رہا ہے"۔

بیگم شاہ کا چہرہ جو کسی حد تک تنا ہوا تھا اور ہمیشہ انیلا کے کمرے سے واپسی پر تنا رہتا تھا شوہر کے مخاطب کرنے پر کسی حد تک نارمل ہو گیا اور وہ عجیب سے انداز میں مسکرائیں اور بولیں۔

"آپ کی آنکھیں شاید زیادہ خوبصورت ہو گئی ہیں۔ ان میں کچھ زیادہ پیار بھر گیا ہو گا ورنہ میں نہیں بدلی روز آئینہ دیکھتی ہوں"۔

"آپ نے کبھی غور سے نہیں دیکھا ہو گا"۔

"چلئے آپ کی بات مان لیتے ہیں"۔ وہ پھر مسکرائیں اور ان کی مسکراہٹ میں آج بھی تیکھا پن تھا اور یہ بات کرنل کو ہمیشہ پریشان کر دیتی تھی۔ وہ جب بھی انیلا کے کمرے سے اسے دودھ دے کر آتیں تو انکا چہرہ بدلا ہوتا تھا اور بہت آہستہ آہستہ مل ہوتا تھا۔ شاید بیگم شاہ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان کا شوہر باریک بینی سے بھی پڑھتا ہے۔

"اگر آپ ہماری بات مان لیتی ہیں تو پھر آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ اس میں دودھ ہماری ضرورت بھی تو ہو سکتی ہے آپ نے کبھی زبردستی دودھ ہم کو نہیں پلایا"۔

"آپ بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں اگر آپ ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کہہ دیا ہوتا"۔

"کیا انیلا بچی ہے جسے آپ زبردستی دودھ پلانے جاتی ہیں اگر اسے ضرورت ہوا کرے گی تو خود پی لیا کرے گی۔ یا پھر آپ کہہ سکتی ہیں کہ دودھ پی کر سویا کرو"۔

"میرا دودھ دینے کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ بچوں کو عادت پڑ جائے۔ زیادہ زیادہ کچھ دن اور دوں گی پھر ہی انہیں عادت پڑ جائے گی"۔

"حق نواز بھی دودھ لے رہا یا نہیں؟"

"تین دن زبردستی پلایا تو پیٹ خراب کر بیٹھا اسے ہضم نہیں ہوا البتہ انیلا پی رہی ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارا خیال ہے آپ اب بس کریں وہ خود ہی لے لیا کرے گی۔ پتہ نہیں
بات ہے آپ ہمیں دودھ دیتی اچھی نہیں لگتیں"۔

"کیا واقعی؟" بیگم شاہ کا انداز مصنوعی تھا۔

"آپ کو محسوس نہیں ہوتا"۔

"نہیں تو بلکہ ایک روحانی خوشی کا احساس ہوتا ہے اور پھر شاید جو دونوں
میں تھوڑی بہت میری طرف سے رنجش پیدا ہوئی تھی اس کی وجہ سے بھی ایسا
ہوں"۔

"بہت اچھا کرتی ہیں آپ۔ لیکن ہمیں اچھا نہیں لگتا کہ آپ انیلا کو خود
دینے جائیں"۔

"بہتر ہے۔ کل سے اسے کہہ دوں گی کہ اب تم بچی بھی نہیں ہو کہ میں تمہیں
روزانہ دودھ دینے آیا کروں۔ خود ہی پی لیا کرو"۔

"بالکل یہی ہم چاہتے ہیں"۔ کرنل شاہ مسکرائے۔

اور بیگم شاہ بھی مسکرا دیں۔ وہ کافی حد تک نارمل ہو چکی تھیں۔

دوسری رات ٹھیک نو بجے جب وہ انیلا کو دودھ دیا کرتی تھیں' خالی ہاتھ گئی
تھیں۔

"انیلا بیٹی"۔

"جی"۔ وہ بڑی انکساری سے بولی تھی۔

"تمہارے کرنل صاحب فرماتے ہیں کہ انیلا بیٹی بچی نہیں ہے لہٰذا وہ خود رات
بجے دودھ لے کیا کرے اور میرا بھی خیال ہے کہ اب تمہیں عادت پڑ گئی ہو گی۔
دودھ پی لیا کرو گی"۔

"جی بہتر میں خود شرمندہ ہوتی رہتی ہوں لیکن آپ کی محبت دیکھ کر بول نہیں
پاتی تھی"۔

بیگم شاہ مسکرائی تھیں اور بولیں۔

"چلو اٹھو کچن میں جاؤ اور دودھ لے آؤ۔ شاباش حق نواز تو ایک دم نالائق بچہ

ہے۔ اسے صحت کا ذرہ بھر بھی احساس نہیں"۔

"ماں جان مجھے دودھ ہضم نہیں ہوتا اب بچپن میں بھی زور دیا کرتی تھیں لیکن
ہمیشہ میرا پیٹ خراب ہوا"۔ حق نواز مسکرایا۔

"چلو اٹھو اور کچن میں جاؤ"۔ بیگم شاہ انیلا سے بولیں اور انیلا جو کوئی میگزین
پلٹ رہی تھی' تھم گئی اور بیڈ روم سے باہر نکل گئی۔

"سنو حق نواز! اپنی بیوی کو دودھ وقت پر پلا دیا کرو"۔

"بہت بہتر ماں جان"۔

"ٹھیک ہے آرام کرو"۔ وہ اتنا کہہ کر بیڈ روم سے نکل گئیں اور حق نواز ماں
کی محبت دیکھ کر اور خاص طور پر انیلا پر اس قدر مہربان رہتے دیکھ کر بہت مسرور رہتا
تھا۔ جب انیلا آئی تو اس کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔

"میں آج دودھ نہیں پیوں گی حق نواز"۔

"وہ کیوں؟"

"دودھ پی کر میرا ذہن بھاری ہو جاتا ہے۔ عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے"۔

"تم نفسیاتی مریضہ بنتی جا رہی ہو۔ ماں جان تمہیں قبول کر چکی ہیں۔ تمہارا اس
قدر خیال رکھتی ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اس دودھ میں کوئی تعویز دھاگہ نہیں۔
اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو ان کا رویہ اس قدر مربیانہ اور اپنائیت نہ لئے ہوتا۔ یقین جانو
وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں"۔

"میں تمہیں کئی بات کہہ چکی ہوں حق نواز کہ میں دودھ نہیں پیوں گی کم از کم
آج تو مجھے مت پینے دو"۔

حق نواز نے پہلی بار اسے گھورا تھا اور بولا تھا۔

"ماں جان پر شک کرتی ہو"

"شک کی بات نہیں حق نواز۔ دودھ پی کر میرا سر بھاری ہو جاتا ہے۔ جیسے والیم
فائیو کھالی ہو"۔

"دراصل تم نے شروع دن سے ہی ماں جان کو قبول نہیں کیا۔ تم وہم کا شکار ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی ہو اور میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں"۔ حق نواز کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔ اور انیلا نے بڑی بے بسی کے عالم میں نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا تھا۔ پھر اس نے مترحم نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا اور دودھ کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ حق نواز نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"وہم نکال دو۔ ماں جان ہر روز دودھ پر دم جھاڑا نہیں کروا رہیں۔ ایک کام کرو اس دودھ کو کسی عامل کے پاس لے جاؤ۔ ان سے معلوم کرو کہ اس دودھ پر کوئی جادو ٹونہ تو نہیں کیا گیا"۔

"یہ کام تم کر سکتے ہو کہ اس دودھ کو کسی لیبارٹری میں چیک کرو"۔ انیلا بے بسی سے بولی۔

"ہوش میں تو ہو"۔ حق نواز تپ گیا۔

"میں تمہیں سچ کہہ رہی ہوں حق نواز۔ اس دودھ کو کسی لیبارٹری سے رپورٹ لو۔ اگر رپوٹ درست آ گئی تو یقین کرو میرے ذہن سے شک و شبہات نکل جائیں گے"۔

"چلو تمہیں مطمئن کرنے کے لئے یہ بہتر حل ہے"۔

اور انیلا حق نواز کے سینے سے لگ گئی۔

دوسری رات پونے نو بجے بیگم شاہ کھڑکی کا پٹ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کی نگاہیں کچن کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ کرنل ان کی پشت پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان کا ہاتھ میں ریڈر ڈائجسٹ تھا جو کچھ دیر پہلے پڑھ رہے تھے۔ وہ نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ ان کی بیوی کھڑکی کا پٹ کیوں کھولے کھڑی ہیں۔ وہ اس کی اضطراری کیفیت کو بھی بھانپ تول رہے تھے اور بیگم شاہ نے جب انیلا کو کچن کی طرف بڑھتے دیکھا تو ان کی آنکھیں اس پر جیسے جم کر رہ گئیں ہوں۔ کچھ دیر بعد انیلا کو دودھ گلاس لئے کچن سے باہر آتے دیکھا تو انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔ پھر جیسے ہی وہ مڑیں کرنل مسکرا کر بولے۔

"خیریت ہے بیگم؟"

"جی سب خیریت ہے بہو کو چیک کر رہی تھی کہ آیا وقت مقررہ پر دودھ لیتی ہے یا نہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سعادت مند بچی ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ ان کے پہلو میں آ کر نیم دراز ہو گئیں اور کرنل نے مسکرا کر ڈائجسٹ کے ورق الٹنے شروع کر دیئے۔

اور دوسری طرف انیلا دودھ کو گھور رہی تھی۔

"دودھ کے اندر تمہیں کیا نظر آ رہا ہے جان"۔

"دعا کرو میرے خدشات بے بنیاد ہوں"۔ انیلا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تمہارا وہم دور کرنے کے لئے میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ کم از کم تم پرسکون ہو جاؤ گی"۔

"تو پھر اس دودھ کو محفوظ کر لیں اور سیر کرنے کے بہانے کسی قریب ترین لیبارٹریز کو دے کر رپورٹ حاصل کر لیتے ہیں"۔

"یہ کام صبح کریں گے"۔

"نہیں۔ ابھی کریں گے۔ صبح کا انتظار نہیں ہو سکتا۔ رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ ہاں حق نواز۔ میں پوری رات اذیت میں رہوں گی"۔

"چلو اٹھو"۔

"اور یہ دودھ کسی شاپر لفافے میں ڈال دو"۔

"چلو اٹھو"۔ حق نواز اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد دونوں گاڑی لئے باہر نکل رہے تھے۔ سروسز ہسپتال کے سامنے ایک ڈبل اے لیب کے حوالے انہوں نے دودھ کر دیا اور آدھے گھنٹے کے اندر رپورٹ مانگ لی۔ حق نواز انیلا کو لئے ایک قریبی ریسٹورنٹ میں آ گیا۔

"آئس کریم چلے گی"۔

"نہیں چائے۔ میرا جسم پہلے ہی سرد ہو رہا ہے"۔

"کیوں سرد کیوں ہو رہا ہے؟"

"خوف۔ رپورٹ کا خوف طاری ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایزی لو۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ خوف کیسا"۔

"فرض کرو حق نواز اگر دودھ میں کچھ ہوا تو"۔

"ڈاکٹر یہ تو بتانے سے رہا کہ اس میں کتنے تعویز ڈالے گئے ہیں"۔

"یہ بات نہیں جان۔ مجھے زہر کا خطرہ ہے"۔

"تمہارا ذہن خراب ہے۔ تم وہم کا شکار ہو۔ ابھی آدھے گھنٹے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

حق نواز نے ویٹر کو چائے لانے کا کہہ دیا۔ چائے آنے تک دونوں خاموش رہے۔ جب ویٹر چائے کے برتن رکھ گیا تو انیلا نے چائے بنانا شروع کی تو حق نواز نے خاص طور پر اس بات کو محسوس کیا کہ انیلا کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ تب اسے احساس ہوا کہ انیلا بہت زیادہ نروس ہے۔ شاید کسی غیر متوقع رزلٹ کے سامنے آنے سے خوف زدہ تھی۔ چائے کا کپ لیتے وقت اس نے انیلا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور بولا۔

"میں کہتا ہوں کچھ نہیں ہو گا۔ آج رات زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہو گا ہر قسم کے اندیشوں اور وسوسوں کے بغیر۔ تمہارے تمام خدشات ختم ہو جائیں گے"۔

"خدا کرے"۔ انیلا کا کپ ساسر پر لرز کر بج اٹھا تھا۔ اور ایک بار پھر حق نواز چونکا۔ اور انیلا کپ پر نظریں جھکا گئی۔ چائے ختم کرنے کے بعد حق نواز اٹھ گیا۔

"تم بیٹھو میں رپورٹ لے آؤں"۔

"مم.... میں بھی ساتھ چلوں گی"۔

"اعتماد نہیں ہے کیا؟"

"مجھے ساتھ لے چلو حق نواز۔ میں بہت نروس ہوں"۔

"چلو آؤ"۔

اور انیلا جب اٹھی تو لڑکھڑا گئی تب آگے بڑھ کر حق نواز نے اسے سہارا دیا اور جیب سے پیسے نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ وہ لیب تک چلے آئے۔ اور انہیں رپورٹ مل گئی۔ حق نواز نے رپورٹ نہیں پڑھی اسے جیب میں ڈال لیا تھا۔

"پڑھ تو لو"۔

"میں اپنے ایک جاننے والے ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں تاکہ وہ رپورٹ پڑھ لے"۔

"ڈاکٹر کیوں"۔

"تاکہ تمہیں مطمئن کر سکوں"۔

انیلا خاموش ہو گئی تھی۔ اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد دونوں ڈاکٹر زبیر کے سامنے موجود تھے اور ڈاکٹر زبیر رپورٹ پڑھ کر کرسی کی پشت سے ٹک چکے تھے۔

"ہوں زبیر! اس رپورٹ میں کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں میری بیوی کو بتا دو یہ بہت پریشان ہے"۔

"آپ بھابھی کتنے عرصے سے دودھ استعمال کر رہی ہیں"۔

"جب سے شادی ہوئی ہے تقریباً دو ماہ ہونے کو آئے ہیں"۔ انیلا آہستہ سے بولی۔

"ہوں.... تو اب آپ دودھ نہیں پئیں گی اور میں آپ کو دوائیں لکھ کر دے دوں آپ انہیں پورا ہفتہ استعمال کریں گی اور پھر دو دن بعد آپ بلڈ چیک کرا لیں"۔

"اس رپورٹ میں کیا ہے ڈاکٹر"۔ حق نواز نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"سنکھیا.... دودھ میں سنکھیا ہے"۔

"نن.... نہیں۔ حق نواز غیر ارادی طور پر کرسی سے اٹھ گیا اور انیلا بے جان سی پھر کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

ڈاکٹر کے آفس میں ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔ حق نواز جو اضطراری کیفیت کے تحت کرسی سے اٹھا تھا پھر جیسے بے جان ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ پولیس کیس ہے میرے دوست۔ کسی کو قتل کرنے کی سازش ہے۔ کون ہے جو انہیں دودھ پلا رہا ہے"۔ ڈاکٹر باری باری دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ہم چلتے ہیں دوست۔ آپ انیلا کو دوائیاں لکھ دیں۔ ویسے انہیں جان کا خطرہ تو نہیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مکمل چیک اپ' پھر رپورٹس دیکھیں گے کہ جسم کے اندرونی نظام کو کس قد
نقصان پہنچا ہے اور پھر کیا تدبیر کی جا سکتی ہیں۔ کل آ جائیے بھابھی کے تمام ٹیسٹ
لئے جائیں گے جو دوائیاں لکھ کر دے رہا ہوں انہیں ہر حالت میں استعمال کرنا ہے"۔

حق نواز نے انیلا کی طرف دیکھا جو ابھی تک آنکھیں بند کئے ہوئے کرسی کی
پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔

"کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹری نسخہ لے کر قریبی میڈیکل سٹور سے دوائیاں لے کر گھ
آ گئے تم اس قدر نروس کیوں ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ حق نواز انیلا کو اس قد
سنگین حد تک چپ پا کر بول پڑا۔ انیلا اس وقت بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی اور چھت
نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"انیلا۔ بولو۔ جواب دو۔ کیوں اس قدر خاموش ہو"۔

"ہم واپس اپنے چھوٹے سے گھر میں چلیں گے۔ میں اب یہاں نہیں رہ
سکتی"۔ انیلا کے ہونٹ لرزے۔

"جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گا۔

"ماں جان نے ایسا کیوں کیا؟" وہ جیسے اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہو۔

"ہم ان سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ بلکہ یہ گھر چھوڑ دیں گے یہی سزا ان کے
لئے کافی ہے۔ میں کل تمہارا مکمل چیک اپ کراؤں گا۔ علاج کراؤں گا۔ تمہیں کچھ
نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری بیوی ہی نہیں محبوب بھی ہو۔ میں نے تم سے محبت کی
ہے اور محبت صرف جسموں کا ملاپ ہی نہیں ہوتا اس کا تعلق روح سے بھی ہوتا ہے۔
اس لئے گھبراؤ مت تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ ہم دونوں ایک اچھی زندگی
گزاریں گے۔ بابا جان کو کچھ نہیں بتائیں گے ورنہ انہیں بہت دکھ ہو گا۔ بس صبح چلے
جائیں گے"۔ اتنا کہہ کر حق نواز اس کے برابر لیٹ گیا اور انیلا کو بانہوں میں بھر کر سینے
سے لگا لیا۔

دوسری دن وہ خاموشی سے بغیر کچھ کہے کسی کو کہے گھر چھوڑ آئے۔ حق نواز نے انیلا
کا مکمل چیک اپ کروایا۔ جب رپورٹس تیار ہوئیں تو ڈاکٹر انیلا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بھابھی آپ کی جان کو تو کوئی خطرہ نہیں البتہ آپ شاید اب زندگی بھر ماں نہ
بن سکیں"۔

ڈاکٹر کے الفاظ کیا تھے جیسے انیلا کے کانوں میں بارود اتر گیا ہو اس کا پورا وجود
لرز اٹھا۔ اس کے ہونٹ کانپے تھے۔

"نن.... نہیں"۔

"زہر دینے والے کو شاید آپ کی جان لینا مقصود نہیں تھا۔ آپ کو بے اولاد
رکھنا مقصود تھا"۔

حق نواز انیلا کے بے جان سے وجود کو سہارا دیئے گھر لوٹ آیا تھا۔ اور وہ پھٹ
پڑی تھی۔

"جان سے لیتی تمہاری ماں جان تو دکھ نہ ہوتا لیکن میری کوکھ کو ایک گالی بنا کر
رکھ دیا۔ یہ کیسا انتقام لیا ہے انہوں نے۔ کیا کوئی عورت اس حد تک بھی بڑھ سکتی ہے
حق نواز؟"

"جو ہونا تھا ہو گیا۔ اولاد بھی ہو گی تم فکر نہ کرو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ پاک
ذات بہت بڑی ہے"۔

"ہم.... میں برباد ہو گئی ہوں حق نواز۔ دوسری بار برباد ہوئی ہوں۔ پہلے درندوں
نے لوٹا اب اپنوں نے لوٹ لیا اور پھر ایسی زمین کا کیا فائدہ جو بنجر ہو۔ بانجھ ہو۔ فصل
نہ دے سکتی ہو ہریالی پیدا نہ کر سکتی ہو۔ اگر میں ماں نہیں بن سکتی تو کیا آخری دم تک
اپنی لاش گھسیٹتی رہوں گی۔" انیلا بلک پڑی تھی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ اس دنیا میں ایک تم ہی تنہا
لڑکی نہیں ہو جو اس قسم کے حادثے سے دوچار ہوئی ہے ایسے حادثوں سے اخبارات
بھرے رہتے ہیں اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم
سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے اولاد نہیں چاہیے۔ بس تمہاری ضرورت ہے۔ محبت دنیا
میں ہی جنت تعمیر کرتی ہے۔ ہم لوگ گھر چھوڑ آئے۔ اب یہ میں تمام رپورٹیں ماں
جان کو دے آؤں گا"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انیلا نے چونک کر شوہر کی طرف دیکھا اور بولی۔

"فائدہ کیا ہو گا۔ وہ مجھے شکست دے چکیں۔ انہوں نے ہارنا سیکھا ہی نہیں۔ میری جیتی ہوئی محبت کی بازی کو انہوں نے شکست میں بدل دیا۔ میں شروع دن سے مطمئن نہیں تھی۔ میں تمہیں کہتی رہی لیکن تم ایک ہی بات پر اڑے رہے کہ تمہاری ماں مجھے قبول کر چکی ہے۔ ایسی عورتوں کی فطرت کو بہت پڑھا ہے میں نے۔ میں ان کے دودھ پلانے سے خوف زدہ تھی جانتی تھی کہ اس میں کچھ ہے مجھے آہستہ آہستہ مارا جا رہا ہے۔ اف میرے خدا۔ تمہاری ماں جان کس قدر بھیانک دل رکھتی ہیں۔ میری کوکھ ہی اجاڑ ڈالی"۔

"مجھے احساس ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی۔ لیکن جاناں اب اگر اس دکھ کو روتے رہیں گے تو بقیہ زندگی کیسے کٹے گی اور پھر تم ہی جیتی ہو تم نے ایک ماں سے اس کا اکلوتا بیٹا چھین لیا ہے کیا یہ جیت نہیں ہے"۔

"دل کو سمجھانے والی بات ہے حق نواز۔ بچوں کے بغیر پہاڑ جیسی زندگی کیسے کٹے گی؟"

"ایسے کہ میرا ایمان ہے کہ قدرت ہمیں اولاد جیسی نعمت سے خود نوازے گی اور اگر خدانخواستہ اولاد نہ ہوئی تو دوسروں کی اولاد گود لے لیں گے۔ ہم اس نعمت سے محروم نہیں رہیں گے"۔

"اپنی اولاد اپنی ہوتی ہے حق نواز۔ بچوں کی طرح بہلا رہے ہو مجھے"۔

"بہلا نہیں رہا یہ حقیقت ہے کہ بے اولاد حضرات دوسروں کی اولاد گود لیتے ہیں۔ اور پھر تم اس قدر مایوس کیوں ہو؟ خدا پر یقین رکھو"۔

اور انیلا نے بڑی بے بسی کے عالم میں اپنا سر حق نواز کے سینے پر رکھ دیا۔

سندی پور کی زمینوں کو دوڑتی ہوئی پولیس جیپ جب حویلی کے دروازے پر
تو جیراں' زیبا انوار اور فراز کا وجود تن گیا۔ وہ تینوں موت کے منہ میں چلے آئے
۔ اور اس بات کا انہیں احساس تھا کہ موت ان کا مقدر ہے لیکن وہ عزت کی موت
چاہتے تھے اور خان آفریدی سے کوئی اچھی توقع نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زیبا انوار
جیراں بہت زیادہ تن گئی تھیں۔

"چلو اترو"۔ بڑا درشت لہجہ تھا۔

اور وہ تینوں تن بہ تقدیر جیپ سے اتر آئے۔ جیپ حویلی کے اندر کھڑی تھی
تہہ خانے میں اتارا گیا تھا۔ اور یہ خفیہ تہہ خانہ جیراں کے علم میں بھی نہیں تھا
ماں کے ساتھ تمام عمر اس حویلی میں کام کرتی رہی تھی اور پھر تہہ خانے کا
بند کر دیا گیا۔ اب وہ تنہا تھے۔ تب تینوں نے ایک دوسرے کی طرف بڑی بے
سے دیکھا۔

"زیادہ سے زیادہ مار ڈالیں گے۔ اس سے زیادہ ان کے اختیار میں نہیں۔ پھر
گیا؟" فراز نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"موت سے نہیں ڈرتی۔ کون ڈرتا ہے موت سے۔ کیوں جیراں کیا تم ڈرتی
زیبا انوار مسکرائی۔ بڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

"نہیں باجی! میں بھی موت سے نہیں ڈرتی۔ بس عزت کی موت چاہتی ہوں اور
آفریدی سے یہ امید نہیں۔ اس تہہ خانے میں رکھ کر اگر بھوکا پیاسا مارنا مقدر
تب بھی پروا نہیں۔ لیکن بے لباس ہو کر کھتیوں میں دوڑنا پسند نہیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہی ڈر مجھے ہے"۔ زیبا انوار زہریلے انداز میں مسکرائی۔

فراز نے دونوں کی طرف باری باری دیکھا اور بولا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اسرار احمد صاحب کو علم ہو گیا ہو گا اور مجھے ا
ہے کہ وہ فوری طور پر ندی پور کا رخ ہی کریں گے"۔

"جھوٹی آس مت دلاؤ فراز۔ میرا خیال ہے پوری حویلی خالی ہے اور ہم ا
جگہ پر قید ہیں جہاں پولیس نہیں پہنچ سکتی"۔

"ناامیدی خدا کو پسند نہیں اور پھر کفر بھی ہے۔ قدرت کوئی راستہ نکال د
گی"۔

"اس قدر سپاٹ دیواریں ہیں کہ وحشت ہونے لگی ہے کیا آکسیجن تو کم ہو
پڑ جائے گی کیونکہ نہ کوئی روشندان ہے' اور نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ جس سے ہوا کا گز
ہو۔ صرف ایک بلب ہے جو چھت کے وسط میں اس قدر اونچائی پر ہے کہ انسا
خودکشی کرنا چاہتے تو نہیں کر سکتا"۔

"آپ درست فرماتی ہیں مادام۔ یہ تہہ خانہ ہر طرف سے محفوظ ترین ہے لیکن
اس کے باوجود ہم لوگوں کو یہاں سے نکلنا ہے"۔

اور زیبا انوار نجانے کیوں مسکرا دی اور جیراں ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"تمام زندگی اس حویلی میں کام کیا ہے جس ڈرائنگ روم سے ہوتے ہوئے
تہہ خانے میں اترے ہیں ہر دوسرے دن اس کی صفائی کرتی تھی۔ لیکن کتابوں کی ا
بڑی الماری کے پیچھے راستہ ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا"۔

"کیا خیال ہے فراز حویلی خالی ہو گی یا کچھ لوگ ہوں گے"۔ زیبا انوار بولی۔

"میرا خیال ہے ہمارے علاوہ یہاں جاندار شے موجود نہیں"۔ فراز بڑے و
سے بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کیوں کہ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حویلی زیر استعما
نہیں۔ اگر پولیس زبردستی اندر داخل بھی ہوتی تو انہیں پوری حویلی ویران ملے گی ا
خان آفریدی اپنی فیملی کے ساتھ شہر میں ہو گا"۔

آپ درست فرماتی ہیں مادام اور اگر ایسا ہے تو ہم لوگ بھوکے پیاسے مر
ئیں گے"۔

"یہ موت بھی عزت کی ہو گی کم از کم بے آبرو ہونے سے بچ جائیں گے"۔

"آپ کو موت سے بہت پیار ہے مادام۔ کیا آپ کو خوف نہیں آتا؟" فراز
طرایا۔

"موت کوئی خوفناک شے نہیں رہ گئی میرے لئے۔ جس وقت تین درندے
ی باری میرا گوشت نوچ رہے تھے اور وڈیو بنا رہے تھے اس وقت میں ہر گزرنے
ی ساعت اور ہر گزرنے والا لمحہ مر رہی تھی اور سانس لے رہی تھی میں تو اسی دن
گئی تھی یہ تو میری لاش کو گھسیٹ رہے ہیں اور سزا دے رہے ہیں۔ کس قدر بے
ف ہیں یہ سب"۔

"لیکن مادام وہ ایک حادثہ تھا اور حادثوں سے زندگی عبارت ہوتی ہے ہر چوتھا
یں اور دسواں گھر اس قسم کے حادثے کی وجہ سے ماتم کناں ہے اور زندگی اس قدر
یں نہیں کہ زندگی کے کسی حادثے کا ماتم کرتے گزار دیں۔ ہم لوگوں نے آخری
ں تک جدوجہد کرنا ہے مادام اور پھر زندگی کی رفاقتوں سے دامن بھرنا ہے"۔

زیبا انوار عجیب سے انداز میں مسکرائی پھر اس نے جیراں کی طرف دیکھا اور

"کیوں جیراں؟ کیا فراز درست کہتا ہے؟"

اور جیراں نجانے کیوں مسکرا پڑی اور بولی۔

"زندگی اگر زندگی رہے تو پیار کرنے کو دل چاہتا ہے اور جینے کی آرزو پیدا ہوتی
ور اگر زندگی عذاب بن جائے تو پھر موت بہتر ہے لیکن موت کو خوبصورت اور
ں ہونا چاہیے"۔

"اوہ۔ شاندار"۔ زیبا انوار مسکرائی اور پھر مزید بولی۔

"جیراں! گھبراؤ نہیں۔ اس قدر بے بسی سے نہیں مریں گے"۔

"آخر آپ مرنے کی باتیں کیوں کرتی ہیں جینے کی بات کیوں نہیں کرتیں"۔ فراز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیراں کو گھور کر بولا۔

"تمہیں زندگی سے بہت پیار ہے کیا؟" زیبا مسکرائی۔

"پہلے اس قدر نہیں تھا۔ اب ہو گیا ہے۔ آپ سے زیادہ قیمتی اور پروقار
مجھے ملی نہیں تھی اب جبکہ ہم موت کے منہ میں بیٹھے ہیں میں اعتراف کر لیتا ہوں
میں مادام کو پیار کرتا ہوں"۔ اتنا کہہ کر اس نے سر جھکا لیا اور تہہ خانے میں ایک
سناٹا چھا گیا۔ جیراں' زیبا انوار کی طرف دیکھ رہی تھی اور زیبا انوار فراز کے چہرے
نظریں جمائے ہوئے تھی اور وہ بہت سنجیدہ تھی اچانک اس نے ہونٹوں کو حرکت دی۔

"فراز!"

"جی مادام!"

"کتنا چاہتے ہو مجھے؟"

"بہت زیادہ۔ اگر زندگی نے وفا کی تو آپ کی پرستش کرتا رہوں گا مادام"۔

"اب مادام مت کہنا مجھے نام سے پکار لیا کرو"۔

"شکریہ مادام"۔

"پھر مادام؟"

"آپ کو نام سے نہیں بلا سکتا۔ دیویوں کے نام نہیں ہوتے۔ آپ میرے لئے
ایک دیوی ہیں اور دیویوں کی صرف پرستش کی جاتی ہے"۔

"یہ محبت کب ہوئی تمہیں؟"

"جب آپ نے میری بہنوں کو بیاہنے کے لئے رقم دی تھی۔ اسی دن سے
پرستش کر رہا ہوں آپ کی"۔

"پتہ ہی نہیں چلا فراز.... لیکن"۔

"لیکن کیا مادام؟" وہ جیسے بے قراری سے بولا ہو۔

"جب موت' زندگی کے دروازے پر دستک دے چکی ہے تو تم نے۔ میرے
مطلب ہے کیا تم بہت لیٹ نہیں ہو گئے"۔

"محبت کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مادام۔ اظہار اس لئے کر دیا کہ
جو لمحات ہیں یہ اپنے ہیں۔ محبت کے لئے بھی کافی ہیں۔ آیئے اپنی نگاہوں کا پیار
میں اپنی نگاہوں کا آپ پر نچھار کر دوں گا اور پھریوں ہم دونوں کی کہانی مکمل ہو
ئے گی"۔

"آہ.... فراز.... کوئی مجھے اس طرح بھی چاہے گا اور وہ بھی موت کے منہ میں
کر تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں بدنصیب تو اپنے ہی زخم چاٹتے چاٹتے مرتی جا
نا تھی"۔

"آپ بہت عظیم ہیں مادام۔ آپ حوصلہ نہ ہاریں میں آپ کے ساتھ ہوں۔
تھوڑی سی ہمت کریں اور آنکھوں کی چمک کو ماند نہ پڑنے دیں۔ کیونکہ راستہ
ٹا نہیں ہوا۔ زندگی کے لئے جدوجہد کی جا سکتی ہے اور اگر موت ہی مقدر ہے تو پھر
ٹوں کی مسکراہٹ کو زندہ رہنے دیں۔ یہ گزرنے والے لمحات ہی ہماری زندگی
"۔

"قریب آؤ فراز۔ میرے بہت قریب آ جاؤ اور مجھے پیار کرو۔ پیار کرنا اب
را حق ہے اور یہ حق میں تم سے چھیننا نہیں چاہتی۔ اتنا کہہ کر زیبا انوار نے
میں بند کر لیں اور فراز اٹھ کر قریب چلا آیا۔ اس نے زیبا کو اپنی گود میں لٹا لیا تھا
س نے جھک کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا اور زیبا انوار نے آنکھیں بند کر لی
۔ فراز اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر ایسے ہی موت آ جائے تو کس قدر خوش نصیب کہلائیں گے۔ کیوں جیراں
؟" فراز نے جیراں کو مخاطب کیا جو بڑے والہانہ انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مم.... میں آپ دونوں پہ قربان ہونا چاہتی ہوں میرے بھائی۔ ایسی محبت تو
والوں کا نصیب بنتی ہے"۔ جیراں کی آواز کانپی تھی۔

"سچ کہا تم نے میری پیاری بہن۔ لیکن زندگی سے مایوس نہ ہونا۔ مایوسی خدا کے
کفر ہے"۔ اتنا کہہ کر فراز نے بھی آنکھیں بند کر لیں وہ دیوار سے سے ٹیک
ہوئے تھا۔ زیبا انوار اس کی گود میں سر رکھے اور آنکھیں بند کئے ہوئے تھی۔
موت کے منہ میں بیٹھ کر محبت کے یہ لمحات اس کے لئے امر تھے۔ ایسا سرمایہ تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو اس کی کل پونجی رہی ہو۔ وقت گزر رہا تھا۔ اور زیبا انوار بہت گہری نیند سو گئی تھی۔ البتہ فراز اور جیراں جاگ رہے تھے۔ دونوں کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ رقص کناں تھی۔ فراز نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا تو ایک بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اور تہہ خانے کا واحد بلب روشن تھا۔ وقت بیت رہا تھا۔ اور پھر جیراں بھی سو گئی۔ فراز نے دیکھا اس کے چہرے پر فرحت بخش اطمینان ہے صرف فراز جاگ رہا تھا۔ زیبا انوار فراز کی آغوش کو اپنی آخری پناہ گاہ جان کر پوچھ شن سے بے خبر سو رہی تھی اور فراز زندگی کے ان لمحات کو امر کر لینا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک زیبا انوار نے چار بجے کروٹ بدلنا چاہی تو غیر محسوس انداز میں آنکھیں کھول دیں۔

"میں کتنے گھنٹے سوئی؟"

"پانچ گھنٹے"۔ فراز مسکرایا اور زیبا انوار حیرت سے پلکیں جھپکتے ہوئے فراز کی گود سے اٹھ گئی۔

"تھک گئے ہو گے۔ مجھے خاموشی سے زمین پر لٹا دینا تھا"۔

"یہ کیسے ممکن تھا۔ ایسے لمحے تو مقدر والوں کو ملتے ہیں اور پھر جیراں کو دیکھئے آپ کو سوتا پا کر خود بھی گہری نیند سو گئی"۔

"دیکھو کس قدر اطمینان ہے اس کے چہرے پر۔ جیسے گھر کے بیڈ پر سوئی ہو"۔

"میرا خیال ہے ہم تینوں کو موت سے خوف نہیں آ رہا"۔

"کیونکہ ہر قسم کی اذیت کے لئے ذہن تیار ہے"۔ زیبا انوار بالوں کو ہاتھ سے شانہ کرتے ہوئے بولی۔

"آپ درست فرماتی ہیں مادام۔

"مجھے تمہارا مادام کہنا اچھا نہیں لگتا۔ پیار بھی کرتے ہو اور مادام بھی کہتے ہو۔ زیب کہہ لیا کرو۔ مجھے اچھا لگے گا"۔

فراز نے زیبا انوار کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور بولا۔

"میرے لئے آپ دیوی ہیں بس اور کچھ نہیں۔ ویسے کیا آپ کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو رہا ہے"۔

"ہاں کیوں نہیں۔ یہی بات کہنا چاہتی تھی میں تمہیں۔ کافی شدت سے پیاس محسوس ہو رہی ہے"۔

"اس کا مطلب ہے امتحان شروع ہو گیا ہے"۔ فراز پر تفکر انداز میں مسکرایا۔

"فراز تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو"۔

"ہمت ہی نہیں پڑی مادام"۔

"اب پھر ہمت کہاں سے آ گئی تھی؟"

"اس لئے کہ زندگی ہاتھ سے نکل رہی تھی آنے والے لمحات کچھ اچھے نہیں تھے۔ سوچا کہ دل کی بات کہہ دوں"۔

زیبا انوار جب مسکرائی تو وہ مسکراہٹ ایک فاتح کی تھی۔ دلکش اور دلربا تھی۔ ادھر جیراں نے چونک کر کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیوں نیند پوری ہو گئی؟" زیبا انوار مسکرائی۔

"گلہ خشک ہو رہا ہے باجی"۔ جیراں بھی مسکرائی۔

"ادھر بھی یہی حال ہے جیراں۔ فکر مت کرو۔ سیدھا جنت میں جائیں گے"۔ زیبا انوار مسکرائی۔

"وہاں بھائی فراز کو ستر حوریں مل جائیں گی۔ پھر آپ کا کیا بنے گا باجی؟"

"تمہاری باجی ستر حوروں پر بھاری ہو گی۔ خدا کو کہہ ڈوں گا میرے لئے ایک ہی کافی ہے"۔ فراز مسکرایا۔ پھر چونک کر بولا۔

"کیا ہم لوگ زور زور سے آوازیں نکالیں تو کیا آواز باہر تک جا سکتی ہے"۔

"یقین سے نہیں کہا جا سکتا"۔ جیراں بولی۔

"کیا آوازیں لگانا چاہتے ہو؟" زیبا انوار بولی۔

"پولیس کو حویلی میں ہونا چاہیے"۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھا تھا اور دروازے کے عین پیچھے کر اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ زیبا انوار اور جیراں اسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر دس منٹ بعد فراز رک گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کام تو اچھا ہے لیکن پیاس شدت اختیار کر جائے گی"۔ زیبا انوار بولی۔ فراز آ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"اگر آواز باہر تک گئی ہے تو حویلی خالی ہے۔ اگر کوئی موجود ہوتا تو دروازہ کا سبب ضرور معلوم کرتا"۔

"اس کا مطلب ہے بھوکے پیاسے مرنا ہو گا"۔

فراز نے کوئی جواب نہ دیا۔ دروازہ پیٹنے سے جو طاقت صرف ہوئی اس سے پیاس کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ جسم ہر لحہ بہ لحہ نڈھال ہو رہے تھے۔ کملائے ہوئے چہرے آہستہ آہستہ مرجھا رہے تھے۔ کملا رہے تھے۔ موت کے سائے آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے۔ تینوں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے انہیں کسی غیبی مدد کی آس نہیں ۔ شاید یوں بے بسی سے مرنا ان کا مقدر تھا۔ فراز پھر اٹھا تھا لیکن اس بار اٹھنے میں گرمی نہیں ۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوا پھر دروازے تک پہنچا تھا۔ اور پوری قوت سے پھر اس نے دروازے کو پیٹ ڈالا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ نڈھال ہو کر اپنی جگہ پر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔

"کیوں طاقت صرف کر رہے ہو فراز۔ شاید موت بہت قریب آ چکی ہے"۔ زیبا انوار بے دلی سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بے جان ۔

"آخری سانس تک امید کا دامن نہیں چھوڑوں گا"۔ وہ چڑھی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔

جیراں بے جان ہو کر چت لیٹ گئی جیسے ہمت ہار گئی ہو۔ بھوک سے مزید لڑا جا سکتا تھا لیکن پیاس بہت زیادہ شدت اختیار کر گئی ۔ چوبیس گھنٹے سے بھوکے پیاسے تھے۔ ہونٹ خشک ہی نہیں ان پر آہستہ آہستہ پپڑیاں جم رہی تھی وہ اپنی تازگی اور رس کھو چکے تھے۔ زیبا انوار بھی چت لیٹ گئی ۔

"بب..... باجی"۔ جیراں کے ہونٹ لرزے۔ جیسے وہ دور بہت دور سے بولی ہو۔

"کہو جیراں"۔ زیبا انوار کی آواز بہت مدہم ۔ شاید اس پر غشی طاری ہو رہی

"ہم..... میں..... مر رہی ہوں..... ہم..... میرا سلام لے لو"۔

زیبا انوار نے اپنی بند ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھنے کی ایک ناکام سی کوشش کی فراز زیبا انوار پر جھک گیا۔

"ہمت مت ہارنا مادام۔ ابھی سانس آ جا رہے ہیں۔ آنکھیں کھولو مادام۔ یہ بے سچ ہیں انہیں موت نہیں آئے گی"۔

"تت..... تم بھی میرے پہلو میں لیٹ جاؤ فراز۔ خود فریبی اتنی زیادہ۔ اچھی ں۔ ہوتی"۔

اور تب فراز نے ننگے فرش پر چت لیٹی دونوں خواتین کو دیکھا۔ اس کے اپنے ے پر بے پناہ بے بسی تھی۔

نن..... نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں نہیں مر سکتیں۔ موت نے ان سے کیا ہے۔ اور پھر موت کا ہم لوگوں نے کیا بگاڑا ہے۔

"مادام! دیکھو۔ کیا ہم لوگ پرجلال اور باوقار طریقے سے موت کو آواز دے ہے ہیں۔ ذرا بھر بھی خوف نہیں ہم تینوں کے چہروں پر۔ دکھ اور غم کی کوئی پرچھائیں ر نہیں آ رہی ہم میں سے کسی کے چہرے پر۔ آپ مسکرائیں مادام۔ پلیز مادام۔ یں کھولیں۔ اے جیراں! تم بھی تو آنکھیں کھولو۔ یوں دونوں چپ کیوں ہو گئی ہو۔ تم دونوں مجھے دھوکا کیوں دے رہی ہو۔ نہیں ہم کو موت سے لڑنا ہے۔ ہم نے کسی کچھ نہیں بگاڑا"۔

اور فراز گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے زیبا انوار کے برابر لیٹ گیا۔ شاید وقت موجودہ سچوشن سے لڑتے لڑتے خود بھی تھک گیا تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھ کر زیبا ر کے سینے کی طرف دیکھنے لگا۔ سینے میں ہلکا ہلکا تموج محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پھر ں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے کٹوروں میں لیا۔ پھر آہستہ آہستہ تھا اور اپنے ہونٹ زیبا انوار کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔ اور پھر بڑی آہستگی سے کے برابر لیٹ گیا تھا۔ اور وہ جان گیا تھا کہ موت ان تینوں کو شکست دے چکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل شاہ بہت پریشان رہتے تھے۔ ان کی پریشانی کی وجہ ان کی بیگم بنی تھی جس کی ظالمانہ حرکت سے وہ بیٹے اور بہو سے دور ہو گئے تھے۔ کیونکہ حق نواز نے دودھ میں ملائے جانے والے سنکھیے کی رپورٹس انہیں بھجوا دی تھیں۔ گو کہ انہوں نے کبھی بھی اپنی بیگم سے اس سنگین مسئلے پر بات نہیں کی تھی۔ کوئی عورت اس حد تک نفرت کر سکتی ہے انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جب حق نواز کی بھجوائی ہوئی رپورٹس پڑھتے تو پریشان ہو جاتے۔ گھر میں ہر وقت سناٹا رہتا تھا۔ وہ اپنے گھر کے چھوٹے سے لان میں کرسی ڈالے اخبارات پڑھتے رہتے تھے۔ فوجی حکومت آئے پورے دو ماہ ہو گئے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے فوج پورے ملک میں کرپٹ خاندانوں کا صفایا کرنا چاہتی ہو۔ میاں صاحب پر طیارہ کیس' بغاوت کیس اور کرپشن کے کیس تیار ہو رہے تھے۔ وہ اس وقت بھی لان میں کرسی ڈالے عباس اطہر کے مضمون کو پڑھ رہے تھے اور وہ مضمون کچھ یوں تھا "کس سے منصفی چاہیں"۔

چیف سیکرٹری پنجاب چودھری حفیظ اختر رندھاوا نے فرمایا ہے "مسلم لیگی دور میں اگر پولیس مقابلوں میں 50 افراد ہلاک ہوئے تو 45 پولیس والے بھی مارے گئے۔ جعلی مقابلوں میں پولیس اپنے آدمیوں کو ختم نہیں کر سکتی" انہوں نے یہ بھی کہا ہے "یہ ضروری نہیں کہ جس مقابلے میں کوئی پولیس والا نہ مرا ہو وہ جعلی ہو تاہم ان مقابلوں کی تحقیقات کرائی جائے گی اور میرٹ پر فیصلے ہوں گے"۔

یہ سارے بیورو کریٹس ایک ہی قسم کی ڈائی پر اور ایک ہی قسم کے میٹریل (مٹی پانی اور ہوا سمیت) سے تیار کیے جاتے ہیں اس لیے رندھاوا صاحب سے شکوہ نہیں

کرنا چاہیے۔ یہ نتھا سنگھ اینڈ پریم سنگھ' ون اینڈ دی سیم تھنگ والا معاملہ ہے۔

گزشتہ پونے تین سال میں 991 افراد کی ہلاکت تو ریکارڈ پر موجود ہے۔ خاموشی اور اخبارات کی لاعلمی میں مارے جانے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ بیشتر مقابلے جوڈیشل انکوائری نامی ایک رسم میں جائز قرار دیے جا چکے ہیں اور آثار نظر آ رہے ہیں کہ باقی ماندہ بھی اسی انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ہر حکومت کی طرح شاید اس حکومت کو بھی ایسی پولیس کی ضرورت ہے جو جائز اور ناجائز دونوں قسم کے کاموں میں ماہر ہو۔

چند روز پہلے شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق ص رف مذہبی تنظیموں کے 42 کارکن جعلی مقابلوں میں مارے گئے جن میں سے 18 کا تعلق سپاہ صحابہ اور 24 کا تعلق لشکر جھنگوی سے تھا۔ ریاض بسرا کے نام پر سرگودھا میں 2 بے گناہوں کو قتل کرنے کا واقعہ ابھی اتنا پرانا نہیں ہوا کہ لوگ اس ورندگی کو بھول گئے ہوں۔ لاہور میں آخری مقابلہ 8 اکتوبر کو ہوا تھا جس میں ماسٹر افضل اور حافظ رمضان کو جیل سے نکال کر فجر کے وقت گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔ طاہر پرنس کی والدہ ابھی تک انصاف کے لیے دربدر بھٹک رہی ہے جس کے بیٹے کو ایک ایکٹریس کے تنازع پر انسپکٹری کی رینک کے ایک افسر نے اپنی اتھارٹی پر قتل کر دیا تھا۔ اس دور کے ایس ایس پی نے کارروائی کرنی چاہی تو اس نے یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ مجھے گرفتار کیا گیا تو سارے کارنامے بیان کر دوں گا جو میں نے آپ کے حکم سے انجام دیے تھے۔ مانگٹانوالہ میں 5 بے گناہ لڑکوں کا مقدمہ ابھی تک عدالت میں چل رہا ہے۔ لاہور میں ایک جوڈیشل انکوائری راستے میں انکی ہوئی ہے۔ اس کیس میں ملزم کراچی سے لائے گئے ائرپورٹ سے نکلتے ہوئے ان کی تصویریں بنیں اور اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اگلے روز پولیس نے لاہور کا وقوعہ بنا کر انہیں ہلاک کر دیا۔ انسپکٹر کا بیان عدالتی ریکارڈ پر موجود ہے کہ وہ انہیں کراچی سے لایا تھا۔ تین سگے بھائیوں سمیت 5 افراد کو لاہور سے پکڑ کر شیخوپورہ لے جایا گیا اور بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ ہائیکورٹ کے حکم پر یہ انکوائری لاہور پولیس کے سپرد ہوئی اور وہ اسے پی گئی۔ متعلقہ انسپکٹر کو اس شاندار کارنامے پر ڈی ایس پی بنایا جا چکا ہے۔ تفتیش کرنے والوں نے اس مقدمے کے گواہوں کو دھمکے

دے کر تھانے سے باہر نکال دیا ور وہ اشٹام پیپروں پر لکھے ہوئے اپنے بیانات نوٹ وقت کے دفتر میں جمع کرا کر گاؤں واپس چلے گئے۔ ایک قتل کا میں خود گواہ ہوں اور ایک سال پہلے کا یہ واقعہ اپنے کالم میں بھی لکھ چکا ہوں۔ اس دور میں ذوالفقار احمد چیمہ ایس ایس پی لاہور تھے۔ رات بارہ بجے کے قریب محلے کی ایک خاتون میرے گھر آئی۔ اس نے بتایا "میرے بھائی کو پولیس نے پکڑ رکھا ہے۔ جان بخشی کے لیے صبح سے پہلے پہلے 50 ہزار روپے مانگے ہیں۔ میری ماں اپنے بھائیوں سے پیسے لینے شیخوپورہ گئی ہوئی ہے۔ اسے کل دوپہر کو پیسے ملیں گے۔ آپ سفارش کر کے ہمیں دوپہر تک کی مہلت دلا دیں" میں نے چیمہ صاحب کے پی آر او انسپکٹر خالد مسعود کو فون کیا اور صورت حال بتائی۔ انہوں نے کچھ کرنے کا وعدہ کیا۔ صبح آٹھ بجے اطلاع ملی کہ ملزم پولیس سے "جنگ" کرتا ہوا مارا جا چکا ہے۔ خالد مسعود صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ وہ متعلقہ پولیس سے رابطہ نہیں کر سکے تھے۔

بیشتر پولیس مقابلوں کا حاصل یہ ہے کہ اس سارے کھیل میں بہت سارے پولیس والے لکھ پتی بنے گھروں کے گھر اجڑ گئے عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ حالت یہ تھی کہ میرے بیٹے کے گھر میں ڈکیتی ہوئی حسب معمول ملزموں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ دو اڑھائی ماہ پہلے راوی روڈ پولیس نے مجھے اطلاع دی کہ انہوں نے ایک ملزم پکڑا ہے جس نے اقبال کیا ہے کہ وہ اس ڈکیتی میں شریک تھا۔ بعد کی تفصیلات کے مطابق کئی ماہ پہلے اس وارادات کے دو ملزم گلبرگ پولیس نے پکڑے اور مقابلے میں مار دیے تھے۔ ایک کار کچھ زیورات اور نقد رقم کہاں گئی۔ آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ جس کسی وارادات کے اصل مجرم پکڑے گئے اس میں مال ہضم اور کھیل ختم کر دیا گیا۔ نوے فی صد مقابلوں میں کہانی یہ بنائی گئی کہ پولیس ملزموں کو برآمدگی کے لیے لے کر جا رہی تھی چھڑانے کے لیے ان کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا اور وہ اپنی حمایت میں چلنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ بیشتر لواحقین کو یہ کہہ کر خاموش کرا دیا گیا کہ شور مچایا تو انہیں حملہ آور قرار دے کر گرفتار کر لیا جائے گا۔ غرض یہ ایک موت کا میلہ تھا جو ہر سفاک اور مالی یا انسانی طور پر کرپٹ پولیس افسر اور اہلکار نے جی بھر کے لوٹا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن ماؤں' بیویوں اور بچوں کے پیارے بیگناہی میں مار دیے گئے وہ چیف سیکرٹری صاحب سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں۔

کرنل شاہ نے پر تفکر انداز میں ہونٹ سکیڑے اور بڑبڑائے۔

"خدا کی پناہ۔ یہ حالت ہے عوام کو تحفظ فراہم کرنے والوں کی۔ یہ ادارے کب سدھریں گے۔ یہ فوجی کیا کر رہے ہیں۔ کن کا احتساب کر رہے ہیں۔ کیا صرف پیڈروں کا؟ کیا ان کی نظر تھانہ کلچر پر نہیں پڑ رہی۔ جو باون سالہ تاریخ کے بدنما داغ بنے ہوئے ہیں"۔

"ہیلو کرنل! دوپہر کو اخبار بینی کیوں ہو رہی ہے؟" یہ آواز کیپٹن فیاض کی تھی ور کرنل نے چونک کر اپنے دوست کیپٹن فیاض کو دیکھا اور بولے۔

"کیپٹن! تم آج بغیر اطلاع دیئے کیسے ٹپک پڑے۔ آؤ۔ ادھر ہی کرسی لے لو نا"۔

"کھانا تو ایک دوست کے ہاں کھا آیا البتہ چائے کی طلب محسوس ہو رہی ہے۔ لگے ہاتھوں آپ انیلا بیٹی کو آواز دے دیں"۔

"انیلا بیٹی گھر میں نہیں حق نواز کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہے البتہ تمہاری آمد کی اطلاع تمہاری بھابھی کو ہو گئی ہو گی لہٰذا چائے مل جائے گی"۔

"گھر میں سب خیریت ہے نا کرنل۔ آپ کے چہرے پر کافی تناؤ دیکھ رہا ہوں"۔

"وہ"۔ کرنل شاہ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی اور بولے۔

"تمہارے آنے سے قبل جناب عباس اطہر صاحب کا تجزیہ پڑھ رہے تھے جو عداد و شمار انہوں نے پولیس مقابلوں میں مارے جانے والے افراد کے بارے میں دیئے تھے اور ہم سوچ رہے تھے کہ یہ فوج دو ماہ ہو گئے۔ اس اہم ادارے کی طرف کب رخ کرے گی۔ پونے تین سال میں ۹۹۱ افراد کی ہلاکت تو ریکارڈ پر موجود ہے اور اس کے علاوہ جو خاموش ہلاکتیں ہوئی جن کی سنوائی نہیں ہوئی ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ انسان کو اس خونخوار ادارے سے کب انصاف ملے گا"۔

"شاید یہ آخری موقع ہے کہ فوج اپنا دوسرا ہاتھ اس ادارے پر ڈال دے۔ پولیس کی ریاستی غنڈہ گردی کو یہی لوگ ختم کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی کوئی حکومت اس ادارے کو نہیں سدھار سکتی"۔ کیپٹن فیاض زور دے کر بولے۔

کرنل شاہ نے پر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی پھر انہوں نے اپنی بیگم کے کمرے کی طرف اس خیال سے دیکھا کہ انہیں احساس ہو جائے کہ لان میں ہم تنہا نہیں مہمان بھی موجود ہے اور چائے کی ضرورت ہے۔ پھر بایوسانہ انداز میں انہوں نے شانے اچکائے اور بولے۔

"کیپٹن فیاض پولیس ادارے میں پہلی بار کچھ ہلچل ہوئی ہے کہ پولیس کو ۱۰۰ بچوں کے قاتل کے ایک اہم گواہ اسحٰق بلا کی ہلاکت پر قاتل قرار دے دیا گیا۔ جاوید اقبال کا ساتھی پولیس حراست میں تشدد سے ہلاک ہوا۔ جس پر پہلی بار قانون کو درست طریقے سے استعمال کیا گیا۔ جس پر ڈی ایس پی' طارق کمبوہ۔ شاہد مراد اور کانسٹیبل یاسین کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اور مزید افراد کو شامل تفتیش کیا جا رہا ہے اور اگر ایسے ہی ہر پولیس اسٹیشن پر ایک فوجی کو تعینات کر دیا جائے تو شاید یہ تھانہ کلچر بدل جائے"۔

"آپ درست فرماتے ہیں کرنل صاحب۔ اب یہ ۱۰۰ بچوں کا قتل سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ تیزاب والی کہانی مشکوک ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر روز بچوں کو مارا جا رہا ہے لیکن ارد گرد کے ماحول میں کوئی بو سرانڈ محسوس نہیں کر رہا۔ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہے"۔

"ہاں گڑبڑ تو ہے۔ فوجی حکومت میں یہ واقع خطرناک رخ اختیار کر گیا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد حکومت تہہ تک پہنچے گی کہ اصل کہانی کیا ہے فوج نے اس کیس کو اپنے انداز میں حل کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ لہٰذا اصل کہانی ضرور سامنے آئے گی"۔

کیوں نہیں کرنل شاہ۔ لیکن رفتار سست نہیں۔ دو ماہ گزر گئے۔ لیکن جس تیزی کے عمل کو عوام جان رہے تھے اس لحاظ سے کام نہیں ہو رہا۔ پرویز حمید صاحب نے ایوب خان' یحییٰ خان اور ضیاء الحق کے مارشل لاء اور موجودہ سیٹ اپ پر سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر اور پنجاب کے نئے وزیر قانون ڈاکٹر خالد رانجھا صاحب کے خیالات کو قلم بند کیا ہے۔ بقول ایس ایم ظفر کہ سرد جنگ کے باعث ایوب خان' یحییٰ خان اور

ضیاء الحق کے فوجی اقدام کو امریکی حمایت حاصل ہو گئی تھی اب ایسا ممکن نہیں ہو گا۔ ان کے برعکس موجودہ سیٹ اپ نے کسی سیاسی جماعت کا سہارا نہیں لیا۔ عوام نے جنرل مشرف کے اقدام میں حمایت ہی نہیں کی اسے ایک ایجنڈا بھی دیا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر خالد رانجھا صاحب فرما رہے ہیں کہ ایوب خان' یحییٰ خان اور ضیاء الحق نے اپنی مرضی اور صوابدید پر مارشل لاء نافذ کیا لیکن جنرل مشرف نے فوج کے اجتماعی فیصلے کے تحت اقتدار سنبھالا۔ وہ موجودہ سیٹ اپ کا موازنہ ماضی کے مارشل لاؤں سے نہیں کرنا چاہتے۔ لہٰذا میں یہ اخبار ساتھ لایا ہوں۔ ذرا آپ اس پر نظر دوڑائیں اور میں کچن تک خود جا رہا ہوں آپ کے لئے اور اپنے لئے چائے لا رہا ہوں۔ شاید بھابھی ماحبہ طعام کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ چکی ہیں"۔ اتنا کہہ کر کیپٹن فیاض اٹھ گئے۔ کرنل نے شانے اچکائے تھے اور کیپٹن فیاض کے لائے ہوئے اخبار پر جھک گئے تھے۔

ایس ایم ظفر۔ پاکستان کے معروف دانشور قانون دان اور آئینی ماہر ہیں۔ متحدہ پاکستان کے وزیر قانون بھی رہے ہیں۔ ڈاکٹر خالد رانجھا ممتاز قانون دان اور موجودہ حکومت کے وزیر قانون پنجاب ہیں۔ موجودہ سیٹ اپ کے بارے میں دونوں حضرات کا نقطہ نظر' نذر قارئین ہے۔

س:۔ ظفر صاحب پاکستان میں اس وقت جو فوجی سیٹ اپ کام کر رہا ہے اس میں اور ماضی میں جو مارشل لاء لگتے رہے ہیں۔ کیا ہم ان کے درمیان کوئی موازنہ کر سکتے ہیں؟

ج:۔ سب سے پہلے تو یہ کہ موجودہ سیٹ اپ کسی بڑی جماعت کا سہارا نہیں لے رہا اور اس وقت تینوں بڑی جماعتوں کے سربراہان حکومت کی تادیبی کارروائی کی زد میں ہیں عام طور پر ایسا ہوتا رہا ہے کہ برسراقتدار جماعت تو مارشل لاء کے زیر عتاب آتی رہی ہے لیکن دیگر جماعتیں کسی نہ کسی طور پر مارشل لاء کے قریب پائی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً" 5 جولائی 1977ء کے مارشل لاء کے بعد تمام اپوزیشن پارٹیاں کسی ایک جماعت کی مخالفت کر رہی تھیں اور یہ سب اس وقت کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی کابینہ میں شامل ہو گئیں اور صورتحال اس وقت تک رہی جب تک زیڈ اے بھٹو کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھانسی نہیں چڑھا دیا گیا۔ اس سے پہلے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحییٰ خان نے بھی بہت جلد شیخ مجیب الرحمان اور زیڈ اے بھٹو کی نزدیکی حاصل کر لی تھی اور یہ پہلی بار ہوا ہے کہ موجودہ فوجی سیٹ اپ تینوں بڑی جماعتوں کے خلاف تادیبی کارروائی کر رہا ہے۔ اگر میاں محمد نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مقدمے درج ہیں تو اسی طرح بے نظیر بھٹو کو بھی موجودہ سیٹ اپ نے مفرور قرار دے دیا ہے۔ ایم کیو ایم کے لیڈر الطاف حسین بھی ابھی تک نئے سیٹ اپ میں اپنے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں پا سکے۔ 14 اکتوبر کو میں سپریم کورٹ کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت ہوٹل واپس آیا تو پی پی پی کے تقریباً" ایک درجن مرکزی اور اہم قومی قائدین کھانے کی میز پر اکٹھے اور بڑی خوشدلی سے خوش گپیاں اور قہقہے لگا رہے تھے۔ جب میں قریب سے گزرا تو علیک سلیک کے بعد انہوں نے مجھے بھی دعوت دی کہ میں بھی کھانے میں شریک ہو جاؤں۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے انہیں کہا کہ میرا کسی سے وقت مقرر ہے اس لیے میں نے وہاں جانا ہے۔ لیکن آئندہ جب ایسے ہی کھانے کی کسی میز پر آپ سب اور مسلم لیگی قائدین اکٹھے بیٹھے اپنے مستقبل پر غور و فکر کر رہے ہوں گے مجھے موقع ملا تو میں اس وقت آپ کے کھانے پر ضرور شرکت کروں گا۔

یہ محض میری خوش فہمی ہی نہیں مجھے ایسا ہوتا دکھائی بھی دے رہا ہے ابھی حال ہی میں پی پی کے ایک لیڈر افتخار گیلانی کا ایک حقیقت پسندانہ بیان شائع ہوا ہے کہ مسلم لیگ کے ساتھ مل کر جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کے لیے گفت و شنید ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ میں نے ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ گزشتہ مارشل لاء میں سیاسی جماعتیں شروع میں مارشل لاء کی حمایت اور مخالفت میں منقسم ہوتی رہی ہیں۔ جبکہ نئے سیٹ اپ کے سلسلہ میں ابتداء سے ہی مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس وقت کی تینوں بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین عملاً" اپنی جماعتوں کی قیادت کے لیے موجود نہیں ہیں۔ پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن لندن بیٹھی سیاست کر رہی ہیں۔ جبکہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے اپنے آپ

پر جلا وطنی طاری کر رکھی ہے اور وہ بھی لندن میں بیٹھے سیاست کر رہے ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ کے لیڈر میاں نواز شریف جیل میں ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ جیل سے اپنی پارٹی کی سیاست نہیں چلا سکتے۔ اس طرح تینوں بڑی جماعتوں عملاً" اپنے قائدین کی راہنمائی سے محروم ہیں۔ مگر تینوں پارٹیوں نے یہ جرات نہیں کی کہ اپنے قائدین جو کہ غیر حاضر ہیں کی جگہ قائم مقام سربراہوں کو منتخب کر لیا جائے۔ اس کے برعکس جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران تمام سیاسی پارٹیوں کے قائدین پاکستان میں ہی موجود تھے اور اکثر جماعتوں کے سربراہ خود سیاست میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ یہی صورتحال جنرل یحییٰ کے مارشل لاء کے وقت بھی تھی۔

س :۔ ایوب خان کے دس برس۔ یحییٰ خان کے تین برس اور جنرل ضیاء الحق کے بارہ برسوں کی حکومت نے تجربات اور اس کے بعد کے اثرات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد آپ موجودہ فوجی انتظامیہ یا نئے سیٹ اپ کے بارے میں کیا کہیں گے؟

ج :۔ پہلے مارشل لاء لاؤں کا جو موازنہ ہم نے کیا ہے اس کے بعد میں آپ کو تقابلاً" آپ کو اس نتیجہ پر لانا چاہتا ہوں کہ موجودہ سیٹ اپ کے لیے چیف ایگزیکٹو پاکستان جنرل پرویز مشرف کے لیے یہ فیصلہ دانش مندانہ ہو گا کہ وہ اپنی میعاد کو زیادہ طوالت دینے کی نہ سوچیں ورنہ جس طرح بڑی سیاسی جماعتیں اس وقت اپنی اپنی قیادت سے محروم ہیں اور غیر سیاسی حکومت ملک چلا رہی ہے اس کے نتیجہ میں چھوٹی جماعتوں کی تعداد بڑھ جانے اور ملک میں انارکی بڑھ جانے کے امکانات زیادہ ہیں۔ جو کہ اچھی علامت نہیں ہے۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ تین امور ایسے ہیں جو پہلے مارشل لاء کی فضا اور ماحول میں نہیں پائے جاتے تھے پہلے کا ذکر میں کر چکا ہوں اب دوسری جانب آپ کو لاتا ہوں اور وہ یہ کہ موجودہ سیٹ اپ کو بھی گزشتہ مارشل لاء کی طرح عوام کی تائید و حمایت میسر آئی ہے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مارشل لاء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے اس لیے خاموش انقلاب قرار دیا کہ اس کے خلاف عوام کی طرف سے کوئی احتجاج نہیں ہوا جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء لگانے پر ایوب خان کے خلاف جو تحریک چل رہی تھی اس نے سکھ کا سانس لیا۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کو بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عوام نے پسند کیا اور سکھ کا سانس لیا کہ مارشل لاء نے آکر خانہ جنگی کی فضا جو ملک میں قائم تھی اس سے نجات دلائی اور موجودہ سیٹ اپ کو بھی عوام کی طرف سے بڑی حد تک "جی آیاں نوں" کہا گیا ہے۔ لیکن گزشتہ عوامی تائید اور اس بار کی عوامی تائید میں نمایاں فرق ہے پہلے عوام صرف نئے حاکموں کو خوش آمدید کہتے تھے لیکن اس دفعہ عوام نے ایک ایجنڈا بھی دیا ہے وہ ایجنڈا یہ ہے کہ کرپشن نے ملک کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس کا حساب کیا جائے اور ملک کی دولت لوٹنے والوں سے واپس لی جائے اور انہیں سزا دی جائے۔ جب عوامی تائید کے ساتھ ساتھ ایجنڈا بھی شامل ہو جائے تو پھر نئے سیٹ اپ کی ذمہ داری اور اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ ایجنڈے کو مکمل کرے اور ایجنڈے سے باہر نہ جائے۔ غرض کہ چیف ایگزیکٹو اور ان کے مشیران کا فرض ہو گا کہ وہ عوامی تائید کے خدوخال پر نظر ڈالیں اگر میرا تجزیہ درست ہے تو وہ کرپشن کے ایجنڈے کو اہمیت دیتے ہوئے احتساب کو معقول حد تک مکمل کرنے کے بعد جمہوری نظام کو واپس لانے کا اہتمام کریں۔

س :۔ پاکستان میں پہلے بھی فوجی حکومتوں کا زیادہ سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا گیا مگر اس دفعہ تو بہت سے عالمی اداروں اور بعض ممالک کی طرف سے جمہوریت کی بحالی پر بہت اصرار کیا گیا ہے اور کئی وفود بھی پاکستان آئے اس کی کیا وجہ ہے؟

ج :۔ جی ہاں میں نے آپ سے کہا تھا کہ پہلے اور موجودہ حالات میں تین فرق ہیں۔ وہ فرق میں بیان کر چکا ہوں اور آپ کے سوال کے جواب میں وہ تیسرا نکتہ موجود ہے جو میں بیان کرتا ہوں تیسرا فرق۔ آج کل کے بین الاقوامی "ماحولیات" کا ہے 1958ء سے لے کر 1977ء تک کا بین الاقوامی ماحول وہ تھا جب دنیا دو سپر پاورز کے درمیان تقسیم تھی۔ سپر پاورز غیر جمہوری نظام کو ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک میں برداشت بلکہ بعض دفعہ پسند بھی کرتی تھیں۔ ایوب خان کا مارشل لاء اس وقت کا پسندیدہ مارشل لاء تھا۔ جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء افغان صورت حال جو بعد میں افغان جنگ کی صورتحال میں تبدیل ہو گئی۔ اس جنگ کی وجہ سے برطانیہ اور امریکہ کے لیے بہت ہی محترم تھا۔ مگر یہ عالمی فضا موجودہ سیٹ اپ کے لیے میسر نہیں آج کا بین الاقوامی ماحول

جمہوری رجحانات رکھتا ہے۔ موجودہ سیٹ اپ اس رجحان کے خلاف زیادہ عرصہ غیر جمہوری نظام نہیں چلا سکتا اور اس لحاظ سے بھی یہ مناسب ہو گا کہ عوامی تائید و حمایت اور بین الاقوامی رجحان کے مندرجہ بالا رجحان کی تشریح کے پیش نظر اپنے ایجنڈے کو واضح مختصر اور کم سے کم عرصہ میں مکمل کرنے کی سعی کی جائے۔

میں یہ مانتا ہوں کہ کرپشن نے اس میں بارہ اکتوبر کے مقام تک پہنچا دیا اور پھر اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ کرپشن کے اژدھا کا کم از کم سر کچل دیا جائے یا پھر کم از کم اسے شدید زخمی کر دیا جائے اور موجودہ حکومت اگر ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئی تو مجھے یقین واثق ہے پاکستان کے عوام کا جمہوری مزاج اور پاکستان کی افرادی قوت مل کر اس ملک کو اقتصادی بحالی اور ایک قابل ذکر جمہوری نظام دے سکتی ہے۔

ڈاکٹر خالد رانجھا

س :۔ پاکستان میں پہلے بھی مارشل لاء لگے وہ کیوں لگے تھے اور ان کا ہماری سیاسی و سماجی زندگی پر کیا اثر پڑا؟

ج :۔ ایوب خان کا مارشل لاء یحییٰ خان کا مارشل لاء اور پھر جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء ان مارشل لاء حکومتوں کی ایک اپنی علیحدہ شناخت اور تعریف ہے اور ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ میں ان کے بارے میں مزید کیا کہوں۔ البتہ موجودہ فوجی سیٹ اپ اور سابقہ مارشل لاء حکومتوں میں ایک جنیاوی فرق ہے۔ پہلا مارشل لاء ایوب خان نے لگایا تھا جو اس وقت کمانڈر انچیف تھے۔ دوسرا مارشل لاء جنرل یحییٰ خان نے لگایا اور تیسرا مارشل لاء جنرل ضیاء الحق نے لگایا۔ یہ ایک فرد کا فیصلہ اور ان کی مرضی سے لگایا گیا مارشل لاء تھا۔ مگر موجودہ فوجی سیٹ اپ مارشل لاء نہیں ہے اور سابقہ کا ردعمل ہے یہ جنرل پرویز مشرف کا انفرادی فیصلہ نہیں ہے۔

س :۔ اس کا جواز کس طرح بنتا ہے؟

ج :۔ میں پچھلے تاریخی حوالوں میں پڑنے کی بجائے سابقہ حکومت کی بات اس کی ابتداء سے کرنا چاہوں گا۔ بے نظیر بھٹو کی دوسری حکومت سے بات شروع کریں۔ بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظیر حکومت نے آئین اور جمہوریت کے مروجہ اصولوں کی جب خلاف ورزی کی اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ صدر لغاری نے اس حکومت کو برخواست کر دیا اور اس کے بعد جو عبوری اور نگراں حکومت بنی تو انہوں نے اعلان کیا کہ ہم 90 دن میں الیکشن کرائیں گے تو من حیث القوم ہم یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ہمیں اس وقت انتخابات یا ووٹ ڈالنے کے عمل کی ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو ملک میں احتساب کرے۔ پوری قوم کا مطالبہ تھا کہ سابق چند برسوں میں جس برے انداز میں حکمرانی کے زور پر دھاندلی اور بدعنوانی کی گئی ہے حکومت اعلیٰ سطح پر اس کا احتساب کرے۔ عوام کا مطالبہ اس حد تک تھا کہ ہم دو یا تین برسوں کے لیے انتخابات کا عمل پس پشت ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ نگران حکومت پر بے حد دباؤ تھا کہ وہ پہلے احتساب کر کے بدعنوان لوگوں سے ملک و قوم کی کوئی ہوئی رقم وصول کرے۔ بعد میں ان لوگوں کو طویل عرصہ کے لیے نااہل قرار دے کر پھر انتخابات کرائے جائیں۔ اس دوران تمام انتخابی لیڈروں اور جماعتی سربراہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم احتساب کریں گے۔ نواز شریف نے نعرہ لگایا کہ وہ اور ان کی جماعت مسلم لیگ ملک میں بہت کڑا اور شفاف احتساب کرے گی۔ انہوں نے ذاتی طور پر بھی سخت احتساب کرنے کا وعدہ کیا۔ بے نظیر بھٹو نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ ان کی جماعت ملک میں سخت شفاف اور کڑا احتساب کرے گی۔ علی ہذا القیاس تمام سیاسی جماعتوں اور نمایاں لیڈروں نے قوم کے سامنے وعدے کیے کہ وہ زبردست اور سخت احتساب کریں گے اور ہر سیاسی پارٹی کا یہ ایجنڈا تھا کہ ہم احتساب کریں گے۔ الیکشن ہوا اس میں عوام نے جس قدر گرم جوشی دکھائی وہ آپ کے سامنے ہے یہ 16 فیصد تھی 17 فیصد یا 20 فیصد بہرحال یہ مینڈیٹ احتساب کے لیے تھا۔ ہم نے نگران حکومت کے دوران ایک احتساب ایکٹ نافذ کیا تھا۔ نئے انتخابات کی بنیاد پر فروری 1997ء میں جو حکومت بنی اس نے نگران حکومت کے بنائے ہوئے احتساب ایکٹ کو اس طرح کاٹ دیا کہ گویا درزی کپڑا کاٹ رہا ہو۔ کہ یہ قمیض مجھے کیسے آئے گی۔ ان لوگوں کو نکال دو اس کو نکال دو تاکہ سابقہ حکومت کے ناپسندیدہ اقدامات اور بداعمالیوں کو چھپایا جا سکے۔ یہ سب جس انداز میں ہوا

یا گیا آپ سب کے سامنے ہے اس کا مقصد محض یہ تھا کہ اپنی بداعمالیوں کو چھپایا اور دوسروں کے خلاف زیادہ انتقامی کارروائی کی جا سکے۔ ہر ایک نے ان کے انداز حکمرانی کو دیکھا۔ کوشش یہ تھی کہ اداروں کی بجائے صرف ایک شخص ہی میں تمام طاقت کو مرکوز رکھا جائے۔ اب سب سے پہلے عدلیہ کے معاملے کو لیتے ہیں سابقہ حکومت نے سب سے پہلے چیف جسٹس آف پاکستانؒ کے خلاف ہنگامہ برپا کیا۔ اس نظیر کی مثال کہیں نہیں ملتی کہ حکومت کے ایم این اے' ایم پی اے پارلیمنٹ سے اٹھ کر سپریم کورٹ پر حملہ کر دیں۔ اس سے قبل یہی کام بہاولپور میں ہوا وہاں ہائی کورٹ کے ججوں کو اس طرح خوفزدہ کیا گیا۔ سابقہ حکومت کا یہ رویہ تھا قانونی اداروں اور انتظامیہ کے خلاف پھر بھی انہیں اطمینان نہیں ہوا اس کے بعد جس طرح چیف جسٹس سپریم کورٹ کے خلاف کارروائی کی گئی اس نے یہ ادارہ بالکل ختم ہو گیا۔ پھر کہا گیا کہ میں تو متبادل عدالتیں بناؤں گا۔ مجھے عدالتی نظام پر اعتبار نہیں ہے۔ متبادل عدالتیں بنائیں جن کے خلاف ہم احتجاج کرتے رہے ہم لوگ ان کے خلاف عدالتوں میں گئے اور ان عدالتوں کو بڑی مشکل سے عدالتی دھارے میں لے کر آئے۔ آج ان کی اپنی بنائی ہوئی عدالتوں میں سے ایک میں ان کا مقدمہ چل رہا ہے۔ ان ہی کے مقرر کردہ جج ہیں۔

اب پارلیمنٹ کی طرف آئیں وہاں یہ آئینی ترمیم منظور کی گئی کہ پارلیمنٹ میں جو شخص اپنے ضمیر کے مطابق آواز اٹھائے گا۔ وہ نااہل قرار دیا جا سکے گا۔ اسے محض ربڑ سٹمپ بنا دیا گیا۔ نمائندہ پارلیمنٹ کو محض صفر بنا دیا گیا وہاں محض ایک دھڑا بنا دیا گیا اور اس کے بعد حکومت نے اپنا رخ فوج کی طرف پھیر دیا۔ ایک چیف آف دی آرمی سٹاف کو آپ نے بغیر وجہ بتائے گھر بھیج دیا۔ دوسرا جرنیل جو ہوائی جہاز میں آ رہا تھا اسے جبکہ ابھی وہ ہوا میں تھا کسی بیرون ملک سے آ رہا تھا کہ اسے اپنے ملک میں لینڈ کرنے سے قبل ہوا میں ہی برخواست کر دیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ فوج جو کہ ایک دم اور ملک کی حفاظت اور دفاع کا ادارہ ہے اسے تباہ کر کے ایک اپنی ذاتی فوج کے انداز میں بنا لینے کا انداز تھا۔

اب سول سروٹس کی طرف آئے کسی اعلیٰ ملازم کو کہا گیا کہ تمہیں چھت کے پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکا دیا جائے گا اور سول سروس کو اپنے ہاتھوں میں اس طرح لے کر ذلیل ملازم سمجھ لیا گیا جو کہ نہیں تھے۔ 88 اعلیٰ سول سرونٹ تھے جن کے بارے میں یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ چونکہ ذاتی طور پر ہمیں پسند نہیں اس لیے ان کو او ایس ڈی بنا دیا گیا ان کو تنخواہ دی جا رہی تھی۔ بس وہ کام کوئی بھی نہ کر رہے تھے ان کی جگہ پسندیدہ حکام کر کر رہے تھے اب یہ سب کچھ ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود ان کی خواہش یہ تھی کہ سارے ہر قسم کے کلی اختیارات مجھے دو ایسے اختیارات جو عدالتوں پارلیمنٹ اور متفقہ سے بھی ماورا ہوں اور انتظامیہ سے بھی ماورا ہوں اسے وہ کہتے تھے پندرہویں آئینی ترمیم۔ ملک کے چودہ کروڑ عوام کے بنیادی حقوق بھی وہ خود اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے اس آئینی ترمیم کو قومی اسمبلی سے منظور کرانے کے بعد سینٹ میں اس لیے پیش نہیں کیا جا رہا تھا کہ اسے سینٹ میں اس وقت پیش کریں گے جب وہاں ہماری مکمل اکثریت ہو جائے گی۔ کیا یہ جمہوریت ہے کوئی اسے جمہوریت تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے اور دیکھیں کہ 28 مئی 1998ء کو ہم ایٹمی دھماکے کرتے ہیں اور عوام اس پر خوش ہو رہے ہیں جشن منا رہے ہیں مگر حکومت ایٹمی دھماکوں کے ساتھ ہی قوم کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ آپ لوگوں کے بنیادی حقوق ختم ہنگامی حالات نافذ اور غیر ملکی زرمبادلہ کی صورت میں لوگوں کی رقوم جو حکومت کی گارنٹی کے ساتھ بنکوں میں جمع ہیں کہ یہ جمع کرانے والوں کی امانت ہیں اور یہ محفوظ رہیں گی۔ حکومت ضبط کر لیتی ہے۔

اداروں کے خلاف سابقہ حکومت کا جو تاروا اور غیر جمہوری رویہ تھا اس پر آری کے ادارہ کی طرف پہلی بار احتجاج کیا گیا۔ یہ جنرل پرویز مشریف کی طرف سے اقدام نہیں کیا گیا۔ یہ آری نے ایک ادارہ کی حیثیت سے اقدام کیا ہے۔ اس سے پہلے جنرل ایوب خان نے جو ایکشن کیا تھا یہ ایوب خان کا ایکشن تھا جو انہوں نے یحییٰ خان تک پہنچایا اس کے بعد سول حکومت میں مداخلت جنرل ضیاء الحق نے کی تھی وہ بھی ان کی ذاتی مداخلت تھی۔ مگر آج آری نے یہ مداخلت ایک ادارہ کی حیثیت سے اپنے ادارہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عزت نفس اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے کی۔ یہ ایک ادارہ کی طرف سے اپنے وارہ کو بحیثیت ادارہ باوقار انداز میں قائم رکھنے کی ایک انقلابی کوشش تھی جو کامیاب ئی۔

ن :۔ اس کامیاب کوشش کے بعد فوج کے اس نئے سیٹ اپ کا ایجنڈا کیا ہے؟

:۔ چونکہ باقی تمام ادارے پامال ہو چکے تھے فوج نے جو اپنے آپ کو بحال رکھنے کی کوشش کی جو کامیاب ہوئی۔ اب فوج کا یہ نیا سیٹ اپ ہرگز ہرگز اقتدار پر ہمیشہ قابض ہنے کے لیے نہیں آیا۔ اس تبدیلی کا مقصد اور اس وقت فوج کا ایجنڈا محض یہ ہے ۔ اس ملک میں نظم و نسق کی جو خرابیاں واقع ہو چکی ہیں۔ ایڈمنسٹریشن کا ڈھانچہ تباہ چکا ہے۔ اس بحال کر کے ایک بہتر صورت میں رواں دواں کرے۔ عدلیہ کو ایک رے کی حیثیت سے تباہ کر دینے کے لیے جو اقدامات کیے گئے انہیں ٹھیک کرے ۔ عدلیہ ایک خود مختار ادارے کی حیثیت سے اپنے فیصلے خود کرے۔ مقننہ اسمبلیوں ا جو لوگ آئیں وہ ایسے ہوں کہ کسی کے سامنے ربڑ سٹمپ بننے کی بجائے وہ اپنی فکر ساتھ کوئی اقدامات کر سکیں وہ اپنے پارٹی لیڈر کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے دانہ طور پر عوام کی نمائندگی کر سکیں۔

بد عنوانیوں کے ساتھ ملک کے معاشی ڈھانچے کو جو نقصان پہنچایا گیا ہے اسے ٹھیک جائے ملک کی معیشت کو اس طرح تعمیر کیا جائے کہ ا دوبارہ خراب نہ کیا جا ۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ عوام کو ملک کے ان اداروں پر اعتماد ہو۔ عوام کا انتظامیہ' عدلیہ اور پارلیمنٹ پر بحال کرنا ضروری ہے اور ایک بات یاد رکھیں کہ یت صرف بیلٹ باکس میں ہی نہیں ہے بیلٹ پیکس کے باہر بھی بہت سے کام ہیں جو کرنے سے بیلٹ باکس کا وقار بڑھتا ہے۔ ایک وکیل اور قانون کے طالب کے طور پر ہم ساری عمر جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لیے کام کرتے رہے ۔ سابقہ حکومت نے جمہوری حکومت کہلانے کے باوجود اتنے کام جمہوریت کو تباہ نے کے لیے کیے کہ ہمیں مجبوراً اس کی مخالفت کرنا پڑی۔ آپ خود دیکھیں۔ سابقہ ت کے دور میں سینکڑوں افراد کو ماورائے عدالت قتل کر دیا گیا۔ فرقہ وارانہ

دہشت گردی کے نام پر سینکڑوں افراد قتل ہوئے۔ کیا وہ فرقہ پرست لوگ آج موجود نہیں ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ دو ماہ سے شیعہ اور اہل سنت عوام اکٹھے ہیں۔ اور یہ لوگ صدیوں سے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ بارہ اکتوبر سے قبل ایک ماہ میں تیس پینتیس افراد قتل ہوئے۔ مگر اس تاریخ کے بعد کیا ہوا کیا ان کے اختلافات ختم ہو گئے؟

کتنی خود کشیاں اور خود سوزیاں ہو رہی تھیں۔ اب ان کا سلسلہ رک گیا ہے۔ حکومت کی کوشش ہے کہ عوام پر جو بوجھ ہیں۔ انہیں کم کیا جائے۔ حکومت تمام معاملات کو دیکھ بھال کر ایسے اقدامات کر رہی ہے۔ کہ عام آدمی کو ریلیف ملے معاشی ماہرین اس سلسلہ میں مصروف ہیں اور یقیناً عوام کے مسائل کا ہم بہتر حل پیش کریں گے۔

میں موجودہ فوجی انتظامیہ یا نئے سیٹ اپ کا پہلے کے مارشل لاؤں سے مقابلہ یا موازنہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ مارشل لاء نہیں ہے۔ سابقہ فوجی سربراہوں نے جو کام اپنے اپنے عہد میں کیے تھے وہ اس وقت کا تقاضہ ہوں گے مگر آج جو صورت حال ہے اس میں نیا فوجی سیٹ اپ نئے نقطہ نظر اور زیادہ وسیع القلبی کے ساتھ کام شروع کرتا ہے۔ جو حالات ہم خراب ہوتے دیکھ آئے ہیں انہیں درست کرنے کے لیے ہم دن رات کام کریں گے اور انشاء اللہ یہ حالت ٹھیک ہو جائیں گے اور ہمارے ملک میں بہتر جمہوریت بہتر انداز میں کام کرتے ہوئے ہم سب دیکھیں گے۔

جیسے ہی کرنل نے مضمون ختم کیا اور ایک گہری سانس لے کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اور اسی لمحے کیپٹن فیاض چائے کے دو مگ لئے سر پر آ پہنچے۔

"آج چائے بنانے کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ لیجئے کافی تیز بنا کر لایا ہوں"۔

"شکریہ کیپٹن فیاض! بیگم واقعی آپ کی آمد سے بے خبر ہیں اور اس چائے کا واقعی شکریہ"۔

"آپ نے مضمون پڑھا۔

"ہاں ایک حد تک ہم متفق ہیں کیپٹن فیاض۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ سیٹ اپ کرپشن کو جڑوں تک اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہو گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں نہیں۔ لیکن وقت لگے گا ہمارے اس فوجی کے تیور اچھے نہیں ہیں"۔

"لیکن اس کے باوجود مزاج ٹھنڈا ہے اور شاید یہ حکومت طول پکڑ جائے"۔

"کیا یہ بہتر نہیں کہ گند صاف ہو جائے"۔

"ہم فوجی ہونے کے باوجود فوج کا زیادہ عرصہ رہنا پسند نہیں کرتے بس جتنے کام جلدی ہو اور ہر کرپٹ ادارہ اپنے انجام کو پہنچ جائے"۔

"ایسا ہی ہو گا کرنل شاہ۔ اس بار ایسا ہو گا اور کیا چائے پسند آئی؟"

"اچھی اور خوبصورت ہے ایک بار پھر شکریہ"۔

"اجازت دیجئے کرنل شاہ۔ بچوں کو پیار اور بھابی کو سلام عرض کر دیجئے گا"۔

"اتنی جلدی کیا ہے کیپٹن فیاض؟"

"کچھ اور کام بھی دیکھنے ہیں۔ خدا حافظ"۔ کیپٹن فیاض کو کرنل شاہ جاتے دیکھتے ہے پھر ایک دم اٹھے تھے اور بیڈ روم تک چلے آئے تھے۔ بیگم کو میگزین دیکھتے پا کر لے۔

"کیپٹن فیاض آئے اور چلے گئے۔ چائے بھی انہوں نے خود بنائی تھی"۔

"سوری! میرے علم میں نہیں تھا ورنہ خود اٹھ جاتی"۔

"اپ کو بیٹے کے بغیر اذیت اور تنہائی کا احساس نہیں ہوتا کیا؟"

"انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے"۔

"کب احساس ہوا؟" کرنل شاہ نے چونک کر بیگم کی طرف دیکھا۔

"کیا سزا تجویز کی ہے آپ نے میرے لئے؟"

"سزا کا حق ہمیں نہیں۔ خود تجویز کر لو تو بہتر ہے"۔

"تو پھر ہم کر چکے"۔

"کیا؟"

"ہم وہی سکھیا خود استعمال کر رہے ہیں"۔

"نن... نہیں"۔ کرنل شاہ لرز اٹھے۔

"اسی دن سے کر رہے ہیں جب بہو اور بیٹے نے گھر چھوڑا تھا اور اپ انیلا کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ دیجئے گا کہ ضمیر نے ملامت ضرور کی ہے لیکن ہم جھکے نہیں ٹوٹ گئے ہیں"۔

"تت.... تم انتہا پسند عورت ہو۔ آؤ تمہیں ڈاکٹر کے پس لے چلیں"۔

"بہت دیر ہو گئی آج ہم نے بہت زیادہ لے لیا ہے۔ مجھے کیپٹن فیاض کی آمد ا علم تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود بستر سے حرکت نہیں کر سکے۔ مجھے افسوس ہے آپ کے دوست کے لئے آخری چائے تیار نہیں کر سکی۔ خداحافظ کرنل شاہ۔ آپ ہمیں معاف کر دیجئے گا میں آپ کے ساتھ نہ چل سکی اور ایک بات ضرور ہے کرنل کہ زندگی آپ کے سامنے بھرپور گزری"۔

کرنل تیزی سے بیڈ پر آئے اور بیگم پر جھکتے ہوئے بولے۔

"چلو ڈاکٹر کے پاس چلے ہیں"۔

"کہا ہے نا کہ پورا جسم سن ہو چکا ہے۔ زبان ساتھ نہیں دے رہی اور.... اور...."

"تن.... نہیں"۔ کرنل اس پر مزید جھکے۔

"خداحافظ.... کک.... کر.... تل"۔

اور کرنل شاہ ایک تیز ترین جھٹکے کا شکار ہوئے انہوں نے بیگم کے سینے پر کان رکھ دیا۔ دھڑکن خاموش تھی۔

"اف خدایا۔ یہ کیا ہوا"۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیگم کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ زندگی کی یہ کہانی یوں ختم ہو جائے گی۔

پچپن گھنٹے زندگی اور موت کی کشمکش میں سانس لینے والی تین زندگیوں کو بچانے لئے دس ڈاکٹر مصروف عمل تھے۔ ایس پی اسرار احمد نے خان آفریدی پر تشدد کی نا کر ڈالی تھی۔ تب جا کر اس نے زبان کھولی تھی اور یہ تشدد خان آفریدی کی شہروالی ٹھی میں عمل میں آیا تھا۔ ملازمین' بیگم خان آفریدی اور اس کی بیٹی کو پولیس نے گھر ں نظربند کر دیا تھا اور خان آفریدی کو ایک الگ تھلگ کمرے میں جو کارنر پر تھا وہاں ے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور یہ سارا عمل غیر قانونی تھا۔ تب انہوں نے زبان کھولی ں اور پھر پچپن گھنٹے گزر جانے کے بعد نندی پور کی حویلی کے تہہ خانے سے برآمد کیا اسکا اور اس وقت جناح ہسپتال کے دس بڑے میڈیکل ڈاکٹر انہیں بچانے کی سرتوڑ شش کر رہے تھے۔ تینوں کو آکسیجن دی جا رہی تھی دودھ اور جوس جج کے ذریعے کے حلق میں اتار جا رہا تھا۔ اور تینوں کے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اور ایس پی اسرار پر تشویش انداز میں ان کے کمرے کے باہر ٹہل رہے تھے۔ دو گھنٹے کی سرتوڑ کوشش باوجود تینوں میں سے کسی نے آنکھیں نہیں کھولیں تھیں۔ دس ڈاکٹر امید و یاس غوطہ زن تھے اور ادھر ایس پی اسرار احمد کا حکم تھا کہ ایک جان بھی ضائع نہیں ا چاہیے۔ ایک بہت بڑے وڈیرے کے خلاف انہیں استعمال کرنا ہے۔ ان کا بیان ہی تھا۔ کیونکہ جس انداز سے فوجی حکومت کے ہوتے ہوئے انہوں نے خان یڈی پر تشدد کیا تھا وہ قانوناً" ایک بہت بڑا جرم تھا۔ ویسے بھی پولیس والوں پر عتاب ں ہونے والا تھا اور ایس پی اسرار احمد بہت محتاط تھا۔ لیکن سوال اگر تین زندگیوں کا ہوتا تو وہ اس وڈیرے کو کبھی نہ پکڑتا۔ وہ تینوں افراد اس کی ذاتی پناہ میں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک موبائل کی گھنٹی بجی اور اسرار احمد نے اسے کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف کچھ سنتے رہے پھر غرا کر بولے۔

"اس کی اکلوتی بیٹی نازو کو بولو بیٹی بن کر باپ کے بارے میں مت سوچے ان تین زندگیوں کے لئے دعا کرے جنہیں ان کے ظالم باپ نے اغوا کر کے نندی پور حویلی کے تہہ خانے میں زندہ مارنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اور سنو گھر کا کوئی فرد باہر نہ جانے پائے۔ اسے بولو کہ اس کا باپ زیر حراست ہے۔ او کے"۔

ایس پی اسرار احمد نے موبائل بند کر دیا۔ پھر اس نے کمرے سے نکلنے والے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کوئی اچھی خبر سنانا۔

"کوشش جاری ہے سر۔ معدے میں خوراک پہنچائی جا رہی ہے لیکن...."

"لیکن کیا ڈاکٹر؟"

"ہوش میں آنے کے باوجود اگر یہ ہوش میں نہ آئے تو سر کیا ہو گا؟"

"ہم سمجھے نہیں۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"اس قدر طویل بے ہوشی ذہن کے لئے نقصان دہ ہے سر"۔

"آپ ہم کو مزید پریشان کن خبر دے رہے ہیں"۔

"ڈاکٹر بخاری کا کہنا ہے کہ تینوں کی مزید بے ہوشی بہتر نہیں ہے"۔

"پھر آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"ہر ممکن کوشش سر"۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر بخاری کے پاس ہمارا موبائل نمبر ہے ہر نئی صورت حال سے باخبر رکھنا۔ ہم جلدی لوٹ آئیں گے۔ ہمیں ایک وڈیرے کو دیکھنا ہے جو کچھ زیادہ منہ زور ہو رہا ہے"۔ اتنا کہہ کر ایس پی اسرار احمد وہاں سے نکل گئے۔

کچھ دیر بعد وہ خان آفریدی کے بنگلے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہاں کچھ پولیس ملازم ایک ایس ایچ او اور ایک اے ایس آئی موجود تھا۔ ایس ایچ او تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔

"سر! نازو نے پورا بنگلہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کے باپ پر

تشدد غیر قانونی ہے"۔

"اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"ہم لوگوں نے انہیں بیڈ روم میں بند کر رکھا ہے"۔

"ہم دیکھتے ہیں"۔ اتنا کہہ کر اسرار احمد نازو کے بیڈ روم کی طرف بڑھے کیونکہ جانتے تھے کہ بیڈ روم کہاں ہے۔

"دروازے کا لاک کھولو"۔ اسرار احمد نے وہاں کھڑے پولیس ملازم کو حکم دیا۔ اور پر اس نے لاک کھول دیا۔

"تم باہر ٹھہرو۔ اندر آنے کی ضرورت نہیں"۔ اسرار احمد اندر داخل ہو گئے۔ صوفے پر نازو قہر درویش بنی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ زبان کو حرکت دیتی۔ ایس پی اسرار احمد خود ہی بول پڑے۔

"بیٹی ہم نے جو کچھ کیا مجبور تھے۔ آپ کی حویلی کے اندر تہہ خانہ ہے جس میں تین افراد جیراں' فراز اور زیبا انوار بند تھے۔ وہ بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہے تھے۔ ہم نے انہیں وہاں سے برآمد کر لیا ہے لیکن تینوں اب بھی زندگی اور موت کے درمیان بھٹک رہے ہیں۔ دعا کرنا وہ بچ جائیں ورنہ انہیں اغوا اور قتل کرنے کے جرم میں آپ کے باپ کو سزائے موت ہو سکتی تھی اور کیس فوجی عدالت میں چند دنوں میں نپٹ جائے گا۔ بھائی پہلے کھو چکی ہو"۔

"بھائی کو کس نے مارا تھا؟"

"معلوم نہیں۔ وہ دہشت گرد تھے"۔

"لیکن میرے بابا جان کہہ رہے تھے کہ میرے بھائی اکبر خان آفریدی کو زیبا انوار کے باڈی گارڈ نے گولیاں ماری تھیں"۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو فراز اور زیبا انوار سلاخوں کے پیچھے ہوتے۔ وہ دہشت گردی کا کیس تھا۔ انہوں نے تینوں انسانوں کی جان لینے کی جو کوشش کی ہے اسے انتقام کا نام دے کر اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں یا پھر کیس کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے باپ سے ہمارا کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ممکن نہیں کہ ان تینوں کو تندی پور حویلی کے بجائے کہیں اور سے برآمد کیا گیا ہو"۔

"اچھا سوال ہے بیٹی۔ لیکن پولیس نے کوئی کام کچا نہیں کیا کیونکہ پورا تندی پور ان تینوں کو وہاں سے نکالتے دیکھ رہا تھا اور پورا تندی پور گواہ بن گیا ہے"۔

"جو ہوا آپ یہ سب ختم کر دیں۔ میں ایک بیٹی ہوں میرے پاپا جان کو معاف کر دیں۔ میں اپنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میں بھی اسی ہمدردی کی مستحق ہوں جو آپ لوگوں نے زیبا انوار کے ساتھ روا رکھی ہے"۔

"آپ کا باپ بڑا ضدی ہے اکبر خان آفریدی نے ستر کروڑ روپیہ بینکوں سے قرض لے رکھا تھا۔ لہٰذا وہ حکومت کی نظر میں نادہندہ ہے کہاں کہاں سے بچاؤ گی اپنے باپ کو۔ دولت کے بل بوتے پر بہت پاپ کمائے ہیں ایسے لوگوں نے۔ کڑے احتساب کا وقت سر پر آ پہنچا۔ کوئی سفارش' کوئی رشوت کام نہیں آئے گی"۔

اور نازو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے تھے۔

"شاید اس بار نظام بدل جائے۔ پوری قوم آسؓ امید میں غوطے کھا رہی ہے۔ لہٰذا اپ اپنے باپ کے بارے میں نہیں پوری قوم کے بارے میں سوچیں۔ اور اسی قوم کی آپ بھی ایک فرد ہیں۔ خدا کی پناہ۔ آپ کا بھائی اور باپ ایک ناتواں بے سہارا اور کمزور لڑکی پر پاگل کتوں کی مانند چڑھ دوڑے۔ پولیس کے محکمے میں جہاں اکثریت برے انسانوں کی ہے وہاں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں جو اپنی عوام کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ امید ہے آپ اب کوئی گڑبڑ نہیں کریں گی۔ ہمیں ان تینوں بدنصیبوں کو دیکھنا ہے جو ہوش میں نہیں آ رہے۔ آپ ایک برے باپ کی اچھی بیٹی ہیں۔ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ انسان کو اپنا بویا ایک دن ضرور کاٹنا پڑتا ہے۔ خواہ اسے بہت دیر بعد کاٹنا پڑے"۔

"ہم روپیہ لوٹانے کے لئے تیار ہیں۔ میرے بابا کو معاف کر دیں"۔

"آپ کے باپ سے بات کرنے کے بعد کچھ فیصلہ کریں گے"۔ اتنا کہہ کر اسرار احمد باہر نکل گئے۔ اب وہ خان آفریدی کے کمرے تک آئے جہاں پولیس ملازمین پہرہ دے رہے تھے۔ وہ سیدھا اندر بڑھتے چلے گئے۔ خان آفریدی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی اور صوفے کے ساتھ انہیں باندھ دیا گیا تھا۔ وہ بری طرح زخمی تھے۔ ان کے دونوں ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ ورم شدہ تھی وہ اسرار احمد کو گھور رہے تھے پھانک زخمی ہونٹ حرکت کر گئے۔

"کیوں مسٹر ایس پی اسرار! وہ مرکھپ گئے یا بچ گئے"۔

"بچ جائیں گے۔ لیکن تمہارا کیا بنے گا خان آفریدی"۔

"تمہیں اگر گولی نہ ماری تو کچھ نہ کیا ایس پی"۔

"تمہاری بیٹی۔ تمہارے لئے ہم سے رحم کی اپیل کر رہی ہے اور ستر کروڑ دینے کو تیار ہے"۔

"کہاں سے دے گی وہ ہم نے قرض لیا ہی نہیں' لینے والا مرکھپ گیا"۔

"تمہارا وہم ہے خان آفریدی۔ اگر تم مر گئے تو وہ قرضہ وہ قوم کا سرمایہ تمہاری اولاد سے وصول کیا جائے گا۔ شاید تم قانون کا مطالعہ نہیں کرتے۔ بہرکیف تم انڈر ارسٹ ہو۔ مسٹر خالد انہیں لے چلو اور لاک اپ کی پہلے صفائی ضروری ہے"۔

"او کے سر۔ ایسا ہی ہو گا"۔

"ایس پی اسرار احمد وہاں سے نکلتے چلے گئے انہیں زیبا انوار' فراز اور جیراں کی فکر تھی۔ جب وہ ہسپتال پہنچے حالات بدستور وہی تھے جو چھوڑ کر گئے تھے۔ تینوں کو الگ الگ کمروں میں رکھا گیا تھا اور ایک جیسا ٹریٹ منٹ جاری تھا۔ ڈاکٹر بخاری ان سے مخاطب تھا۔

"سر! غیر یقینی حالات ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے تینوں مریض کومے کی حالت میں چلے گئے"۔

"نہیں ڈاکٹر! ایسا نہیں ہونا چاہیے"۔

"ہم سب بہتری کی امید پر کام کر رہے ہیں اور ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ حالات کنٹرول سے باہر نہ ہوں۔ ہماری پوری کوشش ہے کہ وہ تینوں کومے کی کیفیت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دوچار نہ ہوں"۔

"ہمارے لئے مزید مسائل پیدا مت کرنا ڈاکٹر۔ صرف ایک مریض ہی اگر ہوش میں آکر بیان دے دے تو کیس مضبوط ہو سکتا ہے۔ ورنہ ہمیں اپنی وردی کی فکر پڑ جائے گی"۔

"سر! پوری ایمانداری سے کوشش کر رہے ہیں کہ نتائج بہتر آئیں۔ بہرکیف آپ میرے آفس میں تشریف رکھیں"۔

"او کے ڈاکٹر۔ ہم بہت پریشان ہیں"۔ ایس پی اسرار احمد ٹہلتے ٹہلتے ڈاکٹر بخاری کے آفس میں آ بیٹھے۔ سگار سلگایا اور آہستہ آہستہ پیتے رہے۔ شاید بیس منٹ بعد ایک ڈاکٹر تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے قریب پہنچا تھا۔

"مبارک ہو سر زیبا انوار کو ہوش آگیا وہ آنکھیں کھول چکی ہے لیکن ابھی بات نہیں کر رہی"۔

اسرار احمد تیزی سے اٹھے تھے اور زیبا انوار تک جا پہنچے۔ اور والہانہ انداز میں اس کا چہرہ ہاتھوں کے کٹوروں میں لے کر بولے۔

"اے زیب! خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئیں۔ کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

تب زیبا انوار نے اسرار احمد کو اجنبی سی نظروں سے دیکھا اور نقاہت بھری آواز میں بولی۔

"لک.... کون ہیں آپ؟ اور میں کون ہوں؟"

"اوہ!" ایس پی اسرار احمد کو ایک شدید جھٹکا لگا اور دونوں ہاتھوں کا کٹورا کھلتا چلا گیا۔ وہ تیزی سے ڈاکٹر بخاری کی طرف مڑے تھے۔

"یہ....."

"سب ٹھیک ہو جائے گا' شاید جس زندگی اور موت کی کشمکش سے یہ دوچار ہوئی ہیں اس نے وقتی طور پر ذہنی سطح کو متاثر کیا ہو۔ ہم چیک کر رہے ہیں"۔

"فراز اور جیراں کس پوزیشن میں ہیں؟"

"حوصلہ افزا پوزیشن ہے۔ دو بار انہوں نے آنکھیں جھپکیں ہیں"۔

"اور امید کی جا سکتی ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سانسوں کا تموج بہتر سے بہتر ہو رہا ہے"۔

"ہوں"۔ اسرار احمد نے ہنکارا بھرا اور زیبا انوار کی طرف متوجہ ہو گئے جو آنکھیں بند کر چکی تھی اور دو ڈاکٹر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر آپ اسے نیند کا انجکشن لگا سکتے ہیں"۔ ڈاکٹر بخاری بولے۔

"نہیں۔ ایسا مت کریں ڈاکٹر بخاری یہ کہیں...." اسرار احمد نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ضرورت ہے سر۔ اب اس کا شعوری طور پر کچھ دیر سو جانا بہتر ہے یہ وعدہ ہے کہ یہ بالکل تندرست ہو جائیں گی"۔

"او کے۔ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کیجئے۔ وہ وہاں سے باہر آ گئے۔ پھر آدھے گھنٹے میں انہیں دوسری بار بلایا گیا لیکن اس بار ان کا واسطہ فراز اور جیراں سے پڑا تھا۔ اپنے اپنے کمروں میں دونوں ہوش میں آ چکے تھے۔ فراز' اسرار احمد کو دیکھتے ہی بولا۔

"سر! مادام کیسی ہیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ہم پچپن گھنٹے بعد برآمد ہوئے تھے"۔

"سب ٹھیک ہے زیب بھی ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔ ہم ذرا جیراں کو دیکھ لیں کیونکہ وہ بھی ہوش میں آ چکی ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ جیراں کے کمرے میں آ گئے۔

"بب بچ گئے۔ ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ ہم سب بچ گئے"۔ وہ اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ شاید زندہ بچ جانے پر خوشی کے آنسو تھے جو ابل پڑے تھے۔

"پگلی! اللہ بہت بڑا ہے"۔ اتنا کہہ کر اسرار احمد نے جیراں کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور بولے۔

"بس آرام سے لیٹی رہو کیونکہ ڈرپ کے ذریعے خوراک تم لوگوں کے معدے میں پہنچائی جا رہی ہے۔ او کے"۔

"بب.... باجی کیسی ہیں میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں"۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں"۔

"اور خان آفریدی؟" جیراں کے انداز میں خوشگواری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پولیس لاک اپ میں ہے۔ ایف آئی آر کاٹی جا رہی ہے۔ تم گھبراؤ مت بچ نہیں پائے گا۔ تم پولیس کو ایک ڈاکٹر کی موجودگی میں اپنا بیان قلم بند کراؤ کتنے بجے اغوا ہوئے کیسے ہوئے کتنے آدمی تھے اور تم لوگوں کہاں لے جایا گیا؟"

"جی بہتر۔ میں پورا واقعہ لکھوا دیتی ہوں اور فراز بھیا؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے آرام کرو۔ پھر آئیں گے۔ او کے"۔ وہ باہر نکل آئے۔ وہ ایک بار پھر زیبا انوار کی طرف آ نکلے تھے۔ اور زیبا انوار گہری نیند سو رہی تھی۔ تین ڈاکٹر وہاں موجود تھے۔ چند لمحات وہاں ٹھہر کر وہ ڈاکٹر بخاری کے آفس تک چلے آئے۔

"آیئے تشریف رکھیں سر۔ ڈاکٹر بخاری مسکرائے۔ اس بار ان کا انداز فاتحانہ تھا۔ اپنے پیشے پر فخر تھا کہ تین جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

"زیبا انوار کے بارے میں کچھ فرمائیں"۔ اسرار احمد ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے۔ تب ڈاکٹر بخاری پھر مسکرائے اور بولے۔

"سر! زیبا انوار بھی ٹھیک ہو جائیں گی خدا پر بھروسہ رکھیں۔ بہت ہلکا ڈوز دیا ہے۔ ایک گھنٹے تک بہتر صورت حال سامنے آئے گی"۔

اسرار احمد نے جیب سے سگار نکالا اسے لائٹر سے شعلہ دکھایا ایک گہرا کش لے کر دھواں انہوں نے آفس کی فضا میں چھوڑ دیا۔

"آپ سگار پینا پسند فرمائیں گے ڈاکٹر بخاری؟"

"سوری۔ نو تھینکس۔ مضر صحت ہے۔ بہرکیف اپنے اپنے شوق ہیں"۔

"ہم لوگ کچھ ایسی باتیں یا چیزیں اپنا لیتے ہیں جن کے بارے میں وثوق سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصان دہ ہیں لیکن اس کے باوجود نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سے انسان کی بے حسی کا اندازہ کر لیجئے"۔

"آپ نے انسانی بے حسی کے بارے میں ذکر فرمایا سر تو عرض ہے کہ مجرم جاوید اقبال کو ہی لے لیجئے۔ خدا کی پناہ ۱۰۰ بچوں کا قتل اور وہ بھی اس قدر سنگین انداز میں کہ راتوں کو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور دنیا کے سنگین ترین واقعہ میں اس کا شمار کیا جا سکتا ہے اور یہ بے حسی ہی تو ہے کہ ارد گرد ماحول کو خبر نہ ہوئی اور یہی بات حلق سے

نہیں اتری۔ بچوں کو ہر روز کھانا پلانا اچھے کپڑے پہنانا۔ انہیں تفریح کرانا پھر بدفعلی کا مرتکب ہونا اور پھر سر کے بال منڈوا دینا کیونکہ وہ تیزاب میں گلتے سڑتے نہیں۔ انہیں بیدردی سے قتل کرنا۔ تیزاب کے ڈرم میں پھینکنا اور ہر روز گٹر میں بہانا یہ کس قدر عجیب لگ رہا ہے کہ تین ماہ سے ایک گھناؤنا فعل ایک علاقے میں ہو رہا ہے اور کسی کو بدبو تک نہیں آ رہی اگر آ بھی رہی ہے اور ہر روز نت نئے بچوں کے ساتھ جاوید اقبال کو دیکھتے ہیں تو نظرانداز کر دیتے ہیں یہ انسانی بے حسی نہیں بلکہ وہ زہر ہے جسے وہ ہر انسان روز پیتا ہے اور دوسروں کو پلاتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں تو سانس لے رہا ہوں مجھے دوسرے کی کیا پڑی ہے کہ وہ جی رہا ہے کہ مر رہا ہے۔ یہ کیسی بے حسی ہے سر۔ کیا آپ اسے بے حسی کہیں گے"۔

"ہم پولیس آفیسر ہونے کے ناطے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ۱۰۰ بچوں کا قتل ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ اسحاق بلا ایک بہت اہم گواہ تھا جو ضائع ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ کیسے ہوا شاید پولیس کا روایتی تفتیشی انداز تھا۔ جو کم از کم اب بدلنا پڑے گا اور پھر وہ تمام واقعہ جس کا مجرم نے اعتراف کیا ہے ایک خواب سا معلوم ہوتا ہے۔ واقعی کیسے ممکن ہے ویسے پولیس اب اس زاویے پر سوچ رہی ہے کہ کہیں بچوں کے اعضاء کو فروخت تو نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر ایک جاوید اقبال اور اسی کی تلاش کیوں۔ بہت سارے لوگ انوالو ہوں گے۔ بہرکیف پولیس اپنے انداز سے اور ملٹری اپنے طریقہ کار سے اس کیس پر کام کر رہے ہیں اور اس کیس کو حل ہونا ہے آپ درست کہتے ہیں کہ یہ دو چار انسانوں کا کام نہیں کم و بیش آٹھ دس افراد اس گھناؤنے جرم میں شامل ہیں اور وہ تمام افراد بدفعلی کی لذت کے لئے سب کچھ کرتے رہے اور ایسے افراد ذہنی کج روی کا شکار ہوتے ہیں"۔

"سر وہ انسان جس رشتے دار ماں باپ بہن بھائی اور کزنوں کی ایک فوج ہو گی اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ ایسا انسان اذیت پسند ہے وہ آرام سے نہیں بیٹھ سکتا اس کا حلیہ اخبارات نے بار بار چھاپا۔ لیکن اس کے باوجود چودہ کروڑ عوام میں سے اسے کسی نے نہیں دیکھا کیا ایسا ممکن تو نہیں کہ اسے بھی مار دیا گیا ہو"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ پولیس ہی نہیں اور بھی قانونی ادارے اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ مجرم ہاتھ آ جائے"۔

"آخر اس نے اپنے جرموں کا اقرار کیوں کیا؟ اس کی ڈائری جو پولیس کے ہاتھ لگی ہے اس میں ایک نامکمل داستان ہے۔ قتل ہونے والے ۱۰۰ بچوں کے نام ایڈریس تک موجود ہیں اور کون کون لوگ اس مکروہ فعل میں شامل تھے ان کا نام تک شامل ہیں۔ یہ ڈائری لکھنا' پولیس کے لئے چھوڑ دینا' اپنے جرموں کا اعتراف کرنا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟

"بڑی باریک بینی سے اس مسئلے کو حل کیا جا رہا ہے ڈاکٹر بخاری صاحب۔ ادارے آرام سے نہیں بیٹھے ہوئے اور پھر ایک جاوید اقبال ہی تو اس جرم میں شامل نہیں وہ ڈائری میں بہت سارے نام دے گیا ہے"۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ جن افراد کا نام اس نے ڈائری میں لکھا ہے یا جو اس کے جرم میں برابر کے شریک تھے ان سے جاوید اقبال کی ذاتی دشمنی رہی ہو اور کیونکہ ڈائری میں واشگاف الفاظ میں ان کو اپنے جرم میں شامل کرنا کوئی ڈرامہ نہ ہو"۔

"ادرے اس لائن پر بھی سوچ رہے ہیں اور ڈاکٹر بخاری اس کیس میں کوئی بے گناہ نہیں مارا جائے گا۔ یہ کوئی معمولی کیس نہیں ہے پورے ۱۰۰ بچوں کا قتل پوری انسانیت کو ہلا کر رکھ گیا ہے"۔

"زیبا انوار کو ہوش آ گیا ہے ڈاکٹر صاحب"۔ ایک ڈاکٹر نے آفس کے دروازے پر آ کر ایک اہم انکشاف کیا۔

ڈاکٹری بخاری اور اسرار احمد تیزی سے اٹھے تھے۔ پھر کچھ لمحوں بعد دونوں اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے جہاں زیبا انوار کو رکھا گیا تھا۔ وہ خالی آنکھوں سے خلا میں دیکھ رہی تھی۔

"زیب!" اسرار احمد نے اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولے۔ تب زیبا انوار نے نگاہوں کا زاویہ بدل دیا اور اسرار احمد کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا میرا نام زیب ہے۔ مجھے ڈاکٹر بتا رہا تھا کہ میرا نام زیبا انوار ہے"۔

"ڈاکٹر درست کہہ رہا تھا تمہارا نام زیبا انوار ہے اور میں نے تمہیں محبت سے زیب کہا تھا"۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"ایس پی اسرار احمد"۔

"شاید میں اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہوں۔ میں کون ہوں اور میرے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا کچھ نہیں جانتی۔ میرے ماں باپ' بہن بھائی رشتے دار کہاں ہیں"۔

"تمہیں سب ملنے آئیں گے۔ فکر مت کرو"۔

"میرے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا؟"

"کیا تم اس وقت اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہی ہو"۔

"ہاں کیوں نہیں۔ فزیکل طور پر میں ٹھیک ہوں"۔

اسرار احمد نے ڈاکٹر بخاری کی طرف دیکھا اور ڈاکٹر بخاری فوراً بولے۔

"وقتی طور پر ذہن متاثر ہوا ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہیں ان کے ماحول میں لے جایئے۔ دو چار دنوں میں رزلٹ سامنے آ جائے گا"۔

"آپ کا مطلب ہے انہیں مزید ٹریٹ منٹ کی ضرورت نہیں"۔

"نہیں۔ تینوں مریض صحت یاب ہیں بس کمزوری ہے جو خوراک سے ختم ہو جائے گی"۔

"تھینکس ڈاکٹر بخاری! میں آپ کا اور آپ کے ساتھی ڈاکٹروں کا مشکور ہوں کہ انہوں نے بہت تعاون کیا"۔

کچھ دیر بعد ایس پی اسرار احمد جیراں' فراز اور زیبا انور کو اپنی جیپ میں لئے زیبا انوار کے گھر پہنچے تھے۔ وہاں پولیس ملازم پہلے سے ہی موجود تھا۔ جیراں اور فراز کو اسرار احمد نے موجودہ سچوشن سے بہتر طور پر باخبر کر دیا تھا اور دونوں کے چہرے اترے ہوئے تھے اور زیبا انوار خود ان دونوں سے لاتعلق رہی تھی۔ جب زیبا انوار کو اس کے بیڈ روم میں لے جایا گیا تو اسرار احمد نے فراز اور جیراں کو دوسرے کمرے میں جانے کو کہا۔ جب دونوں بجھے بجھے انداز میں بیڈ روم سے نکل گئے تو تب اسرار احمد نے زیبا

انوار کو بغور دیکھا اور بولے۔

"اب بولئے یہ یادداشت کھونے کا ڈھونگ کیوں رچایا؟"

"آپ کو کیسے شبہ ہوا؟"

"جب ہم تم سے خیریت دریافت کر رہے تھے تو تم نے بات کرنے سے پہلے ہمارا ہاتھ دبایا تھا"۔

"ہاں میں نے ہلکا سا اشارہ دیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں"۔

"معاملہ کیا ہے؟"

"خان آفریدی کہاں ہے؟"

"انڈر اریسٹ ہے اور لاک اپ میں ہے"۔

"میں اسے ملنا چاہتی ہوں"۔

"کیوں؟"

"یہ بتانا ضروری ہے کیا؟"

"اگر ہمارے لئے اچھا نہیں ہے تو مت بتایئے"۔

"شکریہ۔ ڈاکٹر بخاری بتا رہے تھے کہ مجھے پچپن گھنٹے بعد برآمد کیا گیا"۔

"خان آفریدی کی زبان کھلوانے میں بہت دیر لگی ایک بار نندی پوری کی حویلی چیک کر چکے تھے لیکن تہہ خانے کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ پھر خان آفریدی پر بے پناہ تشدد کیا حتیٰ کہ اسے گولی مارنے کا پروگرام تک بن گیا تب کہیں جا کر اس نے زبان کھولی۔ اور کیا آپ کا خان آفریدی کو ملنا ضروری ہے"۔

"ہاں مجھے اس سے کچھ کہنا ہے۔ جو کچھ کہوں گی آپ کے سامنے کہوں گی"۔

"کب ملنا ہے؟"

"ابھی اور اسی وقت"۔ زیبا انوار کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ اسرار احمد چونک پڑے اور پھر انہوں نے سر جھٹکا اور بولے۔

"آیئے ملاقات کر لیں اور وہاں آپکا بیان بھی لیتا ہے"۔

"آپ گاڑی میں چلیں میں حاضر ہوتی ہوں"۔ اتنا کہہ کر زیبا انوار بیڈ روم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔ جب وہ جیراں اور فراز کے کمرے میں پہنچی تو دونوں اپنی اپنی جگہ سے کھڑے گئے۔

"نئی زندگی مبارک ہو تم دونوں کو۔ لیکن میرا سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ میں اپنی داشت کھو چکی ہوں اور یہ بات ہسپتال میں آن دی ریکارڈ ہے اور۔۔۔"

"آپ اپنے سفر میں مجھے تنہا چھوڑ رہی ہیں"۔ فراز تیزی سے بولا۔

"یہ سفر مجھے تنہا کرنا ہے اور تم میرا انتظار کرو گے فراز"۔

"آخری سانس تک کر سکتا ہوں"۔

"خدا حافظ"۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں باجی؟" جیراں تڑپ کر بولی۔

"آ جاؤں گی۔ تم بھی انتظار کر لینا واپس آؤں گی۔ لیکن کب؟ یقین سے نہیں سکتی۔ خداحافظ"۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر وہ جیپ میں بیٹھی تھی۔ اسرار احمد نے ہولسٹر سے ریوالور نکالا' اسے چیک کیا اور پھر اسے ہولسٹر میں یا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔ زیبا انور نے کنکھیوں سے ایس پی اسرار احمد کی حرکت کو ک کیا۔ پھر نجانے کیوں مسکرا دی تھی۔ سفر خاموشی سے کٹا تھا۔ اور جیپ ایس پی ں تک پہنچی۔ پولیس ملازمین نے سلوٹ مار تھے۔ اسرار احمد زیبا انوار کو لئے لاک تک چلے آئے۔ سلاخوں کے پیچھے خان آفریدی موجود تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملی ں۔ خان آفریدی تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ ں کے درمیان چھایا ہوا سناٹا بہت غیر فطری سا تھا۔ اچانک ' انوار بول پڑی۔

"میں اور میرے ساتھی بچ گئے خان آفریدی"۔

"دکھ ہوا۔ بہت دکھ ہوا۔ آگے بولا کیا کہنا ہے"۔

"تمہارا وقت ختم ہو گیا اور تمہاری کہانی بھی وقت کسی کو معاف نہیں کرتا آفریدی اور زندگی موت صرف خدا کے ہاتھ ہوتی ہے اور خدا جسے توفیق دے کہ ظالم کو مٹانے کی۔ میں تم جیسے انسان کو مارنے کی رسم پیدا کر رہی ہوں"۔ اتنا کہہ زیبا انوار نے بڑی پھرتی سے اسرار احمد کے ہولسٹر سے ریوالور باہر نکلا تھا۔ اسرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احمد نے اسے روکنے کی ایک ناکام سی کوشش کی اور وہ ریوالور لے کر دو قدم اسرار احمد سے پیچھے ہٹ گئی تھی ایک پولیس ملازم نے اپنی کلاشن کوف کو سیدھا کیا تھا۔

"نو!" اسرار احمد تیزی سے بولے پھر انہوں نے زیبا انور پر نظریں جما دیں "خان آفریدی کو کہہ رہی تھی۔

"میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے کیا خان آفریدی"۔

"آفیسر اسے روکو۔ یہ..... یہ تمہارے ریوالور سے ہمیں گولی مارنا چاہتی ہے۔ اس کا ذہنی توازن درست نہیں۔ اسے پاگل خانے لے جانے کی بجائے تم سے یہاں کیوں لے آئے"۔

اسرار احمد نے بڑی مضبوطی سے ہونٹ پہ ہونٹ جمائے تھے۔ اور اسی لمحے زیبا انوار نے فائر کر دیا۔ گولی خان آفریدی کے پیٹ میں گھس گئی تھی۔

"اس ریوالور کی ہر گولی پر تمہارا نام لکھا ہے خان آفریدی"۔

"نہیں..... آفیسر اسے روکو"۔

دوسرا فائر ہوا اور گولی خان آفریدی کے شانے میں گھس گئی۔ خان آفریدی دیوار سے جا لگا تھا۔

"جب برا وقت آتا ہے تو تم جیسے وڈیروں کی موت ہم جیسی ایک کمزور اور ناتواں لڑکی کے ہاتھوں مقدر بنتی ہے۔ بڑا لوٹا ہے تم جیسے کتوں نے قوم کی دولت کو۔ احتساب ہی کرنا ہے تو یوں کرنا چاہیے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔ اتنا کہہ کر ریوالور کی باقی گولیاں بھی زیبا انوار نے خان آفریدی کے سینے میں اتار دیں اور وہ سیدھا اوندھے منہ زمین پر آ پڑا۔

"گرفتار کر لو اسے"۔ اسرار احمد چیخے تھے۔ اور کلاشن کوف والے نے نال زیبا انوار کے سر پر رکھ دی۔ ایس پی آفس کے تمام پولیس ملازمین زیبا کے گرد پھیل گئے تھے۔

"انہیں ہمارے آفس میں لاؤ"۔ اتنا کہہ کر اسرار احمد اپنے آفس کی طرف چل

گئے۔ ان کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ جب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے تو زیبا انوار کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔

"رپورٹ تیار کرو کہ ہم زیبا انوار کو خان آفریدی کی شناخت کے لئے لائے اور زیبا انوار نے ہمارے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر خان آفریدی کو مار ڈالا"۔

"او کے سر"۔

"اب تم لوگ جاؤ اور فون کے رسیور میز پر رکھ دو اور ادھے گھنٹے تک کوئی کال رسیو نہیں ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر کو بلاؤ' خان آفریدی کی لاش کی تصدیق کرے اور لاش کو مردہ خانے پہنچوا دیا جائے"۔

"او کے سر"۔ سلوٹ مارنے کے بعد ملازمین باہر نکل گئے۔

"یہ تم نے کیا کیا"۔ اسرار احمد زیبا انور کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"شاید آپ خود بھی یہی چاہتے تھے"۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہم کیوں ایسا چاہنے لگے؟"

"آپ نے جیب میں بیٹھ کر اپنا ریوالور ہولسٹر سے باہر نکال کر چیک کیا تھا۔

"وہ ایک پولیس آفیسر نے اپنے تحفظ کے لئے رکھا ہوا ہے"۔

"میں نے بھی ایک بھیڑیے کو مار کر قانون کا تقاضا پورا کیا ہے"۔

"قانون ہمیں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی ملازم یا مجرم کو گولی ماریں"۔

زیبا انوار کے ہونٹوں پر زہر خند دوڑ گیا۔

"کوشش کریں گے کہ تمہیں زیادہ سزا نہ ہو"۔

"شکریہ آفیسر"۔

"آئی لو یو زیب"۔

"جانتی ہوں۔ بہت دنوں سے جانتی ہوں"۔

"ہم تمہیں اپنے لئے بچانے کی کوشش کریں گے زیب"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اندھے کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگاتے آفیسر۔ آپ بہت لیٹ ہو چکے۔ جب موت کو سامنے دیکھا تو فراز نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا اور میں نے اپنا سر اس کی گود میں ڈال دیا۔ مرتے ہوئے دو انسانوں نے محبت کا اقرار کیا تھا۔ ہاں آفیسر ایسا کبھی ہوا نہیں موت کو سامنے دیکھ کر انسان چیخنا چلانا اور اپنے حواس کھو دیتا ہے لیکن ہم دونوں مسکرا رہے تھے۔ موت بھی کس قدر خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہاں آفیسر میں فراز کی گود میں لیٹ گئی تھی اور آخری دم تک وہ میرے بالوں میں انگلیوں سے شانہ کرتا رہا"۔

"بہت خوش قسمت ہے وہ۔ چلو تمہیں منزل تو ملی۔ ہمیں خوشی ہے۔ ہماری ہار بھی جیت کا نشہ دے رہی ہے کیونکہ ہم سچ کو پسند کرتے ہیں۔ خود بھی سچے انسان ہیں"۔

"میں آپ کو سلام کرتی ہوں آفیسر"۔

اور تب اسرار احمد مسکرا اٹھے تھے۔

بڑا ہنگامہ خیز دن تھا۔ ایک دن پہلے کی خبروں نے جس میں زیبا انوار اور خان آفریدی کی مکمل کہانی چھپی تھی اور آج زیبا انوار کو عدالت میں پیش کیا جا رہا تھا۔ گزرے ہوئے دن کے اخبارات نے زیبا کو ایک مظلوم عورت کے روپ میں پیش کیا تھا۔ وجاہت علی ایم این اے کے بیٹے حسن نے جو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ زیبا انوار کو گینگ ریپ کیا تھا اخبار والوں نے شروع سے زیبا انوار کی داستان مکمل لکھی۔ ملکی اخبارات نے اس عورت کے لئے اپنی ہمدردیوں کا اظہار کیا تھا۔ ہر زبان پر زیبا انوار کی داستان تھی۔ جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تو ایک بہت بڑا رش تھا۔ ایک ہجوم تھا پریس رپورٹروں کے علاوہ زیبا انوار کے خاندان والے اور چیراں کے ساتھ فراز بھی موجود تھا۔ ایک بہت بڑا کیسا تھا۔ اخبارات نے زیبا انوار کی داستان کو صفحہ اول پر جگہ دی تھی۔ اخبارات نے اس بات کو بہت زیادہ اچھالا تھا کہ زیبا انوار نے پولیس کو بیان دینے کی بجائے اپنا بیان عدالت میں قلم بند کرانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اور آج وہ اپنا بیان دینے آئی تھی۔ عدالت کے کمرے اور برآمدوں میں حتیٰ کہ احاطہ تک لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ لوگ زیبا انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے قرار تھے۔ جب زیبا انوار کو پولیس گاڑی سے اتار کر عدالت کے اندر لایا جا رہا تھا تو ہزاروں لوگوں نے وکٹری کا نشان بنایا تھا۔ اور زیبا انوار سر جھکائے اور کنکھیوں سے ہجوم کو دیکھتی ہوئی کمرۂ عدالت تک آ پہنچی تھی۔ وہ سفید پیراہن اور کالی چادر لئے ہوئے تھی ایک معصوم سا چہرہ اور جھکا ہوا سر لئے وہ ہجوم کے درمیان سے گزری تھی۔ ہر آنکھ میں اس کے لئے ہمدردی اور محبت کا پیغام تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ اندر کٹہرے میں کھڑی اپنا بیان قلم بند کروا رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی

"خداوند کریم نے اس پاک ذات نے انسان کو بہت بلند مرتبہ عنایت فرمایا ہے اسی انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا اور یہ انسان کیا کر رہا ہے جب بھی اس نے کیا گھاٹے کا سودا کیا۔ میری کہانی تو ملکی اخبارات میں چھپ چکی ہے اور یہ کوئی اتنی بڑی اور شہرۂ آفاق کہانی نہیں۔ مجھ جیسی لاکھوں لڑکیوں کی یہ کہانی ہے۔ میرا اصل سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ شاید آپ کے پاس یا آپ کے قانونی اداروں کے پاس اس کا جواب نہ ہو۔ اس لئے یہ جواب مجھے دینا ہے اس لئے میں یہاں آئی ہوں۔ میں قانون کی اس معزز عدالت کو گواہ بنا کر کہنا چاہتی ہوں کہ اس کرپٹ بیوروکریٹس ٹولے سے ہماری جان کب چھوٹے گی۔ ان وڈیروں' جاگیرداروں کی ذہنی پستی کو کون بدلے گا یہ لوگ جو بادن سال سے قوم کو لوٹ رہے ہیں ان کا کریکٹر تباہ برباد کر رہے ہیں ان کی گردن کون ناپے گا۔ کیونکہ مجھ جیسی لاکھوں لڑکیاں ان جیسے بدبخت لوگوں کی گندی ذہنیتوں کا شکار ہوتی ہیں۔ میں اپنا یہ پیغام قوم کے اس سپاہی تک پہنچانا چاہتی ہوں جس نے دو ماہ پہلے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ہے۔

میں اسے کہنا چاہتی ہوں کہ بادن سال اس ننگی تلوار کی مانند ہمارے سروں پر لٹکتے ہوئے سسٹم کو بدل ڈالو۔ ورنہ یہ قوم تباہ ہو جائے گی۔ یہ سسک سسک کر ہولے ہولے دم توڑ رہی ہے۔ میں اسے کہنا چاہتی ہون کہ پولیس کی یہ صدیوں پرانی ریاستی دہشت گردی کو ختم کرو ورنہ کہیں سے انصاف نہیں ملے گا۔

میں اسے کہنا چاہتی ہوں اس کرپٹ بیوروکریٹس ٹولے کو ختم کر دو۔ کیا ہمارے ملک میں کوئی بھی ایماندار انسان نہیں۔ کیا سب لٹیرے ہیں۔ صرف ملک کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ تباہ و برباد کرنا ہی ان کا مسلک ہے۔ لیکن کب تک یہ ملک زندہ رہے گا۔ اخر کب تک؟

میں اس سپاہی کو کہنا چاہتی ہوں کہ ہمیں جمہوریت کی شکل دکھا دو کہ یہ کیسی ہوتی ہے۔ اگر تم نے اسے پالنے میں ڈالا ہے تو یہ کتنے عرصے میں پرورش پا سکے گی۔ کب جوان ہو گی؟ کیا ہم اسے دیکھ سکیں گے؟

ہاں میں اس سپاہی کو کہنا چاہتی ہوں کہ کیا خوبصورت بیانات کے پیچھے کسی کردار اور مثبت عمل کو بھی دخل ہے کہ نہیں۔ یہ قوم ہر آنے والے حکمران ٹولے سے ایسے ہی خوبصورت بیانات سن سن کر نصف صدی گزار چکی ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ ہر کتنی نصف صدیاں گزارنا پڑیں گی۔

"میں اس سپاہی سے کہنا چاہتی ہوں کہ پنجاب کے گورنر ریٹائرڈ بریگیڈیئر جناب مقدر اگر یہ بیان دیتے ہیں کہ انہیں معلوم ہے کہ تھانے ڈکیتیاں کرواتے ہیں تو پھر ان ڈکیتوں کا سدباب کیوں نہیں کیا گیا۔ ڈکیتیاں تو آپ کی حکومت میں ہو رہی ہیں۔ لڑتیں تو اب بھی لوٹی جا رہی ہیں۔ قتل و غارت' بم دھماکے تو اب بھی ہو رہے ہیں جو سابقہ حکومتوں کا وطیرہ رہا۔

میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب سب کچھ معلوم ہے تو سب کچھ درست کیوں نہیں ہوا۔ اسے کون کرے گا۔ کیا تم سے بھی اوپر کوئی بیٹھا ہوا ہے جسے تم نے جواب دینا ہوتا ہے؟

ہاں..... ہاں تو ہم کو جمہوریت کی صورت دکھاؤ اگر نہیں تو پھر واپس بیرکوں میں چلے جاؤ اور اس قوم کو خدا کے سپرد کر دو۔ جسے نصف صدی کٹی ہے ایسے باقی صدیاں کٹ جائیں گی۔ پہلے بھی ناانصافیوں کا دور دورہ تھا اب بھی کچھ نہیں بدلا۔ صرف بنکوں سے روپیہ لوٹنے والوں کو پکڑنا ہی انصاف نہیں۔ سب سے پہلے غریب کو روٹی اور شخصی آزادی دو۔ پولیس ریاستی دہشت گردی ختم کراؤ۔ اگر تھانے بکتے ہیں اور وہ ڈکیتیاں کرواتے ہیں تو سب سے پہلے اس نظام کو درست کرو۔ لوٹی ہوئی دولت واپس لینے سے قوم کا کچھ نہیں سنورے گا۔ قوم کا کچھ سنوارنا ہے تو قوم کی سنو اور عمل کرو۔ پھر میں ہی نہیں پوری قوم تمہاری کیپ کو سلام کرے گی"۔ اتنا کہہ کر وہ رک گئی۔ اس نے گہرے گہرے سانس لئے پھر کمرہ عدالت میں بھرے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ جہاں پریس فوٹوگرافروں کے درمیان فراز' جیراں اور ایک کونے میں اس کا باپ سر اٹھائے کھڑا تھا جیسے بیٹی کے بیان سے فخر محسوس کر رہا ہو۔

"کیا میں معزز عدالت سے اپنے لئے پانی کا ایک گلاس مانگ سکتی ہوں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جج نے اپنے اردلی کی طرف دیکھا جو چیمبر کے اندر چلا گیا کچھ دیر بعد زیبا انوار کو شیشے کے گلاس میں پانی مہیا کر دیا گیا جو اس نے آدھا پی کر گلاس واپس کر دیا۔ تب جج صاحب نے اپنے چشمے کو صاف کیا اور بولے۔

"آپ نے مزید کچھ کہنا ہے"۔

"بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ ہاں میں قوم کے اس سپاہی سے کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اس قوم کو کچھ دینا ہے۔ اگر اس قوم کا نصیب بدلنا ہے تو ایک کرم کر ڈالے اس ملک کے بیوروکریٹس..... وڈیرے..... جاگیردار..... سرمایہ دار..... اور سیاستدانوں..... کو، نصف صدی سے چہرے بدل بدل کر لباس بدل بدل کر نسل در نسل پاون سال سے اس ملک کی دولت کو اپنے گھروں کی لونڈی سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہے ہیں ختم کر ڈالو۔ جاگیرداروں، وڈیروں اور سیاست دانوں کا بریں واشنگ کر ڈالو۔ ان کی طاقت چھین کر انسانوں کی قطار میں کھڑا کر دو۔ اپنی قوم کو ان پانچ خاندانوں کی پست ذہنیت سے بچا لو۔ اگر پالنے میں ڈالنا ہی ہے تو جمہوریت کی بجائے ان پانچ خاندانوں کو ڈال دو۔ انہیں پرورش کرو اور خود ہی انہیں جوان کرو۔ پھر تمہاری یہ قوم جمہوریت کی اصل شکل دیکھ پائے گی۔ پھر انہیں زندہ رہنے کا حق مل جائے گا۔ اگر پولیس کی ریاستی دہشت گردی سے اس قوم کو بچانا ہے تو اپنے قانون میں ترمیم کرو۔ جس علاقے میں کوئی ڈکیتی ہو یا کسی کی عزت لوٹی جائے اس علاقے کے انچارج کو نہ صرف معطل کر ڈالو بلکہ سات سال قید بھی سنا ڈالو۔ خوف کا پہرہ بٹھا دو ان کے ذہنوں پر۔ حکومتی ادارے میں جو لوگ بھرتی ہوں ان کے اثاثوں کو نوٹ کیا جائے۔ پھر رشوت ختم ہو جائے گی۔ ہر محکمہ ایمانداری سے اپنا کام کرے گا۔ ہاں اس سپاہی سے کہنا چاہتی ہوں کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ اگر کچھ پانا ہے تو قوانین نافذ کر ڈالو۔ ورنہ کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بھی ان جنرلوں کی طرح اپنا وقت پورا کر کے چلیں جائیں گے اور یہ قوم جو آپ سے ڈھیروں امیدیں لگائے بیٹھی ہے سینکڑوں خواب دیکھے بیٹھی ہے پھر صفریتوں کے جبڑوں میں چلی جائے گی"۔ اتنا کہہ کر زیبا انوار نے آنکھیں بند کر لیں۔

"خان آفریدی کو آپ نے ایس پی اسرار احمد کے ریوالور سے گولیاں چلا کر

انہیں زیر حراست لاک اپ میں مار ڈالا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"اسے احتساب کہتے ہیں۔ فوری فیصلہ۔ اس نے کتنی بار ہم لوگوں کو قتل کیا وہ سب اخبارات میں موجود ہے۔ میں نے تو اسے ایک بار ہی مارا ہے۔ اور میں اس قانون سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ میں نے ایک درندے کو، انسانی روپ میں ایک عفریت کو مارا ہے۔ میں اس بھری عدالت میں اپنے اس جرم کا اعتراف کرتی ہوں۔ ہاں میں اقرار کرتی ہوں کہ وہ میں ہی ہوں جس نے اس فرسودہ نظام کا پہلا قتل کیا ہے۔ میں اپنے حصے کا کام کر چکی اور آپ اپنے حصے کام خود کریں۔ خدا کی پناہ یہ لوگ اپنی طاقت کو پچاس گنا بڑھا کر استعمال کرتے ہیں۔ کیا بنے گا اس قوم کا۔ ارے کوئی ہے مسیحا؟ ہے کوئی اس قوم کو کرپٹ لوگوں سے بچانے والا؟" اتنا کہہ کر وہ رو پڑی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے تھے۔ ہر طرف ایک شور اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جج صاحب نے انہیں خاموش کرانے کے لئے وارننگ دینا پڑی۔ پھر تاریخ پڑ گئی تھی اور پولیس بڑی مشکل سے زیبا انوار کو اپنے حصار میں جیپ تک لائی تھی۔ ایس پی اسرار احمد اس کے ساتھ ساتھ جو جیپ میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ "کیا آپ اپنے ساتھیوں اور والدین سے نہیں ملیں گی؟"

"میں انہیں دیکھ چکی ہوں وہ مجھ جی بھر کر دیکھ چکے ہیں۔ ہاں اگر آپ مہربانی فرمانا چاہتے ہوں تو مجھ میرے بابا ہاکو خان سے ملا دیجئے"۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ زندہ ہوں گے؟"

"ہاں میرا ایمان ہے کہ پولیس نے اسے ابھی ضائع نہیں کیا"۔

"چلو وہیں چلتے ہیں؟"

"کیا وہ پولیس کسٹڈی میں ہیں؟"

"نہیں۔ بلکہ سی آئی اے نے کیس بنا کر اسے جیل بھجوا دیا تھا۔ اس نے زبان بند رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور سے درخواست کی تھی کہ اگر میں آپ کو مکمل تحفظ فراہم کر دوں تو ہمیشہ کے لئے چپ سادھ لے گا"۔

"کیا اس کے پاس کچھ راز تھے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں ان لوگوں کے جو اس سے کام لیتے رہے اور وہ تمام ریکارڈ کسی بینک کے لاکرز میں ہے یہی وجہ ہے کہ اسے ضائع نہیں ہونے دیا گیا"۔

"اس پر کیسز کون سے ڈالے گئے ہیں؟"

"قتل وغیرہ کے کیس نہیں ڈالے گئے صرف رشوت کرپشن وغیرہ"۔

"کیا بچ جائیں گے"۔

"کیوں نہیں۔ چھ سات سال سزا ہو سکتی ہے۔ بس اور کچھ نہیں۔ لیکن آپ ان سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟"

"یہ زندگی ان ہی کی دی ہوئی ہے۔ امانت ہے میرے پاس"۔

"ہم جیل جا رہے ہیں"۔ یہ الفاظ انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے پولیس ملازم سے کہے تھے۔ اور جیپ کا رخ موڑ دیا گیا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ اگر سب پولیس والے آپ جیسے ہو جائیں تو یہ قوم سکھ کا سانس لے گی"۔

"آپ عدالت میں بہت خوبصورت بولی ہیں۔ قانون اور پولیس کی ہمدردیاں آپ نے خرید لی ہیں۔ صبح کے اخبارات پھر بھرے پڑے ہوں گے"۔

"میں نے جو کہا سچ کہا ہے۔ کسی حکمران ٹولے سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اس قوم کو جمہوریت کی شکل دکھانا چاہتی ہوں اور وہ کیسے دیکھی جا سکتی ہے وہی باتیں میں نے کیں۔ صرف لٹیروں سے دولت واپس لینے سے کام نہیں چلے گا۔ ہر محکمے سے کرپشن ختم کرنا ہو گی۔ جاگیرداروں کے ذہنوں کو بدلنا ہو گا۔ ان سے طاقت کا غلط استعمال واپس لینا ہو گا۔ وڈیروں کے چال چلن بدلنے پڑیں گے۔ یہ ملک سیاست دانوں کے باپ کا نہیں کہ اپنی لاٹھی سے پوری قوم کو جدھر چاہیں ہانکتے پھریں۔ پاون سال سے جمہوریت کی رٹ لگانے والے ان سیاست دانوں نے صرف باتیں کیں۔ لیکن جمہوریت ہوتی کیسی ہے اس کی شکل نہ دکھا سکے۔ سب اپنا اپنا پیٹ بھرتے رہے آخر ان کے دوزخ کو کتنا ایندھن چاہیے۔ اس ملک میں صرف طاقت کی حکومت ہے۔ یہ چودہ کروڑ عوام کیا چاہتے ہیں۔ ان کی کوئی نہیں سنتا"۔

"شاید حالات بہتر ہو جائیں۔ اسرار احمد پر تفکر انداز میں بولے تھے۔ پھر جیپ میں خاموشی چھا گئی تھی اور جیپ سنٹرل جیل کے اندر داخل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسرار احمد نے جیل حکام سے کچھ باتیں کی تھیں۔ تب پندرہ منٹ بعد جیلر کے کمرے میں جیل حکام ہلاکو خان کو لائے تھے اور زیبا انوار اس سے لپٹ گئی تھی۔

"اپنے حصے کا سارا کام کر آئی ہوں بابا"۔

"جیتی رہو۔ کیا بولا۔ جیتی رہو"۔ ہلاکو خان اسے سینے سے الگ کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے وڈیرے کو مار ڈالا۔ آخری سانپ بھی کچل دیا بابا"۔

"سب خبر ہے۔ کیا بولا۔ سب خبر ہے"۔

"بابا... مجھے کچھ کہنا ہے"۔

"ہاں بولو۔ ہمارا جان تمہارا لئے حاضر۔ کیا بولا۔ جان حاضر۔ ہاں بولو تم بولو ہم سنتا ہے"۔

"آپ کے ایس پی اسرار احمد نے بہت مدد کی۔ آپ کے بعد یہ زندگی انہوں نے دی ہے"۔

"پولیس میں اچھے لوگ بھی ہوتا۔ یہ بڑا لوگ ہے۔ کیا بولا۔ بڑا لوگ۔ وہ بڑا لوگ جو واقعی بڑا ہے۔ نہ تو قد سے چھوٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اندر سے کھوٹا ہوتا ہے۔ یہ آفیسر واقعی اس قابل ہے کہ ہم ان کو سلام کرتا"۔

اور پھر واقعی ہلاکو خان نے سلام کیا۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں زیب کو کم سے کم سزا ہونے دیں گے اور جب یہ جیل سے واپس آئیں گی تو فراز سے ان کی شادی بھی خود کروائیں گے"۔

"آپ واقعی بڑا آدمی ہے۔ ہم پھر سلام کرتا ہے"۔ اور ہلاکو خان نے پھر سلوٹ کیا اور بولا۔

"یہ جو پولیس والوں سے اوپر والے کام لیتا ہے ادھر جھاڑو پھرے گا کہ نہیں"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بلوں سال سے ایک مزاج بن گیا ہے۔ بہرکیف بہتری کی امید کی جا سکتی ہے"۔

"ہونہہ۔ نہیں بدلے گا۔ کیا بولا۔ نہیں بدلے گا"۔

"کوشش تو کی جا سکتی ہے"۔ اسرار احمد بولے۔

"کون کرے گا۔ ہر ادارہ کرپٹ ہے۔ جہاں ہاتھ رکھیں گے بدبو آئے گی۔ بہر کیف ہم اپنی گزار چکا"۔

"بابا جس دن جیل سے رہا ہوئی میں سیدھا تمہارے پاس آؤں گی۔ میں تمہاری بیٹی ہوں بابا۔ آج آپ میرے لئے ادھر جیل میں پڑے ہیں۔ بس تمہاری بیٹی کی خواہش ہے کہ اپنی زندگی میں جمہوریت کی صورت دیکھ سکے۔ خدا حافظ بابا۔ خدا حافظ"۔

"خدا حافظ میری بیٹی۔ خدا حافظ"۔

اور اسرار احمد زیبا انوار کو لئے باہر آ گئے۔ اس امید پر کہ زیبا انوار کو بچا لیں گے۔

آنسو